اے آر خاتون

تصویر
(ناول)
اے، آر، خاتون

قیمت :۔ چار روپے آٹھ آنے

ناشر

نیا ادارہ ڈھاکہ
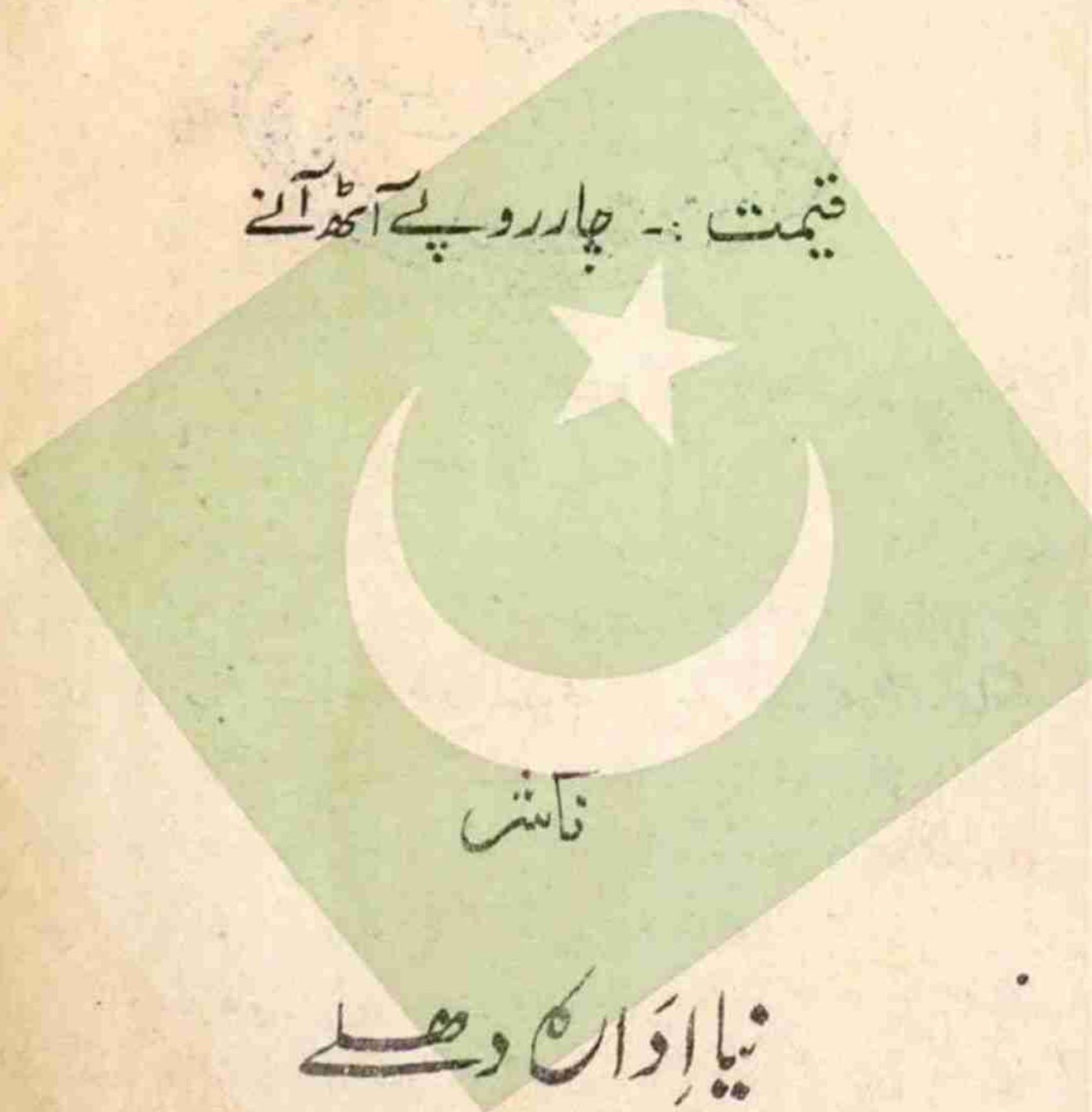
مطبوعہ :۔ کوہ نور پرنٹنگ پریس ڈھاکہ

پہلا باب

شہر کی آبادی سے کچھ دور سنسان سڑک پہ اندھیرے میں ایک متحرک روشنی نظر آ رہی ہے جو کبھی داہنی طرف چمکتی ہے اور کبھی بائیں طرف یا بالکل سامنے آجاتی ہے معلوم ہوتا ہے جگنو ٹمٹما رہا ہے۔ رات معمول سے زیادہ تاریک ہے چار روز کی موسلا دھار بارش کے بعد آج پانی نے ذرا دم لیا ہے لیکن ابھی تک آسمان پر بادلوں کی فوج ایک خونخوار لشکر کی طرح باگ اٹھائے چلی آتی ہے۔ پُروا ہوا کے تھپیڑے بڑے بڑے پرانے اور مضبوط درختوں کا منہ پھیرے دیتے ہیں۔ زمین پر جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے پانی کا دریا لہریں مارتا نظر آتا ہے سڑک جگہ جگہ سے کٹ گئی ہے نالے اور پلیاں دھائیں دھائیں بہہ رہے ہیں۔

اندازاً آٹھ بجے ہوں گے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے انسان تو انسان حیوان بھی کسی پناہ کی جگہ منہ چھپائے بیٹھے ہیں صرف ایک تانگہ ہے جو نہایت دھیمی رفتار سے چل رہا ہے۔ جابجا گڑھوں میں پانی بھر جانے کی وجہ سے راستہ ناہموار ہو گیا ہے۔ تانگہ والا گھوڑے کو بڑی بے دردی سے مار رہا ہے لیکن گھوڑا بھی بڑا اڑیل اور ضدی ہے چابک کی ضرب پڑ کبھی تو پچھلی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اور کبھی تانگہ کو پھیرکی کا ناچ نچانے

لگتا ہے۔ تانگے والے کی پیہم آدھ گھنٹے کی کوشش کے بعد بھی گھوڑا اپنی جگہ سے ایک انچ آگے نہیں بڑھا۔

دفعتاً ایک تیز روشنی گھوڑے کے منہ پر پڑی اور پے در پے موٹر کے ہارن کی آواز سے ایک دم گھوڑا چکر کھا کر الف ہو گیا۔

خاموش فضا میں ایک بھیانک آواز پیدا ہوئی اور دو تین سکنڈ تک اپنی گونج سے جنگل کو خوفزدہ کر دیا۔ گھوڑا زمین پر لوٹ رہا تھا۔ تانگہ کا ایک پہیہ الگ ہو کر نشیب کی طرف لڑھکتا جا رہا تھا...... تانگہ والا پڑا ہائے ہائے کر رہا تھا۔ تانگہ کی سواریاں کیچڑ میں لت پت نظر آ رہی تھیں...... موٹر کوئی دس قدم آگے چل کر رک گئی...... ایک نوجوان برساتی پہنے ٹارچ ہاتھ میں لیے، بڑی تیزی سے اترا۔ موٹر کو ٹارچ کی روشنی میں چاروں طرف سے دیکھا سامنے کا شیشہ چکناچور ہو گیا تھا۔ اور کئی جگہ سے موٹر پچک گئی تھی نوکر کی پیشانی سے خون جاری تھا نوجوان نے اپنی جیب سے رومال نکال کر نوکر کے سر میں باندھا۔ پھر وہ تانگے کو دیکھنے پیچھے کی طرف مڑا...... گھوڑا ابھی تک زمین پر پڑا تھا۔ تانگہ کی سواریاں بھی اسی حال میں تھیں تانگہ والا کھڑا ہوا اپنے کپڑے پونچھ رہا تھا ...... سب سے پہلے نوجوان نے تانگے کی سواریوں کو دیکھا۔ ایک برقعہ پوش عورت تھی اور ایک چودہ یا پندرہ سال کا لڑکا............

عورت بےحس و حرکت پڑی تھی شاید اس کے چوٹ زیادہ آئی تھی نوجوان نے ٹارچ کی روشنی ڈالی لڑکا گھبرا کر کھڑا ہو گیا پھر نوجوان نے تانگہ والے سے پوچھا یہ سواریاں کہاں سے لایا تھا اور کہاں لے جا رہا تھا؟ تانگے والے نے جواب دیا۔ یہ اسکول کی استانی ہیں اپنے گھر جا رہی تھیں۔ نوجوان نے پوچھا "ان کا مکان کہاں ہے؟" تانگہ والے نے کہا یہاں سے چار میل پر ایک موضع جمال پور ہے

وہاں ان کا مکان ہے،، اب لڑکا بھی اپنے حواس درست کرکے کھڑا ہوگیا تھا اس نے
سہمی ہوئی آواز میں نوجوان سے کہا "تانگے والا ہمیں لیکر ہمیں پانچ بجے چلا تھا تمام
راستے گھوڑے کو مار مار کر ادھ موا کیا کسی طرح گھوڑا چلتا ہی نہ تھا دو تین دفعہ پہلے
بھی گرتے گرتے بچے،، نوجوان نے تانگے والے سے ڈانٹ کر کہا "کیوں بے
بدمعاش۔ اس اڑیل ٹٹو اور ٹوٹے ہوئے تانگے پہ برسات کے موسم میں
زنانی سواری کو کیوں لیکر چلا تھا" تانگہ والے نے بگڑ کر جواب دیا "آپ دیکھتے
نہیں سڑک کتنی خراب ہو رہی ہے؟ ایک تو میرا تانگہ ٹوٹا گھوڑے کے چوٹ
لگی اور الٹا میرے ہی اوپر الزام رکھتے ہیں،، نوجوان نے سخت لہجہ میں کہا
"الزام کمبخت اندھا ہو کر تانگہ کو چلاتا ہے موٹر کے ہارن کی آواز تو نے نہیں
سنی تھی۔ کیوں نہیں تانگہ کو بچایا" تانگہ والے نے ذرا دبی آواز سے کہا۔
"صاحب بچا تو رہا تھا جانور ہے بگڑنے لگا میرا اس میں کیا قصور ہے" نوجوان
نے غصہ میں کہا تیرا قصور نہیں ہے تو اور کس کا ہے۔ کیوں شام کے وقت
سواریاں لیکر چلا تھا۔ تانگے والے نے کہا۔ کوئی آج نیا لے کر تھوڑی چلا تھا
ہمیشہ استانی جی میرے تانگہ پہ آیا کرتی تھیں آپ کی موٹر بیچ میں نہ آجاتی تو ۹ بجے
تک پہنچا دیتا" نوجوان نے اپنے نوکر کو پکارا گنگا رام اس تانگہ والے کا نام اور تانگے
کا نمبر لکھو،، تانگہ والے نے کہا صاحب غریب آدمی ہوں پندرہ بیس روپیہ کی چپت
پڑی یہ کون دیگا" نوجوان نے جھنجھلا کر کہا "تجھے اپنے پندرہ بیس کی پڑی ہے۔ ہمارا
دو ڈھائی سو کا نقصان تیری وجہ سے ہوا۔ "تانگے والے نے کہا حضور آپ بڑے
بڑے آدمی ہیں میرے لئے پندرہ بیس ہی دو ڈھائی سو کے برابر ہیں،،
نوجوان نے لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا "استانی تمہاری کون ہیں؟"
لڑکے نے جواب دیا میری والدہ ہیں" نوجوان نے کہا ذرا اپنی والدہ سے دریافت

گر دان کے چوٹ تو زیادہ نہیں آئی۔ لڑکے نے اپنی ماں کے قریب بیٹھ کر پوچھا۔ کیا آپ کے زیادہ چوٹ لگی ہے؟ پھر بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ لڑکے نے پریشان ہو کر نوجوان سے کہا۔ مہربانی فرما کر ذرا اپنی ٹارچ مجھے دیدیجئے۔ یہ تو بولتی ہی نہیں" نوجوان نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا۔ "ہاں ہاں لو۔ معلوم ہوتا ہے بیہوش ہو گئی ہیں"

لڑکے نے ٹارچ کی روشنی میں اپنی ماں کو اچھی طرح سے دیکھا اور گھبرا کر نوجوان سے کہا "خبر نہیں انکو کیا ہو گیا ...... آپ نبض دیکھ سکتے ہیں" نوجوان نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا: "گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے ذرا اپنی والدہ کا ہاتھ برقعہ کے اندر سے نکالو میں دیکھوں"

لڑکے نے مشکل سے اپنی ماں کا ہاتھ برقعہ میں سے نکالا۔ نوجوان نے نبض دیکھ کر کہا کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے معلوم ہوتا ہے تمہاری والدہ پہلے سے کمزور رہیں تانگہ سے گرنے کی وجہ سے بیہوش ہو گئی ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں ہے میں ابھی اس کا انتظام کرتا ہوں .... ذرا ایک طرف سے تم سہارا دو میں انکو موٹر میں لٹادوں یہاں چاروں طرف پانی ہی پانی ہے"

لڑکا اس وقت بہت پریشان تھا اس کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔ نوجوان کے کہنے سے اس نے مشکل سے اپنی ماں کو ذرا سا اٹھایا۔ مگر وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئیں ...... نوجوان نے کہا "تمہارے ہاتھ کانپ رہے ہیں اگر کہو تو میں اپنے نوکر کی مدد سے ان کو موٹر تک لیجاؤں"۔ لڑکے نے کہا "جو آپ کا دل چاہے کیجئے"

نوجوان نے بیہوش برقعہ پوش عورت کو اپنے نوکر کی مدد سے موٹر میں لیجا کر ڈالا۔ اس کے بعد انہوں نے نوکر سے کہا۔ رحمت اللہ تم اور گنگا رام دونوں آدمی گھوڑے کو اٹھواؤ .... بڑی مشکل سے تانگے والے اور دونوں آدمیوں نے

گھوڑے کو کھڑا کیا اس کی ایک ٹانگ میں چوٹ آئی تھی مگر چلنے کے قابل تھا نوجوان نے اپنے نوکر سے پوچھا۔ "تانگہ کا نمبر لکھ لیا؟" نوکر نے کہا "جی حضور" تانگے والے نے گڑگڑا کر کہا "حضور غریب آدمی ہوں۔ میرا قصور معاف کر دیجئے! بال بچے بھوکے مر جائیں گے"۔ نوجوان نے نوکر سے کہا "گنگا رام اس کے کان پکڑواؤ آئندہ کبھی یہ اپنے تانگے پر زنانی سواری لیکر نہ چلے...... جاؤ اس وقت معاف کیا"... دوسرے نوکر سے" نوجوان نے کہا "رحمت اللہ! دس روپیہ اسکو دیدو"

لڑکا بیچارہ موٹر کے دروازے کے پاس کھڑا تھا نوجوان نے اس سے کہا "تم اپنی والدہ کے پاس موٹر میں بیٹھ جاؤ میں تمہیں ہسپتال لے چلتا ہوں" لڑکے نے کہا "آپ بجائے ہسپتال کے اگر ہمارے گھر پہنچا دیں تو بڑی مہربانی ہوگی" نوجوان نے تعجب سے کہا "کیا تم ہسپتال جانا نہیں چاہتے؟ وہاں میں خاص طور پر تمہارے لئے انتظام کرا دوں گا تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ لڑکے نے خوشامد لہجہ میں کہا۔ اگر آپ گھر ہی پہنچا دیں تو عنایت ہوگی، نوجوان نے کہا "کیا گھر پہ تمہارے والد ہیں؟" لڑکے نے کہا "جی نہیں"، نوجوان نے کہا "پھر کیوں نہیں ہسپتال چلتے؟ لڑکے نے جواب دیا۔ والدہ ہوشیار ہو کر ناراض ہوں گی" نوجوان نے کہا "خیر تمہاری مرضی نہیں ہے تو نہیں لیجاتا تمہارے گھر ہی پہنچائے دیتا ہوں لیکن جو سہولت ہسپتال میں ہوتی ہے وہ گھر پر نہیں ہو سکتی وہاں ہر وقت ڈاکٹر دیکھیں گے اس کے علاوہ ڈاکٹر کو لانے میں اس وقت دیر لگے گی۔... بولو کیا رائے ہے؟ ہسپتال لے چلوں؟ یا تمہارے گھر؟" لڑکے نے دبی زبان سے کہا آپ گھر ہی پہنچا دیں تو مہربانی ہوگی"

نوجوان نے موٹر چلا دی دس منٹ کے اندر لڑکے کا مکان آگیا دروازہ بند تھا لڑکے نے اتر کر مکان کا دروازہ کھلوایا ایک ادھیڑ عمر کی عورت سفید ساڑی

باندھے اندر سے آئی لڑکے نے آہستہ سے اس عورت سے کچھ کہا وہ الٹے پاؤں اندر چلی گئی اور دو منٹ کے اندر ایک لالٹین اور بستر لیکر آئی نوجوان نے اپنے نوکر اور اس عورت کی مدد سے مریضہ کو موٹر سے نکالکر بستر پہ لٹا دیا اور بہت احتیاط سے وہ بستر پکڑوا کر اندر پہنچا دیا۔

یہ مکان دیہاتی وضع کا تھا مگر صفائی ستھرائی اور سلیقے کے لحاظ سے ایک عالیشان کوٹھی سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اس مکان میں سامنے ایک بہت بڑا دالان تھا اس کے تین حصے کئے گئے تھے۔ ایک حصہ میں دو نوار کی پلنگ بچھے ہوئے تھے ایک چھوٹی میز پر سبز رنگ کے گلوب کا لیمپ رکھا تھا ایک الماری میں چند کتابیں نہایت قیمتی رکھی ہوئی تھیں ...... دوسرے حصے کو ملاقاتی کمرہ بنایا گیا تھا ...
تیسرے حصے میں کھانے کی میز اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں ایک الماری میں چینی کے برتن بہت صفائی سے رکھے ہوئے تھے مکان کی دیواریں کچی تھیں ان پر ٹاٹ لگا کر سفیدی کی گئی تھی دوسرا دالان پہلو میں تھا اس کے بھی دو حصے کئے گئے تھے ایک میں باورچی خانہ تھا دوسرے میں اور ضروری سامان تھا صحن بہت کشادہ تھا اس میں نہایت خوبصورتی سے چھوٹا سا باغیچہ لگا ہوا تھا غرض ہر قسم کی ضرورت اور تفریح کا سامان اس دیہاتی مکان میں موجود تھا ......
یہ بات ضرور تھی کہ بارش کی زیادتی سے اکثر چیزیں الٹ پلٹ اور بے ترتیب ہو گئی تھیں لیکن اس مکان کے رہنے والوں کے خیالات اور خوش سلیقگی کا پتہ چلتا تھا۔ نوجوان نے ایک سرسری نگاہ اس مکان اور اس کے سامان پر ڈالتے ہوئے لڑکے سے کہا "میں ابھی ڈاکٹر کو لیکر آتا ہوں... گھبرانا نہیں"
ایک گھنٹے کے بعد نوجوان ایک انگریز ڈاکٹر کو لیکر آئے ...... اس وقت مریضہ پلنگ پہ نہایت صاف بستر پہ لیٹی ہوئی تھیں گرم پانی کی ربڑ کی بوتل پاس رکھی تھی۔

گیس کی لالٹین جل رہی تھی۔ نوجوان نے لڑکے سے پوچھا: "ہمارے جانے کے بعد کوئی نئی بات قابل ذکر نہیں ہوئی؟" لڑکے نے جواب دیا "آپ کے جانے کے آدھ گھنٹہ بعد ایک خون کی قے ہوئی اس سے شاید کچھ فائدہ ہوا کیونکہ انھوں نے آنکھیں کھولی تھیں اور ایک آدھ بات بھی کی سینہ اور پسلیوں میں درد بتاتی ہیں" نوجوان نے انگریزی میں ڈاکٹر سے حال بیان کیا لڑکا بالکل خاموش کھڑا نوجوان کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا اس وقت اس کی صورت پر کچھ اطمینان اور سکون پایا جاتا تھا۔ ڈاکٹر نے مریضہ کو معمولی طریق سے دیکھ کر نوجوان سے انگریزی میں کہا: "ذرا وہ خون کی قے تو منگوائیے میں دیکھنا چاہتا ہوں" لڑکا جلدی سے ایک تانبے کا تسلا اٹھا لایا نوجوان نے پوچھا "تم انگریزی جانتے ہو" لڑکے نے کہا: "کچھ تھوڑی جانتا ہوں۔ نوجوان نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟" لڑکے نے کہا "یوسف"

گیس کی روشنی میں اس مکان کی ہر چیز صاف نظر آرہی تھی ڈاکٹر نے مریضہ کے اوپر سے چادر بالکل ہٹادی تھی نوجوان سرہانے کھڑا تھا انھوں نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا اور لڑکے کو غور سے دیکھنے لگا لڑکا ابھی تک وہی کیچڑ میں بھرے ہوئے کپڑے پہنے تھا۔ خاکی نیکر زین کا اور نیلا کوٹ، نوجوان نے آہستہ سے کہا نام کسی نے بالکل ٹھیک رکھا ہے یوسف ثانی ہے، اچانک نوجوان کی نظر سامنے دیوار پر لگی ہوئی تصویر پر پڑی۔ یہ فوٹو ایک سولہ سترہ سال کی لڑکی کا تھا جس کو قدرت نے حسن کے سانچے میں ڈھالا تھا نوجوان کئی منٹ تک اس تصویر کو دیکھتے رہے پھر انھوں نے یوسف کی طرف دیکھا وہ بھی انھیں ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ انھوں نے فوراً اپنی نگاہ دوسری طرف کر لی۔

ڈاکٹر نے نوجوان سے کہا "مریضہ کو آرام کی ضرورت ہے۔ تھوڑی برف ان کو چوسنے کو دی جائے اس کے علاوہ کچھ نہ دیا جائے رات گذارنے کے بعد

صبح کوئی دوا تجویز کی جائیگی " نوجوان نے لڑکے سے کہا اگر برف نہو تو میں ابھی منگوا دوں
لڑکے نے کہا: "برف تو ہم شہر سے لیکر چلے تھے آپ تکلیف نہ کیجئے " ڈاکٹر نے لڑکے
سے کہا ہمیں تمہارے ساتھ پوری ہمدردی ہے گھبرانا نہیں تمہاری ماں اچھی
ہو جائیں گی۔ رات بھر انکی خبر گیری رکھنا۔ لڑکے نے نوجوان کو کچھ نوٹ دیکر کہا: یہ
ڈاکٹر صاحب کی فیس ہے۔ نوجوان نے کہا۔ فیس کی ضرورت نہیں ڈاکٹر صاحب ہمارے
دوست ہیں۔ یوسف نے کئی بار کچھ کہنے کی کوشش کی مگر کوئی لفظ زبان سے
نہیں نکل سکا... نوجوان نے پوچھا۔ تمہارے گھر میں اور کون کون ہیں؟"
یوسف نے کہا: صرف میں ہوں۔ نوجوان نے کہا: "اور بہن بھائی نہیں ہیں"
یوسف نے کہا: "بھائی تو کوئی نہیں ہے۔ ایک بہن ہیں" نوجوان نے یوسف
کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا تم گھبرانا نہیں اپنی بہن کو بھی اطمینان دلا دینا۔ میں صبح
سات بجے ڈاکٹر صاحب کو لے کر آؤں گا اس وقت رات کے بارہ بج چکے تھے
نوجوان ڈاکٹر کو لیکر باہر آگئے۔ یوسف کو جتنے الفاظ یاد تھے سب نوجوان کے
شکریہ میں ادا کر دیئے... نوجوان نے کہا یہ تو میرا فرض تھا۔ میں نے تمہارے
اوپر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ میں تم سے بہت شرمندہ ہوں میری وجہ سے
تم لوگوں کو بہت پریشانی اٹھانی پڑی"
ڈاکٹر نے یوسف سے کہا تم اپنی ماں کے پاس جاکر بیٹھو ان کو بالکل حرکت
نہ دینا۔ بہت آرام کی ضرورت ہے" یوسف کے جانے کے بعد نوجوان نے
ڈاکٹر سے پوچھا مریضہ کی حالت کچھ زیادہ خطرناک تو نہیں ہے؟ ڈاکٹر نے کہا: "کوئی
امید زندگی کی نہیں ہے۔ پسلیاں ٹوٹ کر پھیپھڑوں میں پیوست ہو گئی ہیں" نوجوان
نے گھبرا کر کہا۔ یہ تو بڑی افسوسناک بات آپ نے سنائی" ڈاکٹر نے کہا۔ "آپ نے
نہیں دیکھا ان کا سانس بگڑ چکا ہے" نوجوان نے کہا: "ڈاکٹر کچھ تو تدبیر کرو"

ڈاکٹر نے کہا: جس مقام پر ایکسیڈنٹ ہوا تھا وہاں سے اٹھانے میں معلوم ہوتا ہے بے احتیاطی ہوئی اس وجہ سے ان کے پھیپھڑے بہت زخمی ہو گئے" نوجوان نے کہا "بے احتیاطی تو ضرور ہوئی مگر اس وقت کیا ہو سکتا تھا وہ جگہ ایسی نہیں تھی کہ مریضہ کو پانچ منٹ بھی وہاں چھوڑا جاتا میں اور لڑکا دونوں پریشان تھے بمشکل سے گھسیٹ گھساٹ کر موٹر میں ڈالا گیا میں تو سیدھا ہسپتال لے جا رہا تھا مگر لڑکا راضی نہ ہوا" ڈاکٹر نے کہا "بڑی غلطی ہوئی آپ سے اگر آپ اسی وقت ہسپتال لیجاتے تو شاید میں کچھ تدبیر کر سکتا۔ اب تو میرے بس کی بات نہیں ہے" نوجوان نے کہا "ڈاکٹر خدا کے واسطے کچھ کرو کچھ تو علاج کرو اگر ہسپتال میں آپریشن وغیرہ ہو سکے تو میں ابھی مریضہ کے وہاں پہنچانے کا انتظام کر دوں" ڈاکٹر نے کہا "اب تو کچھ بھی گنجائش نہیں رہی بس خدا پر چھوڑ دیئے شاید کل تک زندہ رہیں" نوجوان نے کہا میں صبح سویرے آپ کے پاس آؤں گا۔ مجھے بہت پریشانی ہو گئی میں تو معمولی چوٹ سمجھ رہا تھا سارا الزام میرے اوپر آتا ہے" ڈاکٹر نے پوچھا "موٹر کون چلا رہا تھا" نوجوان نے کہا "میں خود" ڈاکٹر نے کہا آپ کے ساتھ اور کون تھا؟ نوجوان نے کہا "ایک میرا نوکر تھا دوسرا چپراسی تھا۔ یہی دونوں آدمی جو آپ کے سامنے کھڑے ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا: آپ کے اوپر کوئی الزام نہیں آ سکتا معاملہ رفع دفع ہو جائیگا۔ نوجوان نے کہا "میرا ضمیر جو مجھے ہر وقت ملامت کرتا رہیگا" ڈاکٹر نے کہا: آپ بھی کیا باتیں کہتے ہیں ضمیر کوئی چیز نہیں یہ تو اعصابی کمزوری ہے ضمیر انسان کو بزدلی سکھاتا ہے پستی کی طرف مائل کرتا ہے۔ دلیر اور بہادر آدمی ضمیر کے کہنے میں کبھی نہیں آتے...... ابھی آپ کو زندگی میں بیسیوں واقعات اور سینکڑوں اتفاقات ایسے پیش آئینگے جن کے اوپر آپ کا ضمیر آپ کو ملامت کریگا لیکن ہمیشہ آپ کو اپنے ضمیر کے خلاف ہی کام کرنا پڑیگا...... آپ کو نہیں معلوم

ڈاکٹر کو اپنے ضمیر کے خلاف کس قدر جد وجہد اور لڑائی کرنی پڑتی ہے دنیا میں اسی طرح کام چلا کرتے ہیں" نوجوان نے کہا "اچھا اس کو جانے دیجئے لیکن یوسف کی طرف سے بھی اندیشہ ہے وہ کوئی کارروائی میرے خلاف نہ کرے" ڈاکٹر نے کہا "واقعی آپ کو وہم بہت ہے وہ ایک کمزور لڑکا آپ کے مقابلہ میں کیسے آواز اٹھا سکتا ہے بس اب اس قصے کو یہیں ختم کیجئے" نوجوان نے کہا "اور خدا کے یہاں جو میری پرسشش ہوگی ڈاکٹر! میں سخت پریشان ہوں ڈاکٹر کوئی تدبیر استانی کو بچانے کی کرو" ڈاکٹر نے موٹر میں بیٹھتے ہوئے ایک قہقہہ لگا کر کہا۔ "آپ جیسے قابل اور روشن خیال آدمی کی زبان سے ایسی باتیں سن کر ہنسی بھی آتی ہے اور تعجب بھی ہوتا ہے اب مجھے آپ کے دماغ کا علاج کرنا پڑے گا .... کیا آپ نے قصداً استانی کو مارا ہے جو خدا آپ کو پکڑے گا" نوجوان نے ڈاکٹر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا خاموشی سے موٹر اسٹارٹ کر دی۔

دوسرا باب

برسات کی بھیگی ہوئی اندھیری رات ہے کوئی بارہ کا عمل ہوگا ....

دریائے گنگا کے کنارے ایک کوٹھی انگریزی وضع سے آراستہ ہے ....

یہ پروفیسر رفیق الزماں ایم اے پی ایچ ڈی کی کوٹھی ہے ...... پروفیسر صاحب پورے بارہ سال کے بعد جاپان سے واپس آئے ہیں .... اس وقت اپنے سونے کے کمرے میں مسہری پر خاموش اور رنجیدہ لیٹے ہوئے ہیں ان کی عمر تقریباً پچپن سال کی ہوگی گورا رنگ کشادہ پیشانی بڑی بڑی اور تھکی تھکی آنکھیں چہرہ ڈاڑھی مونچھ سے صاف ہے اس وجہ سے ہڈیاں نمایاں ہیں۔ اس وقت

گھر کے تمام لوگ خواب غفلت میں ہیں سب کمروں میں اندھیرا پڑا ہے صرف پروفیسر کے سونے کے کمرے کی بجلی جل رہی ہے مسہری کے قریب چھوٹی میز رکھی ہے اس پر برقی پنکھا چل رہا ہے ..... کمرے کی تمام کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں برسات کی پرنم ہوا کے جھونکے یونیا اور جوہی کی خوشبو سے کمرے کو معطر کر کے باہر نکل جاتے ہیں۔

پروفیسر سامنے والی دیوار پر لگی ہوئی ایک تصویر پر نظریں جمائے ہیں یہ تصویر ایک نہایت خوبصورت عورت کی ہے جو آرام کرسی پر دراز ہے اس کی صورت سے بیماری اور ناتوانی برس رہی ہے اس کے دائیں ہاتھ کی طرف نو یا دس سال کا ایک خوبصورت لڑکا کھڑا ہے۔ اور بائیں طرف ایک بہت ہی پیاری اور بھولی شکل کی بچی جس کی عمر کوئی تین سال کی ہوگی۔ کرسی کا ہتہ پکڑے کھڑی ہے۔

پروفیسر کی نظریں پورے انہماک کیساتھ اس تصویر پر گڑی ہوئی ہیں دیکھتے ہی دیکھتے ان کے چہرے کا رنگ کچھ متغیر سا نظر آنے لگا وہ دفعتاً کھڑے ہو گئے بجلی کا پنکھا اور روشنی بند کر کے پھر اپنے بستر پر آ کر لیٹ گئے، آنکھیں بند کر لیں کوئی دس منٹ گذرے ہوں گے کہ سامنے والی دیوار پر جہاں تصویر لگی ہوئی تھی ایک ایک سایہ سا نظر آیا اور رفتہ رفتہ سر سے لیکر پیر تک سفید چادر میں لپٹا ہوا ایک عورت کا مجسمہ ان کے سامنے تھا اسکا چہرہ برف کی طرح سفید تھا لمبے لمبے سیاہ بال کھلے ہوئے تھے اسکی آنکھوں سے غیر معمولی آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی تھیں جن کا سلسلہ ٹوٹتا ہی نہیں تھا گویا ہیروں کی دو زنجیریں ہیں جو زمین پر پھیلی پڑی تھیں اس نے پروفیسر کی طرف حسرت و یاس کی نظر اٹھائی اور جھک کر اپنی پتلی پتلی اور سفید انگلیوں سے ان آنسوؤں کی زنجیروں کو زمین پر سے اٹھا کر پروفیسر کی طرف پھینکتے ہوئے کہا دیکھو یہ میرے بارہ برس کے آنسو ہیں جو میں نے اپنی بچی کی بربادی پر بہائے ہیں .. میں تم سے آج اپنی بچی کا حال پوچھنے آئی ہوں - سچ بتاؤ وہ کہاں ہے؟ بارہ برس سے میں اس کے لئے تڑپ رہی ہوں .... تم خاموش کیوں ہو میری

لڑکی کو کہاں چھوڑ آئے؟ افسوس میری معصوم بچی تمہاری لاپرواہی کا شکار ہو گئی اور
تمہیں کچھ خبر نہیں... جس طرح تم نے لڑکے کو گھر سے نکال دیا تھا اسی طرح بچی کو بھی
دہیں بھیجدیتے میں نے تو اپنی زندگی ہی میں اس کا انتظام کر دیا تھا۔ میں جانتی تھی میرے
مرنے کے بعد میرے بچوں کا کیا حال ہوگا تمنے اپنے ساتھ لیجانے کا ارادہ کیوں کیا
تھا افسوس تم نے ایک ذلیل عورت پر بھروسہ کیا اور میری بچی کو گم کر دیا... یا جس طرح
بھائی صاحب اور بھائی جان کو دھوکہ دے کر آئے ہو وہی عذر میرے سامنے پیش
کرو گے .... مگر تمہیں نہیں معلوم میں رتی رتی حال جانتی ہوں ...... ہائے میری
بے گناہ اور بھولی بچی جو زندگی میں میری آنکھوں کا تارا تھی جس کو دیکھ کر میرا خون بڑھتا
تھا جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ عزیز تھی تم نے اپنی غفلت سے میرے پھول کو
مسل دیا۔ پاؤں کے نیچے روندڈالا میں کیسے یہ ظلم برداشت کروں ..... اس عورت
کے مجسمے نے اپنے آنسوؤں کی لڑیاں غصہ سے توڑ کر پھینک دیں اب اس کی آنکھوں
سے چنگاریاں برسنے لگیں ... سچ مچ کی چنگاریاں جو زمین پر چمک رہی تھیں اس نے
بدنصیب کو نفرت اور حقارت سے کی نظر سے دیکھ کر کہا "ایسا ظالم اور سنگدل باپ کوئی
نہ ہوگا جو ایک عورت کے کہنے میں آکر اپنی اولاد کو بھول جائے ...... تمہاری مرضی
کے غلاف اور قابل نفرت میں تھی۔ میرے معصوم بچوں نے تمہارا کیا قصور کیا تھا
تم میری باتوں کا جواب کیوں نہیں دیتے .... ذرا انصاف کرو تم نے ایک ذلیل اور
نیچے درجے کی عورت کو جو میری خدمت کے لئے آئی تھی میرا حاکم بنا کر رکھا میرے ہاتھ
سے گھر کا سارا انتظام چھین کر اس کے سپرد کر دیا مجھے نوکروں کی طرح ایک کمرہ الگ
رہنے کو دیدیا ... اس عورت کے سامنے تم نے مجھے ہزاروں باتیں سنائیں جاہل
بیوقوف بدسلیقہ غرض جو باتیں کہنی مناسب نہیں تھی وہ بھی تم نے کہیں مگر میں
کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائی یہاں تک کہ موت نے دنیا کے جھگڑوں سے

ہمیشہ کے واسطے مجھے آزاد کر دیا۔ اگر تمہارے دل میں ذرا بھی خدا کا خوف اور ایمان
کی روشنی ہے تو سوچو کہ ایک شریف عورت جو تمہاری بیوی بن کر گھر میں آئی تھی ایسے
ہی سلوک کی مستحق تھی جو تم نے میرے ساتھ کیا۔ کیا بیوی کے مرنے کے بعد اسکے چھوٹے
چھوٹے بچوں کو اس طرح برباد کیا جاتا ہے جس طرح تم نے میرے بچوں کو کیا؟ دنیا
چندروزہ ہے ایک دن تمہیں بھی خدا کو منہ دکھانا ہے جہاں ہر شخص کا نامۂ اعمال
اس کے ہاتھوں میں ہوگا اور مالک حقیقی کے دربار میں پیشی ہوگی۔ جو کچھ انسان نے
زندگی میں کیا ہے اس کا بدلہ وہاں پائیگا ..... تم نے میرے ساتھ جو جو سختیاں اور
بے اعتنائیاں کی تھیں وہ میں مرنے سے پہلے سب کے سامنے معاف کر چکی ہوں
لیکن جو لاپرواہی میرے مرنے کے بعد تم نے میرے بچوں کے ساتھ کی ہے۔ اور خصوصاً
لڑکی کے ساتھ وہ ایسی نہیں کہ صبر کرلوں ..... تم جانتے ہو کہ میں مر چکی ہوں اور بارہ برس
میں میری ہڈیاں تک مٹی میں ملکر خاک ہوگئیں مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ دنیا میں
تم سے بدلہ لے سکوں لیکن میں ڈرتی ہوں کہ کہیں میری روح تم سے انتقام
لینے پر آمادہ نہ ہوجائے۔ میں چاہتی ہوں تمہاری غلطیاں تم کو بتادوں اور جو
غفلت کا پردہ تمہارے دماغ پر پڑ گیا ہے۔ اس کو ہٹا دوں اگر اس وقت تم سے سچے سچے
واقعات بیان کر دوں تو شاید غصے میں تم کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھو جس کی وجہ سے
دنیا میں تمہاری ذلّت ہو۔ میں اب بھی تمہاری نیک نامی اور عزّت کی خواہاں ہوں۔ یہ
سامنے دیوار پر تم نے میری تصویر کیوں لگائی ہے؟ پھینکو اس کو اٹھا کر۔

ایک چھناکے کی آواز آئی ... پروفیسر نے گھبرا کر آنکھیں کھولدیں ان کا سانس بڑی
تیزی سے چل رہا تھا۔ پھٹی پھٹی خوفزدہ آنکھوں سے وہ کمرے میں چاروں طرف دیکھنے
لگے ان کے ہاتھ پیر ٹھنڈے تھے بدن میں رعشے کی سی کیفیت تھی زبان کی گویائی معلوم
ہوتا تھا جاتی رہی انھوں نے بہت کوشش کی کسی نوکر کو آواز دیں لیکن

معلوم ہوتا تھا زبان سکڑ کر تالو سے چپک گئی ہے پیاس کی وجہ سے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے سامنے تصویر زمین پر چکنا چور پڑی تھی۔

پروفیسر نے پھر آنکھیں بند کر لیں کمرے میں موت کی سی خاموشی تھی...... صرف میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس کی ٹکٹک۔ اور پروفیسر کے دل کی دھڑکن کی آواز سنائی دیتی ہے... ایک گھنٹہ کامل اسی حال میں گزر گیا۔

آج عمر میں پہلی مرتبہ انھوں نے اپنی غلطی کو محسوس کیا بارہ سال پیشتر کے واقعات ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے انکا دماغ اس وقت بیکار تھا عقل چکر میں تھی وہ سمجھ نہیں سکتے تھے کہ ان کی آنکھوں نے کیا دیکھا اور کانوں نے کس کی ڈوبتی ہوئی آواز سنی ان کا ضمیر ان کو ملامت کر رہا تھا۔

پروفیسر نے ڈرتے ڈرتے پھر آنکھیں کھولیں پچھلی رات کے چاند کی مدھم روشنی دوڑتے ہوئے بادلوں سے کمرے کی کھڑکیوں میں آنکھ مچولی کھیل رہی تھی پیاس کی وجہ سے ان کی زبان خشک ہو رہی تھی دل بیٹھا جاتا تھا بڑی مشکل سے اٹھ کر انھوں نے کمرے کی روشنی جلائی سرہانے سے گلاس اٹھا کر دو گھونٹ پانی پیا۔ کمرے میں چاروں طرف نگاہ ڈالی ہر چیز بدستور اپنی جگہ پر تھی تصویر کی طرف ڈرتے ڈرتے اچٹتی ہوئی نظر ڈالی وہ ابھی تک زمین پر گری پڑی تھی چاروں طرف ٹوٹے ہوئے شیشے بکھرے ہوئے تھے پروفیسر کا دل پھر زور زور سے دھڑکنے لگا۔ خوف و دہشت سے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔ لڑکھڑاتے ہوئے کرسی کے سہارے سے انھوں نے پہلو کے کمرہ کا دروازہ کھولا اور میز کے قریب کرسی پہ بیٹھ گئے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا بڑی دیر تک اسی حالت میں بیٹھے رہے پھر ایک لفافہ اٹھا کر اس کے اندر کا خط نکال کر پڑھنے لگے، انکی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کئی مرتبہ خط کو الٹ پلٹ کر پڑھا اور کاغذ و قلم اٹھا کر ایک تار لکھ کر میز پہ رکھا اور خود غسل خانہ میں جا کر غسل کیا۔

اس وقت برسوں کے بعد یہ اپنے پیدا کرنیوالے کے سامنے نہایت ندامت کیساتھ سجدے میں گر پڑے جہاں تک رویا گیا روئے اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی ان کو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے انکے دل پر سے ایک سیاہ چادر اٹھا دی اب ایک قسم کا سکین و اطمینان ان کے دل کو معلوم ہوا صبح کی روشنی بھی نمودار ہوگئی تھی پروفیسر اپنے بستر پر پھر آکر لیٹ گئے۔

آٹھ بجے کے قریب نوکر نے آکر بیدار کیا اور کہا "حضور میم صاحب چاء پر آپکا انتظار کر رہی ہیں" پروفیسر نے جواب دیا "تم جاؤ ہم ابھی تھوڑی دیر میں آتے ہیں"

کھانے کے کمرے میں نہایت بیش قیمت سامان تھا۔ چکدار روغن کی میز پر خوبصورت طشتریاں، ریشمی کامدار ٹکڑوں پر رکھی ہوئی تھیں بیچ میں چھوٹے چھوٹے گلابی اور سفید پھولوں سے بھرا ہوا قیمتی پتھر کا پیالہ رکھا تھا ناشتہ میں انڈے ٹوسٹ پورج خشک میوہ ایک قاب میں برف میں لگے ہوئے آم اور دوسرے پھل بھی تھے۔ پروفیسر صاحب کی بیگم صاحبہ سفید ساڑھی باندھے بیٹھی ہوئی مگر ٹوسٹ بنا رہی تھی انکی عمر تقریباً پچاس برس کی ہوگی۔ خوب فربہ جسم، چھوٹا قد، رنگ گہرا سانولا، چہرہ گول جس پر کہیں کہیں چیچک کے داغ نظر آتے تھے آنکھیں خوب بڑی بڑی تھیں اور کچھ کچھ سرخی کی جھلک تھی چھوٹی سی گول ناک، پتلے پتلے ہونٹ چھوٹا سا دہانہ بال زیادہ تر سیاہ تھے کہیں کہیں ایک آدھ سفید بھی نظر آجاتا تھا۔ آڑی مانگ نکلی ہوئی تھی جوڑے میں ایک گلاب کا پھول لگا ہوا تھا۔ کانوں میں سونے کے چھوٹے چھوٹے بندے تھے گردن کوتاہ اور چہرہ سے زیادہ سانولی تھی۔ ایک زنجیر سونے کی جس میں صلیب لٹکا پڑا تھا۔ گلے میں پہنے تھیں ہاتھوں میں کئی کئی سونے کی چمکتی ہوئی چوڑیاں تھیں۔

دوسری کرسی پر سانولے رنگ کی ایک بیس بائیس سال کی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں نہایت صفائی سے کاجل لگا ہوا تھا۔ پتلی پتلی بنی ہوئی

بھویں کشیدہ ماتھا۔ بالوں میں مصنوعی لہریں پڑی ہوئی تھیں دو چوٹیاں گلابی ربن سے
بندھی دونوں شانوں پر پڑی تھیں۔ چہرہ بڑی خوبصورتی سے پینٹ کیا گیا تھا کانوں
میں روپیہ برابر بہت چمکدار ٹوپس اور اسی وضع کی انگوٹھی انگلی میں بھی تھی۔ گلابی
جارجٹ کی ساڑی سفید ساٹن کی سلیولیس واسکٹ پہنے تھی۔

پروفیسر آج خلاف معمول نہایت خاموشی کے ساتھ کرسی پر اخبار لئے
بیٹھے تھے انکے چہرے کا رنگ بالکل زرد ہو رہا تھا۔ بیگم صاحبہ نے سگریٹ کا دھواں
چھت کیطرف چھوڑتے ہوئے پروفیسر سے کہا آج آپ کی طبیعت کیسی ہے بہت
دیر میں سو کر اٹھے واک کرنے بھی تو نہیں گئے،، پروفیسر نے لاپرواہی سے جواب دیا آج
رات کو نیند کم آئی تھی طبیعت کچھ سست ہے،، بیگم صاحبہ نے کہا یہاں آتے
ہی تو آپ اپنے بھائی صاحب سے ملنے چلے گئے تھے تکان زیادہ ہو گئی ہے اسی وجہ
سے نیند بھی نہیں آئی۔ آپ نے کچھ بھی تو ریسٹ نہیں لیا،، پروفیسر نے جواب دیا: نہیں
رات کو میں نے عجیب پریشان خواب دیکھے ابھی تک طبیعت پر اس کا اثر ہے،، بیگم
صاحبہ نے قہقہہ لگا کر کہا: آپ بھی بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں خواب سے اس قدر
متاثر ہیں معدہ میں کچھ گرانی ہو گی۔ آج جلاب لے لیا ہوتا،، پروفیسر نے کہا
،،معدہ سے کوئی تعلق نہیں خواب کیا تھا وہ تو گویا جاگتے میں سب کچھ میں نے
دیکھا تھا،، بیگم صاحبہ نے تعجب سے پوچھا: جاگتے میں؟ ... یہ کیسے ہو سکتا ہے
کچھ بتائیے تو وہ خواب کیسا تھا؟،، پروفیسر نے کہا: فاروق کی والدہ کو میں نے قریب
قریب جاگتے میں دیکھا وہ مجھ سے بہت ناراض معلوم ہوتی تھیں،، بیگم صاحبہ نے
آنکھیں پھاڑ کر کہا: میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہا کہ اس کمرے میں فاروق
کی ماں کی ڈیتھ ہوئی تھی آپ اپنے سونے کا انتظام کسی دوسرے کمرے میں کیجئے،
مگر آپ نے اپنی منطق کے آگے میری ایک نہ چلنے دی میں آج ہی اس کمرہ کو

خالی کر کے قفل لگا دونگی۔ چارلی نے بھی مجھ سے کہا تھا،" پروفیسر نے تیوری چڑھاکر پوچھا:" چارلی نے کیا کہا تھا؟" بیگم صاحبہ نے کہا:" وہ کہتے تھے ہمارے جانے کے بعد جب وہ اس کوٹھی میں رہے تھے تو فاروق کی ماں نے ان لوگوں کو بھی بہت پریشان کیا تھا۔ مجبوراً ان کو کمرہ خالی کرنا پڑا" پروفیسر نے کہا:" وہ بکتے تھے فاروق کی ماں کو ان سے کیا مطلب تھا،" بیگم صاحبہ جواب دیا:" پھر آپ کو کس وجہ سے انھوں نے پریشان کیا؟" پروفیسر نے کہا:" پریشان نہیں کیا بلکہ میرے دماغ پر ایک سیاہ پردہ پڑ گیا تھا اس کو انھوں نے ہٹا دیا میں سیدھے راستے سے بھٹک گیا تھا انھوں نے میری رہبری کی میں نے انکے ساتھ جو مظالم اور بے انصافی کی تھی اسکی شکایت کی اپنے بچوں کی حق تلفی پر مجھے ملامت کی۔ چارلی سے انھیں کیا غرض وہ جھوٹ بولتا ہوگا،" بیگم صاحبہ نے کہا:" آج نیند نہ آنے سے آپکا مزاج چڑچڑا ہو رہا ہے جاکر آرام کیجئے میں اس قسم کی باتیں سننا پسند نہیں کرتی" پروفیسر نے تیوری چڑھاکر کہا:" میں اب خود تم سے کسی قسم کی بات کرنا نہیں چاہتا آج میری آنکھیں کھل گئی ہیں،" بیگم صاحبہ نے مصنوعی قہقہہ لگاکر کہا:" خوب زندگی میں تو کسی طرح قابو میں نہیں کر سکیں مرنے کے بارہ برس بعد اب قبضہ جمانا چاہتی ہیں" پروفیسر نے غصہ سے کہا:" فضول باتیں نہ کرو...... لاؤ ذرا بینک کی کتاب مجھے دو کچھ حساب دیکھنا ہے،" بیگم صاحبہ نے کہا:" اس وقت حساب دیکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی" پروفیسر نے جواب دیا:" لڑکے کی تعلیم ختم ہو گئی ہے اسے واپس بلانا ہے،" بیگم صاحبہ نے کہا:" ابھی جاپان سے واپس آنے میں اتنا روپیہ خرچ ہوا ہے اور کہاں سے آیا جو لڑکے کو بھیجا جائیگا کوئی ہمارے پاس خزانہ کہیں سے آگیا ہے،" پروفیسر نے کہا:" تم چاہتی ہو لڑکا واپس نہ آئے؟" بیگم صاحبہ نے کہا:" میں یہ کیوں چاہتی مگر روپیہ ہم کہاں سے بھیج سکتے ہیں؟" پروفیسر نے کہا" روپیہ تو

کہیں نہ کہیں سے بھیجا ہی جائیگا،، بیگم صاحبہ نے کہا اپنے بھائی صاحب کو لکھ بھیجئے وہ بھیجدینگے ،، پروفیسر نے کہا: شروع سے اب تک انکی تمام تعلیم کا بار بھائیصاحب نے اٹھایا ہے میں نے کیا خرچ کیا لیکن اب وہ مجھ کو لکھ رہا ہے کہ میں واپس آنا چاہتا ہوں تو کیا میں اس کو کراچی بھی نہیں بھیج سکتا ہوں۔ آخر خدا کو منہ دکھانا ہے یا نہیں،، بیگم صاحبہ نے قہقہہ لگاکر کہا: اوہ آج تو آپ بہت خدا پرست بن رہے ہیں پہلے تو میں نے کبھی ایسی باتیں آپ کی زبان سے نہیں سنی تھیں ..... مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کے دماغ پر کچھ اثر ہوگیا ہے ..... کسی ڈاکٹر کو دکھانا چاہیئے،، پروفیسر نے کہا ،، مجھے کسی حکیم ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا دماغ تم نے خراب کیا ہے،، بیگم صاحبہ نے کہا: میں نے؟ وہ کس طرح؟ میں معلوم کرنا چاہتی ہوں؟،، پروفیسر نے جواب دیا: انہیں سب کچھ معلوم ہے اسوقت میں کچھ کہنا نہیں چاہتا ،، بیگم صاحبہ نے کہا: نہیں آپ کو بتانا پڑے گا۔ میں دیکھ رہی ہوں اس سے پہلے کبھی آپ کی زبان سے اس قسم کی باتیں نہیں نکلی تھیں،، پروفیسر نے سرد آہ بھر کر کہا افسوس میں دنیا میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا حیران ہوں کہ لڑکی والے معاملہ میں کونسی تدبیر اختیار کروں اسوقت تو بھائیصاحب سے لڑکی کو یورپ بھیجنے کا بہانہ کر دیا ہے لیکن کہاں تک چھپاؤں گا کوئی ترکیب میری سمجھ میں نہیں آتی اسی وجہ سے لڑکے کو تار دیکر بلا رہا ہوں مگر میں اس سے بھی ایک مجرم کی طرح چھپ رہا ہوں حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے دین و دنیا دونوں سے مجھے برباد کیا،، بیگم صاحبہ نے کہا: میرا اس میں کیا قصور ہے موت کو کون روک سکتا ہے اگر اس کی ماں زندہ ہوتی تو اس حادثہ سے اس کو بچا لیتیں،، پروفیسر نے جواب دیا: لیکن انکی موجودگی میں ایسا حادثہ ہوتا ہی کیوں ..... وہ اپنی بچی کی طرف سے کبھی ایسی لاپرواہی نہ کرتی تم نے تو اس کو بالکل ہی آیا کے سپرد کر دیا تھا،، بیگم صاحبہ نے کہا: میں نے کوئی

نئی بات نہیں کی تھی آیا کو رکھتے ہی اسی لئے ہیں کہ بچے تمام وقت اس کے پاس رہیں یہ تو جاہل عورتوں کا دستور ہے کہ ہر وقت بچے جان پر سوار رہیں نہ بچوں کی صحت کا خیال نہ اپنی حالت کا کچھ اندازہ ایک بچہ ہوا اور عورت بڑھیا معلوم ہونے لگی،" پروفیسر نے کہا: بس اب آگے مت کہیں ایک لفظ کہنے کی گنجائش نہیں ہے تمہاری قابلیت اور تربیت دیکھ لی ...... اگر تم ایک بچی کی نگرانی نہ کر سکیں" بیگم صاحبہ نے کہا: میری سمجھ میں نہیں آتا بارہ برس کے بعد آج ان باتوں کا ذکر آپ کیوں کرنے بیٹھے ہیں .... میں نے جو تدبیر آپ کو بتائی تھی وہ نہایت مناسب تھی کوئی آپ کو کچھ نہیں کہتا۔ سارا الزام میں اپنے ذمہ لیتی ......

بیگم صاحبہ نے لڑکی کو اشارہ کیا وہ دوسرے کمرہ میں چلی گئی ....

پروفیسر نے کہا" دیکھنے والوں کو گویا آنکھیں ہی نہیں تھیں۔ وہ لڑکی کو نہیں پہچانتے" بیگم صاحبہ نے جواب دیا" چار برس کی عمر میں جن لوگوں نے لڑکی کو دیکھا تھا وہ بارہ برس کے بعد کبھی نہیں پہچان سکتے تھے۔ بچپن کی صورت اور جوانی کی صورت میں بڑا فرق ہو جاتا ہے" پروفیسر نے کہا" رنگ تو نہیں بدل سکتا۔ رعنا اور للی میں زمین آسمان کا فرق ہے" بیگم صاحبہ نے قہقہہ لگا کر کہا" یہ تو معمولی بات ہے تھوڑی دیر کے واسطے رنگ سفید کر دینا کونسا مشکل کام ہے جب شادی ہو جائے گی تو ہماری لڑکی اپنی عقلمندی سے شوہر کو اپنا گرویدہ کرلے گی، والدین چاہے کچھ بھی کہا کریں ہمیں ان سے کچھ مطلب نہیں البتہ نکاح کا سوال ذرا غور طلب ہے۔ لیکن وہ بھی بڑی آسانی سے طے ہو سکتا ہے" پروفیسر نے غصہ سے کہا: یہ کبھی نہیں ہو سکتا میں اپنے بھتیجے کو ہرگز دھوکہ نہیں دونگا کیا تم اس کی زندگی بھی برباد کرنے پر آمادہ ہوئی ہو" بیگم صاحبہ نے کہا آج آپ کے دماغ پر خواب کا اثر ہے پھر کسی وقت اطمینان سے عرض کروں گی

اسی خیال سے ابھی تک لڑکی کی شادی نہیں کی ہے ورنہ جاپان میں اور یہاں بھی بڑے بڑے لوگ اس سے شادی کے خواہاں ہیں۔" پروفیسر نے کہا: "تم فوراً شادی کر دو میں اس کے متعلق کچھ غور نہیں کر سکتا... میں دوسری ہی کشمکش و پیچ میں گرفتار ہوں سمجھ میں نہیں آتا لڑکی کا واقعہ کس صورت سے بھائی صاحب کو بیان کیا جائے افسوس میں نے بڑی غلطی کی فوراً اُن کو لکھ دینا چاہیئے تھا... معلوم ہوتا ہے میں پاگل ہو جاؤنگا میں نے اسی وجہ سے لڑکے کو تار دیکر بلایا ہے اسکی معرفت تمام واقعات بھائی جان سے کہلوا دوں گا" بیگم صاحبہ نے کہا: "لڑکے سے کہلوانے کی کیا ضرورت ہے آپ خود ہی لکھ دیجئے لیکن بڑی حماقت کی بات ہے بنا بنایا کھیل بگڑ جائیگا جب بارہ سال تک ایک خبر کو پوشیدہ رکھا تو اب کچھ دنوں کے واسطے اور سہی" پروفیسر نے کہا: "لاحول ولاقوۃ" میں تو جس وقت تمہاری تجویز کا خیال کرتا ہوں کانپ جاتا ہوں اور تو اور ہر طرح سے سب کی نظروں میں ذلیل ہو چکا ہوں اب چاہتی ہو اس فریب اور دھوکہ دہی کے الزام میں مجھے دنیا میں رہنے کے قابل ہی نہ رکھو، اف میں نے کیسی بیوقوفی اور کوتاہ اندیشی سے کام لیا ہے خدا مجھے معاف کرے۔" بیگم صاحبہ نے کہا: "آج تو بار بار آپکی زبان پر خدا کا نام آ رہا ہے اسکی کیا وجہ ہے؟" پروفیسر نے کہا: "خدا سے تو میں کبھی منکر نہ تھا۔ البتہ معمولی باتوں میں خدا کو شریک نہیں کرتا تھا اپنی عقل ہی پر بھروسہ کرتا تھا لیکن آج جو میری حالت ہے اور جو مشکلات مجھے درپیش ہیں وہ بجز خدا کی ذات کے کوئی حل نہیں کر سکتا۔"

بیگم صاحبہ نے اب کوئی بحث کرنا مناسب نہ سمجھا چا کی پیالی پروفیسر کو دیتے ہوئے پوچھا: "کیا آپنے فاروق کو تار دیکر بلایا ہے؟" پروفیسر نے آہستہ سے کہا۔ "ہاں، ہاں" بیگم صاحبہ نے اپنی باتوں کا رخ بدل کر بڑے ہمدردانہ لہجہ میں کہا۔ "آپ روپیہ ابھی تار ہی کے ذریعہ بھیجے! بیچارہ فاروق کتنی مدت سے آپ سے نہیں ملا

اب تو بڑا خوبصورت جوان نکلا ہوگا میرا بھی اس کو دیکھنے کو بہت دل چاہتا ہے
پروفیسر صاحب نے ایک نفرت آمیز مسکراہٹ سے بیگم صاحبہ کی طرف دیکھا اور کھڑے ہو گئے۔

رفیق الزماں ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے تھے جہاں مردوں کی تعلیم تو بہت اونچی گئی تھی لیکن عورتوں کی تعلیم پر کوئی توجہ نہیں تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپس میں ایک قسم کی بیگانگی اور خیالات میں زمین و آسمان کا فرق ہو گیا۔

رفیق الزماں کا رجحان شروع ہی سے مغربی تہذیب اور تمدن کی طرف تھا. ان کے کئی سال کے انگلستان کے قیام نے اور بھی سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا جب وہ پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لیکر ہندوستان واپس آئے تو مغربی رنگ میں سر سے پیر تک غوطہ کھائے ہوئے تھے۔ انکی شادی ولایت جانے سے پہلے ہی ہو چکی تھی بلکہ وہ ایک لڑکے کے باپ بھی بن چکے تھے۔ پروفیسر کی بیوی "ریحانہ" معمولی اردو پڑھنا لکھنا جانتی تھیں وہ بچپن سے پردہ کی عادی تھیں، نماز روزہ اور دیگر مذہبی اصولوں کی سختی سے پابند تھیں بزرگوں کی فرمانبرداری اپنا فرض سمجھتی تھیں انکی خوشی کو اپنی خوشی پر ترجیح دیتی تھیں غرض جو خوبیاں ہندوستانی عورت میں پرانے خیالات کے لوگوں کے نزدیک اچھی تھیں وہ سب ریحانہ میں موجود تھیں انکے خیالات اور انکے شوہر کے خیالات ایک دوسرے سے بالکل جدا تھے پروفیسر کی خواہش تھی کہ بیوی اپنے تمام پرانے دستور ترک کر دیں اپنا قدیمی لباس بالکل چھوڑ دیں وہ ان کے ساتھ میز پر چھری کانٹے سے کھانا کھائیں پردہ کی قید سے آزاد ہو کر انکے دوستوں کی خاطر تواضع میں ان کے ساتھ حصہ لیں۔ وہ کلب جاکر ٹینس اور برج وغیرہ کھیلیں انگریزی میں بات چیت کرنا سیکھیں گھر کو بالکل انگریزی وضع سے آراستہ کریں نوکروں کو نئے طریق سے سدھائیں۔

ریحانہ کے لئے اپنے شوہر کی ان تمام خواہشات کا پورا کرنا نہایت دشوار تھا۔ اول تو وہ خود ان باتوں کو معیوب سمجھتی تھیں دوسرے انکی ضعیف ساس یعنی پروفیسر کی والدہ

زندہ تھیں اور وہ انہیں کے پاس رہتی تھیں... بڑی بی انتہا سے زیادہ قدامت پسند تھیں انکے نزدیک تو ساڑی باندھنے اور میز پر کھانا کھانے سے بھی ایمان میں فرق آجاتا تھا انکے احتیاط کی یہ حالت تھی کہ جس چیز کو رفیق الزماں ہاتھ لگا دیا کرتے تھے وہ دھولیا کرتی تھیں حالانکہ اپنی اولاد میں سب سے زیادہ وہ انھیں کو چاہتی تھیں مگر اپنی عادت سے مجبور تھیں ہر نئی بات کفر اور ہر نئی چیز سے نفرت...... ریحانہ جانتی تھیں کہ بڑی بی آئے دن کی بیمار چراغ سحری ہیں کیا معلوم کس وقت گل ہو جائیں اُن کی دل شکنی نہیں کرنی چاہیے لیکن رفیق الزماں کو ان باتوں کی بالکل پرواہ نہ تھی میاں بیوی بمیں یہی وجہ اختلاف تھی ۔

پروفیسر فطرتاً کم سخن اور لاپرواہ طبیعت کے شخص تھے جب انھوں نے بیوی کو اپنا ہم خیال نہیں پایا تو ان کی طرف سے بالکل بے رخی اختیار کر لی۔ وہ کالج سے واپس آکر اپنا تمام وقت کتاب بینی میں گذارتے تھے۔ گھر سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔ شام کو کلب چلے جاتے تھے۔ ٹینس اور برج ہی دو کھیل ان کے پسندیدہ اور دلچسپ مشغلے تھے وہ رات کے بارہ بجے تک کلب میں تاش کھیلا کرتے تھے بیوی بچے گھر بار سے انھیں کوئی مطلب ہی نہیں تھا۔ دن میں ایک مرتبہ اپنی ماں کو کھڑے کھڑے دیکھنے آتے تھے"

ریحانہ کو شوہر کی بے اعتنائی کا اچھی طرح احساس تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ اس معمولی مخالفت کا نتیجہ کیسا خطرناک ثابت ہو گا۔

وقت گزرتا گیا اور پروفیسر کی کشیدگی اندر ہی اندر بڑھتی گئی، اسی عرصہ میں انکی والدہ کا انتقال ہو گیا! اس کے کچھ دنوں بعد خدا نے انھیں ایک چاند سی لڑکی عطا کی۔ ریحانہ کی دیکھ بھال کے واسطے ایک نرس رکھی گئی بڑی چالاک اور عقلمند عورت تھی اسنے ایک نگاہ میں تاڑ لیا کہ پروفیسر اور ان کی بیوی کے تعلقات آپس میں کشیدہ ہیں اور اختلاف رائے کی اصل وجہ بھی وہ سمجھ گئی تھی ...... "روزی" ایک کامیاب نرس تھی۔

سینکڑوں مریضوں کی خدمت کی تھی بیسیوں کی ناز برداریاں اٹھائی تھیں مزاج شناسی اور خدمت گذاری اس کا شیوہ تھا۔۔۔ اس لیے ریحانہ کی خدمت کے علاوہ پروفیسر کے آرام و آسائش کا بھی خیال رکھا گھر کی صفائی اور نوکروں کی دیکھ بھال بھی اپنے ذمہ لے لی وہ گویا کام کرنے کی ایک مشین تھی جو نہ کسی وقت تھکتی تھی اور نہ کبھی کسی کام سے گھبراتی تھی ہمیشہ ہشاش بشاش رہتی ۔۔۔۔ باوجود تمام دن کام میں مصروف رہنے کے وہ شام کو نہا دھو کر اپنا لباس اور بال درست کر کے شام کی چائے خود پروفیسر کو پلاتی تھی ناشتہ کے بعد وہ ریحانہ کا دل بہلانے کے بہانے سے ان کے کمرے میں تاش کھیلنے میں بیٹھ جاتی تھی رفتہ رفتہ پروفیسر بھی اس میں دلچسپی لینے لگے وہ کلب سے جلدی واپس آجاتے تھے ۔ روزی برج کھیلنے میں بڑی استاد تھی ۔۔۔۔۔ دو مہینے کے اندر اندر روزی نے پروفیسر کے دل میں ایسا گھر کر لیا کہ انھوں نے اسکو مستقل طور پر نوکر رکھ لیا۔۔۔ ریحانہ نے مخالفت کی تو پروفیسر نے صاف الفاظ میں کہدیا روزی میری مرضی کے مطابق کام کرتی ہے تم تمام عمر سیکھو گی جب بھی ایسا انتظام نہیں کر سکتیں اب وہ ہمیشہ میرے یہاں رہیگی تمہیں اس معاملہ میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے، یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔

جیسے ایک مجرم کی حالت پھانسی کا حکم سن کر ہوتی ہے وہی کیفیت ریحانہ کی اس آخری فیصلے سے ہوئی ان کے جسم میں رعشہ سا پیدا ہو گیا وہ میاں کی صورت دیکھ کر پتھر کی مورت کی طرح بے حس و حرکت رہ گئیں ۔ ان کا دل ٹوٹ گیا۔۔۔۔۔ جس شوہر پر انکو ناز تھا جو تمام عمر کا ساتھی تھا وہ اب دوسری عورت کے قبضہ میں تھا اور عورت بھی کون؟ جو درجہ میں اُن سے کم جو ایک نوکری کی حیثیت سے گھر میں آئی تھی ۔ اب وہ شوہر اور گھر بار کی مختار تھی ۔ ایک شریف اور خوددار بیوی کے لیے دنیا میں اس سے زیادہ مصیبت کوئی نہیں ہو سکتی لیکن شوہر اور بیوی اور

دوسرے لفظوں میں حاکم و محکوم یا پھر یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ظالم و مظلوم کا مقابلہ ہی کیا ایسے واقعات تو آئے دن ہوا ہی کرتے ہیں۔

ریحانہ کے دل پر یہ چوٹ ایسی کاری لگی تھی جو آخر کار ان کی موت کا باعث ہوئی

تیسرا باب

خان بہادر عتیق الزماں بیرسٹر کی کوٹھی بہت عالیشان بنی ہوئی ہے۔
باہر کا حصہ انگریزی طریق سے آراستہ ہے زنانہ حصہ ہندوستانی وضع کا ہے کشادہ صحن ہوادار اونچی کرسی کا برآمدے کمرے روشن اور وسیع ہیں بڑے کمرے میں سفید چاندنی کا فرش ہے۔ بیچ میں نہایت قیمتی اور ایرانی قالین بچھا ہے اور مخمل کے غلاف کا گاؤ تکیہ لگا ہے کونوں میں چھوٹی میزوں پر رنگ برنگ کے تازہ پھولوں کے گلدستے رکھے ہیں، ایک طرف چاندی کا پاندان اور خاصدان رکھا ہوا ہے۔

بیرسٹر عتیق الزماں قالین پر گاؤ تکیہ سے لگے بیٹھے ہیں۔ سگار پی رہے ہیں ان کی عمر ساٹھ برس کے قریب ہوگی نہایت رعب دار چہرہ پیشانی اسقدر کشادہ ہے کہ سر پر برائے نام بال نظر آتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی غلافی آنکھیں جن میں ایک قسم کی چمک اور ذکاوت ٹپکتی تھی۔ لمبی سی خمدار ناک سفید بڑی بڑی مونچھیں مصنوعی دانتوں کا چوکا چڑھا ہوا تھا۔

بیرسٹر صاحب کے قریب ان کی بیوی زکیہ بیگم بیٹھی تھیں ایک طرف انکے دونوں لڑکے شمس الزماں اور نجم الزماں بیٹھے تھے اور دونوں لڑکیاں سلطانہ اور زرینہ بھی وہیں موجود تھیں۔

بیرسٹر صاحب نے اپنے بڑے لڑکے شمس الزماں کو مخاطب کر کے کہا: شمسی

تم نے سنا ہوگا۔ تمہارے چچا جاپان سے واپس آگئے ہیں مجھ کو پہلے سے کوئی اطلاع نہیں دی تھی بے خبری میں یہاں مجھ سے ملنے آگئے، تمہیں تو خوب یاد ہونگے،، شمسی نے جواب دیا۔ جی ہاں خوب اچھی طرح یاد ہیں جب چچا جان گئے تھے اسی سال میں نے انٹرنس پاس کیا تھا۔ بیرسٹر صاحب نے کہا: مگر اب تم ان کو نہیں پہچان سکوگے بہت کمزور دلاغر ہو گئے ہیں،، زکیہ بیگم نے کہا: میں تو ان کی صورت دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی معلوم ہوتا تھا مہینوں کے بیمار ہیں۔ کچھ عجب حالت ہو گئی ہے بالکل گم سم تھے،، بیرسٹر صاحب نے کہا: کم سخن تو وہ شروع ہی سے تھے لیکن اس مرتبہ کچھ رنجیدہ معلوم ہوتے تھے اس کی وجہ کچھ میری سمجھ میں نہیں آئی،، شمسی نے پوچھا: رعنا تو اچھی ہے،، بیرسٹر صاحب نے جواب دیا: مجھ سے تو انھوں نے یہی کہا کہ اچھی ہے لیکن جب تمہاری اماں اس کو دیکھنے کے لیے انکے ساتھ جانے کو تیار ہوئیں تو انھوں نے کہدیا کہ رعنا کی صحت خراب ہو گئی تھی علاج کے لئے اسکو بھائی کے پاس بھیجدیا ہے،، شمسی نے تعجب سے پوچھا: امریکہ بھیج دیا،، بیرسٹر صاحب نے کہا: ہاں،، شمسی نے کہا: فاروق تو اب جلد ہی آنے والے ہیں کیا رعنا بھی انھیں کے ساتھ آئیگی؟ بیرسٹر صاحب نے جواب دیا: وہ کہتے تو یہی تھے،، شمسی نے کہا: فاروق نے تو کبھی رعنا کے متعلق کچھ لکھا نہیں ایک مہینہ ہوا ان کا خط میرے پاس آیا تھا شاید چچا جان نے انکو منع کر دیا ہوگا،، بیرسٹر صاحب نے کہا: میری سمجھ میں کچھ یہ بات آئی نہیں خبر نہیں کیا بھید ہے،، زکیہ بیگم بولیں: میرے دل کو تو ایک کھٹکا سا لگ گیا ہے رات کی نیند اور دن کی بھوک جاتی رہی رفیق الزماں بہت ہی خاموش اور پریشان تھے،، شمسی نے کہا: پھر آپ الہ آباد کیوں نہیں چلی گئیں،، زکیہ بیگم نے کہا: سن تو لیا کہ لڑکی وہاں نہیں ہے میں کس کے پاس جاتی؟ شمسی نے کہا: رضی تو ہوگی،، زکیہ بیگم بولیں: مجھے اس سے کیا غرض

شمسی نے کہا: "رعنا کے متعلق کچھ معلوم ہوا۔ آخر کیا بیماری ہو گئی تھی" زکیہ بیگم نے جواب دیا۔ "بیٹا سچی بات تو یہ ہے کہ میں مجبوراً بچی کے کارن وہاں جانے کو تیار ہوئی تھی جب وہی وہاں موجود نہ تھی تو مجھے کیا ضرورت تھی کہ اپنی بات کی ہیٹی کرتی۔" شمسی نے کہا۔ "بات کیا ہیٹی ہوتی، رعنا کے حالات معلوم ہو جاتے"۔ سلطانہ نے تیور چڑھا کر کہا "یہ سب اسی روزی کے کرتوت معلوم ہوتے ہیں لڑکی کو جلا جلا کر اس کی صحت خراب کر دی ہوگی۔ وہ کیا بتاتی؟ اس وقت اماں نے اچھا کیا جو نہ گئیں"۔ بیرسٹر صاحب نے جلدی جلدی سگار کا دھواں منہ سے نکالتے ہوئے اپنے چھوٹے لڑکے نجم الزماں سے کہا: "کیا بات ہے نجمی تم کچھ کمزور معلوم ہو رہے ہو"۔ نجمی نے جواب دیا: "مجھے بخار آ گیا تھا"، زکیہ بیگم بولیں۔ "نجمی کو تو خدا نے بچا لیا اُن کی موٹر لڑ گئی تھی"، بیرسٹر صاحب نے گھبرا کر کہا: "ہائیں بیٹا کیا واقعہ پیش آیا مجھے کیوں نہ اطلاع کی؟" نجمی نے کہا: "ابا جان قصہ یہ ہوا کہ میں ابر سانت کا دورہ ختم کر کے واپس آ رہا تھا۔ سامان وغیرہ پہلے روانہ کر دیا گیا تھا مجھے کام زیادہ تھا اس وجہ سے رات ہو گئی، میرے ہمراہ صرف ایک چپراسی اور رحمت اللہ تھا موٹر میں خود ہی چلا رہا تھا۔ دو روز مسلسل بارش ہونے کی وجہ سے سڑک نہایت خراب ہو گئی تھی شہر سے دو میل کے فاصلے پر ایک تانگہ بیچ میں آ گیا ہر چند بچانے کی کوشش کی۔ لیکن گھوڑا اُلجھ گیا جس رخ کو موٹر بچائی اسی طرف گھوڑا تانگے کو لے کر گھوم گیا۔ چنانچہ موٹر تانگے سے ٹکرا گئی۔ مگر یہ غنیمت ہوا کہ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ رحمت اللہ کے سر میں معمولی چوٹ آ گئی تھی"۔ بیرسٹر صاحب نے پوچھا: "تمہارے تو کہیں چوٹ نہیں آئی؟" نجمی نے کہا: "جی نہیں میں بال بال بچ گیا"۔ شمسی نے پوچھا: "تانگے کی سواریوں پہ کیا گزری"۔ نجمی نے کہا: "بڑا افسوس ناک واقعہ ہو گیا"۔ بیرسٹر صاحب نے تعجب سے پوچھا

کیا تانگہ میں سواریاں بھی تھیں؟ بخمی نے ذرا دھیمی آواز میں کہا: "جی ہاں کوئی کوئی اسکول کی استانی تھیں اور ایک ان کا لڑکا تھا" بیرسٹر صاحب نے کہا تم خاموش کیوں ہو گئے کیا ان لوگوں کے زیادہ چوٹ آئی؟ بخمی نے کہا "جی ہاں" بیرسٹر صاحب نے کہا: "پھر تم نے انکی کوئی مدد نہیں کی؟" بخمی نے کہا "میں نے اسی وقت استانی جی کو اپنی موٹر میں ڈال کر ان کے گھر پہنچا دیا اور سول سرجن کو لیکر گیا مگر استانی بیچاری کے چوٹ زیادہ آئی تھی ڈاکٹر نے قطعی جواب دیدیا۔ ان کا لڑکا غریب بہت پریشان تھا میں اس کو اطمینان دلا کر گھر واپس آیا کہ صبح سات بجے ڈاکٹر کو لے کر آؤں گا..... اسی پریشانی میں رات کے دو بج گئے تھے میں تھک کر چور ہو گیا تھا۔ بارش میں بھی بھیگا تھا گھر پہنچتے ہی مجھے اور رحمت اللہ کو ایسا سخت بخار چڑھا کہ دو روز تک ہوش ہی نہیں آیا" بیرسٹر صاحب نے منہ بنا کر کہا: "میں ہمیشہ تم کو سمجھاتا تھا کہ موٹر آہستہ چلایا کرو مگر نہ معلوم آج کل کے لڑکوں کو یہ کیا خبط ہو گیا ہے کہ موٹر میں ہوا پر اڑاتے پھرتے ہیں۔ اب دیکھ لیا اس تیزی کا نتیجہ کیا ہوا؟ بخمی نے جواب دیا "جی نہیں موٹر تو میں اسوقت تیز نہیں چلا رہا تھا۔ سڑک ہی خراب تھی گھوڑا خود ہی تانگے کو لیکر بیچ میں آ گیا" زکیہ بیگم بولیں: "بیٹا کچھ مفصل حال تو بتاؤ ان بیچاری اُستانی اور انکے لڑکے پر کیا گذری زندہ بھی ہیں یا نہیں؟" بخمی نے کہا: "اماں جان دو دن تک تو مجھے خبر ہی نہیں ہوئی کہ کہاں ہوں اپنی عمر میں کبھی ایسا شدید بخار نہیں آیا تھا۔ تیسرے روز میں نے چپراسی کو بھیجا تو معلوم ہوا کہ مکان میں قفل پڑا ہوا ہے۔ شہر کے زنانہ مردانہ ہسپتال میں دریافت کیا۔ کہیں پتہ نہیں چلا۔ اسکول میں چھٹیاں ہو گئی تھیں۔ بخار اترتے ہی میں خود گیا۔ گاؤں کے لوگوں سے دریافت کیا

صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ اس مکان کے رہنے والے لاری پر کہیں چلے گئے۔"
بیرسٹر صاحب نے پوچھا: "کیا استانی کے مکان کے قریب کوئی اور نہیں رہتا تھا؟"
نجمی نے جواب دیا: "جی نہیں قریب تو کسی کا مکان نہیں تھا۔ کچھ فاصلہ پر دیہاتی لوگ رہتے
ہیں ان سے صرف اتنا ہی پتہ چل سکا کہ استانی کے رشتہ دار آکر ان کو لے گئے۔" بیرسٹر صاحب
نے پوچھا: "آخر چوٹ کہاں آئی تھی؟" نجمی نے کہا: "ظاہراً تو کوئی چوٹ نہیں معلوم ہوتی
تھی۔ لیکن ڈاکٹر کہتے تھے کہ پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ اس سے ان کے پھیپھڑے زخمی ہو گئے۔"
شمسی نے کہا: "میرا خیال ہے کہ استانی کی لاش کو ان کے رشتہ دار لے گئے ہونگے۔" نجمی
نے اپنے بھائی کو آنکھ کے اشارے سے منع کرتے ہوئے کہا: "ایسی حالت تو نہیں تھی کہ
فوراً مر جائیں۔ علاج کیلئے لے گئے ہونگے۔" بیرسٹر صاحب نے کہا: "جب پھیپھڑے ہی زخمی ہو گئے
تھے اور تم کہتے ہو کہ ڈاکٹر نے جواب دے دیا تھا تو پھر وہ زندہ رہ سکتی تھیں؟" نجمی
نے کہا: "میرے سامنے تو وہ خاصی آنکھیں کھولے اپنا حال بتا رہی تھیں۔" شمسی نے
کہا: "ہاں ہاں آٹھ دس روز تک تو زندہ رہ سکی ہونگی۔" زکیہ بیگم نے پوچھا: "کیا صرف
دو ماں بیٹے ہی تھے یا اور کوئی بھی تھا؟" نجمی نے کہا: "میں نے تو صرف ایک ماما کو دیکھا
اور خبر نہیں کون تھا۔" زکیہ بیگم نے کہا: "تم نے لڑکے سے نہیں پوچھا اسکے باپ زندہ
ہیں یا نہیں۔" نجمی نے جواب دیا: "باپ تو اس کے نہیں ہیں۔" شمسی نے پوچھا: "اس واقعہ کو کتنے
روز ہوئے؟" نجمی نے کہا: "ایک ہفتہ سے زیادہ ہو گیا۔" شمسی نے پوچھا: "لڑکے کا نام کیا تھا؟"
نجمی نے کہا: "اسکا نام یوسف تھا صورت شکل سے کسی بڑے گھرانے کا معلوم ہوتا تھا۔ انگریزی
تو اسقدر عمدہ بولتا تھا کہ میں آپ سے کیا کہوں۔" بیرسٹر صاحب نے کہا: "مجھے اس وقت
بہت افسوس ہوا لڑکے کا کہیں پتہ چلے تو اس کی مدد کرنی چاہئے۔" نجمی نے کہا: "جی ہاں
میں خود ایسی کوشش میں ہوں فی الحال تو اس کے مکان پر ایک چوکیدار مقرر کر دیا ہے
سامان وغیرہ کافی تھا۔" سلطانہ نے پوچھا: "سامان بھی تھا انکے پاس۔" نجمی نے جواب دیا

سلطانہ آپا میں تم سے کیا کہوں کہ وہ استانی کیسی سلیقہ شعار اور بلند خیال عورت تھیں ہیں تو ان کا گھر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔"

ہیڈ ماسٹر صاحب کھڑے ہوتے ہوئے نجمی سے کہا: "تم ابھی کمزور ہو دوسرے موٹر سے سفر کیا ہے اب آرام کرو۔" اپنے باپ کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک نجمی خاموش بیٹھے رہے۔ شمسی نے کہا: "تم اسقدر خاموش کیوں ہو ایسے واقعات اکثر ہو جایا کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے تمہارے دل پر اس کا بہت اثر ہے۔" نجمی نے کہا: "ہاں اثر تو ضرور ہے۔ لیکن اس وقت میں دوسری فکر میں ہوں یہ معمہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ چچا جان نے لڑکی کو تنہا امریکہ کیوں بھیجدیا؟" زکیہ بیگم نے کہا: "تنہا تو نہیں بھیجا رفیق الزماں کہتے تھے ان کے کوئی دوست مع اپنی بیوی کے جا رہے تھے ان کے ساتھ بھیجا ہے۔" نجمی نے کہا: "آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ لڑکی کیا بیمار تھی میرے خیال میں تفریحاً گئی ہوگی۔" شمسی نے کہا: "ممکن ہے تعلیم کے واسطے بھیجا ہو۔" نجمی نے کہا: "تعلیم کیلئے بھیجتے تو بیماری کا بہانہ کیوں کرتے۔" شمسی بولے: "چچا جان کا خیال ہوگا کہ ابا جان کچھ اعتراض نہ کریں۔" نجمی نے کہا: "میری سمجھ میں نہیں آتا یہ نکاح کیوں کر دیا گیا تھا۔ ہمارے خاندان میں اور کسی کی شادی تو کمسنی میں ہوئی نہیں آپ کی شادی ملازمت کے بعد ہوئی حالانکہ پھوپی اماں پرانے خیالات کی تھیں مگر شادی کے موقع پر انھوں نے طرح طرح سے آپکا عندیہ لوایا۔ سلطانہ آپا کی شادی اکیس برس کی عمر میں ہوئی انکے معاملے میں ابا جان کو اسقدر احتیاط تھی کہ انور بھائی سے خود پوچھا۔ ۔ مگر میرے معاملہ میں۔ تو لڑکی بیچاری کا کچھ خیال کیا نہ میرا۔" شمسی نے کہا: "اب ان باتوں سے کیا فائدہ وہ موقعہ ہی ایسا آپڑا تھا۔" سلطانہ نے کہا: "شادی تو تمہاری دعا سے ہوئی تھی اب نہوئی بارہ برس پہلے ہوگئی ایک ہی بات ہے۔" نجمی نے کہا: "یہی تو میرا مطلب ہے کہ بیوقت کیوں ہوگئی۔ کیا میری طرف سے کچھ اندیشہ تھا یا لڑکی

کہیں بھاگی جاتی تھی جسطرح خاندان میں سب کی شادیاں ہوئی ہیں اسی طرح میری بھی ہو جاتی،، زکیہ بیگم نے کہا بیٹا تم انجان بننے کی باتیں نہ کرو ہم نے اپنے شوق اور خوشی کے واسطے ایسا نہیں کیا تھا بلکہ مجبوراً ہم کو ایسا کرنا پڑا تھا۔ اس وقت تو کوئی غیر آدمی بھی ہوتا تو انکار نہیں کر سکتا تھا کجا ہم لوگ .... بھلا یہ مناسب تھا کہ بیماری کی حالت میں ریحانہ کی دل شکنی کرتے؟ انہوں نے تار دیکر ہم لوگوں کو بلایا تھا سر سے اور تمہارے ابا کے آگے ہاتھ جوڑ کر اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کی زندگی میں رعنا کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیا جائے۔ اب تم ہی بتاؤ ہم ان کا دل توڑ دیتے فوراً تمہارے ابا راضی ہو گئے! اور تمہارا نکاح کر دیا۔ نجمی نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا: جی ہاں صدقہ کا بھینسا تھا آپ لوگوں نے قربانی کر دی مگر چچی جان تو یہ بھینٹ لے کر بھی اچھی نہ ہوئیں،، زکیہ بیگم نے کہا: نجمی ذرا خدا سے ڈرو انھوں نے کس کی بھینٹ لی یا وہ خود تمہارے چچا پر قربان ہو گئیں مجھے تو جس وقت ریحانہ کی بے بسی کا خیال آتا ہے کلیجہ پر گھونسا لگتا ہے۔ ہائے اس روزی کمبخت نے ان کی جان لی۔ نجمی نے کہا: اماں جان معاف کیجئے گا یہی تو ہندوستانی عورتوں کی بے وقوفی ہے اگر چچا جان نے ایسی ذلیل حرکت کی تھی تو چچی جان کو چاہئے تھا ان سے علیحدگی اختیار کرتیں یہ کونسی عقلمندی تھی کہ اپنی جان دیدی،، زکیہ بیگم نے کہا: ہاں بیٹا عقلمند تو وہ ہے جس نے بھرا گھر برباد کیا خاندان میں تفرقہ ڈلوایا ہم تو بیوقوف ہیں،، سلطانہ نے کہا: نجمی آج تم کیسی باتیں کر رہے ہو پہلے تو کبھی تمہاری زبان سے ایسے الفاظ نہیں سنے تھے.. نجمی نے کہا: سلطانہ آپا میں تم سے سچ کہتا ہوں جس وقت سے رعنا کے امریکہ جانے کا سنا ہے میرے دل کو سخت تکلیف ہو رہی ہے اماں جان نے اپنے ہاتھ سے لڑکی کو کھو دیا خبر نہیں ان کے ساتھ بھیج کیوں دیا تھا،، زکیہ بیگم نے کہا: بیٹا میں نے

ریحانہ کے مرنیکے بعد بہتیری کوشش کی کہ بچوں کو اپنے ساتھ لے آئیں رفیق الزمان
نے لڑکے کو تو اجازت دیدی مگر لڑکی کو بھیجنے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا
روزی سے بہتر اسکی پرورش اور تربیت کوئی نہیں کر سکتا" نجمی نے کہا "یہ تو الٹی
بات انھوں نے کی لڑکے کو اپنے پاس رکھتے لڑکی کو آپکے ساتھ بھیج دیتے" بیگم نے
نے کہا "فاروق تو خود میرے ساتھ آیا تھا اسکو ماں کا ایسا سخت صدمہ ہوا تھا کہ اپنے
گھر اور روزی کی صورت سے بیزار ہو گیا تھا لڑکی معصوم چار برس کی جان اسکو
کچھ خبر ہی نہیں تھی ماں کی بیماری کی وجہ سے دو برس سے ان سے الگ رہتی
تھی" "پھر نکاح کرنے سے کیا فائدہ ہوا؟ چچی جان کا مقصد تو یہ ہوگا کہ آپ لڑکی
کو اپنے پاس رکھیں" زکیہ بیگم نے کہا "ہاں ان کی تو یہی مرضی تھی مگر میرے
اختیار کی بات نہیں تھی یہاں آکر بیسیوں خط تمہارے ابا نے لکھے یہاں تک
نوبت پہنچی کہ بھائیوں بھائیوں میں بالکل قطع تعلق ہو گیا مگر میں نے رفیق الزماں
سے نہیں بگاڑی برابر منت خوشامد کے خط لکھتی رہی کتنے رشتے والوں
سے کہلوایا جو کچھ مجھ سے ہو سکتا تھا کیا مگر وہ یہی جواب دیتے تھے کہ لڑکی تمہاری
ہی ہے کہیں بھاگی نہیں جاتی۔ اور سب نے بھی یہی مشورہ دیا کہ اسوقت انکو ضد ہو گئی
ہے خاموش ہو جانا چاہیے سب سے زیادہ تمہاری پھوپی اماں نے مجھے سمجھایا اور وعدہ
کیا کہ میں خود لڑکی کو تمہارے پاس پہنچا دونگی میں خاموش ہو گئی تمہارے ابا کو
اس قدر غصہ تھا کہ انھوں نے پھر کسی بات میں دخل ہی نہیں دیا" نجمی نے کہا "ہاں
وہ تو ایک شخص کے گلے پر چھری پھیر کر الگ ہو گئے" زکیہ بیگم نے کہا "میں تو الگ نہیں
ہوئی برابر اپنی سی کوشش کرتی رہی۔ ایک سال وہ یہاں رہے، میں برابر ہر
مہینے بچی کو دیکھنے جاتی تھی اچانک یہ خبر سنی کہ وہ جاپان جا رہے ہیں پھر تو پیر تلے کی زمین
نکل گئی دوڑی ہوئی الہ آباد گئی رفیق الزماں کے آگے ہاتھ جوڑے روزی کی خوشامد کی

وہ ایک چلتی پرزہ ہے بظاہر مہرباں ہیں۔ ہاں ملاتی تھی مگر نجمی کو اپنے سے ایسا ہلا لیا
تھا کہ اس نے رو رو کر اپنا خون ایک کیا ایک منٹ کو روزی سے الگ نہیں ہوتی
تھی ماں باپ کی پہلے ہی مرضی نہ تھی پرائی اولاد کو کیسے زبردستی چھین لاتی مجبور ہو کر واپس
آگئی،، نجمی نے ایک لمبا سانس لیکر کہا "میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ نجمی جان بیچاری
تو بیمار تھیں انکی عقل و حواس جاتے رہے تھے آپ لوگ تو خدا کے فضل سے صحیح
دماغ کے تھے آپ کو چاہیے تھا کہ انکی دلجوئی کے واسطے جھوٹ بولدیتے کہ نکاح
کر دیا" زکیہ بیگم نے کہا "یہ کوئی وہ بیہوش حواس ہی تھیں انھوں نے تو باقاعدہ کارڈ
چھپوا کر تقسیم کرائے تھے تمہارے نکاح میں بہت سے لوگ آئے تھے چاء کی پارٹی
ہوئی تھی سب انتظام ریحانہ نے بڑے بڑے خود کرایا تھا کسی کی چوری سے تھوڑی
ہوا تھا" شمسی نے ہنس کر کہا "تم دولہا بنے تھے کمخواب کی شیروانی پہنی تھی بنارسی صافہ
باندھا موتیوں کا طرہ لگا تھا ایک میز پر مسند بچھا کر تمہیں اسکے اوپر بٹھایا تھا تاکہ سب لوگ
چھوٹے سے دولہا کو اچھی طرح دیکھ سکیں بڑے پیارے معلوم ہوتے تھے" نجمی نے کھسیانی
مسکراہٹ کے ساتھ اپنے بھائی سے کہا "آپ ان جہالت کی باتوں پر ہنس رہے ہیں
لوگوں نے خوب مذاق اڑایا ہوگا" شمسی نے کہا "مذاق اڑانے کی تو کوئی بات نہیں تھی
ایک بیمار کا دل بہلانے اور اسکو خوش کرنے کیلئے انسان ہر امکانی کوشش کرتا ہے
سب کا یہی خیال تھا کہ شاید اس تدبیر سے انکی حالت سنبھل جائے" نجمی نے کہا
"وہی جو میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ دلہن جی کو بھینٹ چڑھائی تھی مگر نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلا" شمسی
کہا "ہاں تو یہ ٹھیک ہے الٹا ہی اثر ہوا گویا وہ بیچاری اسی انتظار میں تھیں جس وقت
اباجان نے تمکو انکے پاس لیجا کر سلام کرایا۔ مارے خوشی کے اٹھ کر بیٹھ گئیں اور کانپتے
ہوئے ہاتھوں سے تمہاری بلائیں لیکر اسقدر روئیں کہ انکا سانس اکھڑ گیا۔ اُف۔
آج تک وہ منظر آنکھوں کے سامنے ہے" نجمی کی آنکھوں میں آنسو آگئے

ذکیہ بیگم نے کہا: شمسی خدا کیلئے یہ ذکر نہ کرد میرے دلمیں تاب نہیں" سلطانہ نے پوچھا کیا اسیوقت انتقال ہوگیا تھا؟" شمسی نے کہا: نہیں کوئی چار پانچ روز زندہ رہیں نجمی نے کہا: خود تو شادی مرگ ہوگئیں دو کو زندہ درگور کرگئیں،" ذکیہ بیگم نے کہا خدا نخواستہ زندہ درگور کون ہوا۔ بیٹا ایسی باتیں نہ کرد مجھے وہم آتا ہے" نجمی نے کہا: میں کیا غلط کہتا ہوں آپ خود ہی غور کریں اس زمانہ میں ایسی شادی کی مثال بھی کہیں نہیں ملے گی نہ لڑکی کو خبر کہ اس کی شادی کب اور کہاں ہوئی نہ لڑکے کو معلوم" سلطانہ بولیں: نجمی تمہیں تو خاصا یاد رہا ہوگا۔ دس برس کے تھے" نجمی نے جواب دیا: ہاں جسطرح اور بچپن کی بہت سی باتیں یاد ہیں اسی طرح اپنا دولھا بننا بھی یاد ہے" سلطانہ نے پوچھا: رعنا کی صورت بالکل یاد نہیں؟" نجمی نے جواب دیا: ہاں یہ تو یاد ہے کہ ایک بچی تھی خوب گوری سی مگر صورت دماغ میں نہیں آتی۔ ذکیہ بیگم نے کہا: اسکی صورت تو ایسی ہے کہ چراغ لیکر ڈھونڈھو گے تو بھی نہیں ملیگی" شمسی نے کہا: اسمیں شک نہیں گویا قدرت نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے" نجمی نے کہا: وہ تو ظاہر ہے فاروق کیا کچھ کم خوبصورت ہیں" ذکیہ بیگم نے کہا: وہ تو فاروق سے بھی ایک نمبر زیادہ ہے" نجمی نے کہا: کہیں چیچک نہ نکل آئی ہو..... افسوس آپ لوگوں نے آئندہ کے متعلق تو کچھ سوچا ہی نہیں" ذکیہ بیگم نے بگڑ کر کہا: نوج اسکے دشمنوں کو چیچک نکلے تم بغیر دیکھے اس بچی کی طرف سے اپنے خیالات کیوں خراب کرتے ہو" نجمی نے کہا: خیالات تو خراب نہیں کرتا میں نے تو ایک بات کہی ہے مجھ سے زیادہ رعنا کے حال کسکو ہمدردی ہوسکتی ہے" شمسی نے ہنس کر کہا: بس یہی چاہیے تھا بڑی خوشی کی بات ہے" سلطانہ نے کہا صرف ہمدردی ہے محبت نہیں ہے؟" شمسی نے کہا: جب ہمدردی ہو تو محبت کا ہونا ضروری ہے دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے کیوں نجمی؟" نجمی نے کہا: میں کب انکار کرتا ہوں میرے بزرگوں نے تو مجھے ایسی مضبوط زنجیروں جکڑ دیا ہے کہ میں ہزار

کوشش کرو، جنبش نہیں کر سکتا۔ حقیقت میں یہ بچپن کا رشتہ بڑا خطرناک ہوتا ہے"
شمسی نے کہا "خطرناک یا پختہ؟" نجمی نے کہا "جب دونوں کو اس کا احساس ہو یہ نہیں
کہ ایک تو آزاد چھوڑ دیا گیا ہو دوسرا لکیر کا فقیر بنا بیٹھا ہے" سلطانہ نے پوچھا "آزاد کون
چھوڑ دیا گیا؟" نجمی نے کہا "لڑکی اور کون اسکی پرورش اور تربیت بالکل دوسرے طریقہ
سے ہوئی ہے اس کی عمر ایسے ماحول میں گذری ہے جو ہم لوگوں کے طرز معاشرت
سے بالکل مخالف ہے اسکی حالت بھی اس طرح تھوڑی ہوگی کہ جس وقت خالہ وقار اپنی بہن
کو یاد کر کے روتے تھے میرے دل پر چوٹ لگتی تھی میں ان سے زیادہ روتا تھا میرا بس نہیں
چلتا تھا کہ کس طرح انکی بہن کو لاکر ان سے ملا دوں۔ رعنا تو مجھے جانتی بھی نہ ہوگی میں
ہوں کون؟ اباجان اور آپا کی عقل کو میں کیا کہوں۔ اول تو نکاح ہی نہیں کرنا
چاہیئے تھا اور ایسے ہی مجبور ہو گئے تھے تو لڑکی کو ہرگز ہرگز ان کے ساتھ نہ جانے
دیا ہوتا" ذکیہ بیگم نے کہا "بیٹا میں کیسے زبردستی چھین لاتی نہ باپ کی مرضی تھی نہ بچی
آنے پر راضی ہوتی" نجمی نے کہا "بچی تو خیر ناسمجھ تھی اس کا تو ذکر ہی فضول
ہے باپ کی حالت آپکو معلوم تھی ایسی صورت میں زبردستی چھین لاتیں" ذکیہ بیگم
نے کہا "تم تو بچوں کی سی باتیں کرتے ہو کوئی جتن تو میں نے چھوڑا نہیں بیس رہ
بیس دن وہاں پڑی رہی۔ رفیق الزماں ہی کہتے تھے میرے صرف دو ہی بچے
ہیں لڑکے کو تعلیم کی وجہ سے مجبوراً یہاں چھوڑ رہا ہوں کیا لڑکی کو بھی آپ
مجھ سے جدا کر لیں گی۔ بڑی ہو کر تو آپ ہی کے پاس آجائے گی اب تمہیں بتاؤ
میں کیسے پرائی مامتا ٹالاتی" نجمی نے کہا "آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا مگر یہ معلوم
ہوتا ہے لڑکی ہاتھ سے جاتی رہی چچی جان بچاری کی دور اندیشی کچھ بھی کام نہ آئی اسکا
افسوس آپ لوگوں سے زیادہ مجھے ہوگا" ذکیہ بیگم نے کہا "اللہ نہ کرے ایسی بد
فال تو منہ سے نہ نکالو میرا آپ ہی جی پریشان ہے" نجمی نے کہا "میں

سچ کہتا ہوں... معلوم ہوتا ہے کہ چچا جان نے امریکہ بھیجنے کا بہانہ کیا ہے معاملہ کچھ دوسرا ہی نظر آتا ہے۔ شمسی نے پوچھا: دوسرا معاملہ کیا؟ نجمی نے کہا: فاروق کے آنے پر معلوم ہو جائیگا۔ شمسی نے کہا: کیا فاروق نے تمہیں کچھ لکھا ہے؟ نجمی نے کہا: نہیں میں نے تو یہاں آ کر یہ خبر سنی ہے۔

شمسی نے کہا: پھر کیوں ایسا کہہ رہے ہو۔ ذکیہ بیگم نے کہا: کچھ کہو تو آخر تمہارا کیا خیال ہے۔ نجمی نے کہا: میرا تو یہ خیال ہے کہ رعنا نے جاپان ہی میں اپنی پسند سے شادی کر لی ہے۔ ذکیہ بیگم نے: یہ امید تو مجھے رفیق الزماں سے ہرگز نہیں انھوں نے تمہارے ساتھ لڑکی کا نکاح کسی کی زبردستی سے نہیں کیا تھا۔ ریحانہ کے ایک دفعہ کہنے پر راضی ہو گئے تھے۔ وہ سب بھتیجا بھتیجی سے زیادہ تمہیں چاہتے تھے اس مرتبہ بھی انھوں نے کئی بار تمہیں پوچھا۔ پھر پھر کر تمہارا ہی ذکر کرتے تھے.... البتہ ایک بات میرے دل میں کھٹکتی تھی جب وہ تمہارا نام لیتے تھے انکی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے مجھے تو لڑکی کی جان کا اندیشہ ہے۔ شمسی نے کہا: آپ نے چچا جان سے اچھی طرح پوچھا تو ہوتا کب سے رعنا بیمار تھی۔ امریکہ بھیجے ہوئے کتنا عرصہ گذرا۔ ذکیہ بیگم نے کہا: بہتیرا کرید کرید کر پوچھا۔ ہاں ہوں کر کے ٹال دیتے تھے سارا دن تو رہے ہی تھے۔ رزینہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے کئی مرتبہ مجھ سے کہا کہ فاروق کے آتے ہی شادی کر دیجئے۔

شمسی نے کہا: نجمی کئی روز کی چھٹی ہے۔ چلو چچا جان سے مل آئیں انکو دیکھنے کو میرا بہت دل چاہتا ہے۔ نجمی نے کہا: آپ جائیے میں وہاں جا کر کیا کام کرونگا۔ سلطانہ نے کہا: تمہارا جی نہیں چاہتا چچا جان سے ملنے کو؟ میں تو بچوں کی وجہ سے مجبور ہوں ورنہ ضرور جاتی۔ شمسی نے کہا: ہاں ہاں ضرور جاؤ بارہ برس کے بعد وہ آئے ہیں۔ مگر مجھے مجبور نہ کرو۔ سلطانہ

نے کہا، "رعنا ہوتی تو ہم دیکھنے کیسے نہ جاتے" نجمی نے کہا۔ "پھر انہیں عیب کی
کونسی بات تھی کیا تم سمجھتی ہو میں اسوقت یہاں بیٹھا ہوا ہوتا جس وقت چچا جان
کے آنیکا سنا تھا۔ اسیوقت موٹر سے روانہ ہو جاتا۔۔۔۔ مگر اب تو یہ حالت ہے کہ
میرا خون کھول رہا ہے آخر انکو کیا حق تھا جو لڑکی کو امریکہ بھیج دیا۔ کیا یہاں حکیم
ڈاکٹر نہیں تھے ضرور انہیں کوئی بھید ہے۔ میرا تو یہی خیال ہے کہ لڑکی نے
وہاں شادی کر لی۔ روزی کی تربیت میں اور کیا سیکھا ہوگا" شمسی
نے کہا، "اس قسم کی باتیں سوچنے سے کیا فائدہ۔ فاروق جلد ہی آنیوالے
ہیں یہ عقدہ بھی حل ہو جائیگا فضول اپنی طبیعت پریشان کرتے ہو" ذکیہ بیگم
نے کہا، "بس اب جاکر سو۔ بارہ بج گئے۔ ابھی کمزور ہو خدانخواستہ پھر طبیعت
خراب نہ ہو جائے" شمس الزماں اور نجم الزماں کھڑے ہو گئے

چوتھا باب

شام کا وقت ہے نجم الزماں اپنے ملاقاتی کمرے میں تنہا بیٹھے اخبار
پڑھ رہے ہیں قریب میز پر سگریٹ کا ڈبہ اور راکھ جھاڑنے کی تھالی رکھی ہے۔
فرنیچر بالکل سادہ ہے ہر چیز نئی اور قیمتی ہے ہلکے سبز رنگ کے صوفے اور اسی
رنگ دروازے اور کھڑکیوں کے پردے ہیں لیمپ کا گلوب بھی سبز ہی ہے۔ نجمی
خود بھی اسوقت ہلکے سبز ریشم کی آدھی آستینوں کی قمیص اور سفید پتلون پہنے
ہیں شاید ابھی کلب سے واپس آئے ٹینس کا بلا کرسی پر رکھا ہوا ہے نجمی کچھ زیادہ حسین تو
نہیں لیکن جو شخص ایکدفعہ انکو دیکھ لیتا ہے وہ ہمیشہ کیلئے گرویدہ ہو جاتا ہے
ان کا کھلتا ہوا گندمی رنگ کشادہ پیشانی بڑا شاندار سر آنکھوں میں غیر معمولی چمک د

شوخی لبوں پر ہر وقت مسکراہٹ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو خود بخود اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، دوسرے انکی طبیعت کے چلبلے پن اور مزاج کی ظرافت نے اپنے دوستوں میں سب سے زیادہ ہر دلعزیز بنا دیا ہے

اخبار پڑھتے پڑھتے نجمی نے ڈبہ میں سے سگریٹ نکال کر سلگایا ہی تھا کہ ایک موٹر برساتی میں آکر رکی اور ایک صاحب دبلے پتلے سانولے سے رنگ کے موٹر سے اتر کر سیدھے گول کمرے کی طرف لپکے۔ نجمی جلدی اٹھا کر انکے استقبال کیلئے آگے بڑے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا: "ظفر آٹھ روز سے تم کہاں غائب تھے" ظفر نے چیخ کر کہا: "ارے یار تم نے تو میرا ہاتھ توڑ دیا" نجمی نے کہا: "میں کیا کروں تمہاری انگلیاں ہی بانس کی کھپچیاں ہیں" ظفر نے کہا "ذرا دوستی میں چڑھ کر دیکھئے معلوم ہوتا ہے کسی مشین میں دب گیا" نجمی نے فخر سے اپنا ہاتھ ظفر کی طرف بڑھا کر کہا: "دیکھو طاقت میں لوہے کا مقابلہ کرتا ہے، مگر روئی کی طرح ملائم ایک تمہاری انگلیاں ہیں جیسے گنے کے پودے اور وہ بھی بغیر چھیلا گنا ہر پور کے اوپر پھانسیں لگی ہوئی تمہارے جسم پر اسقدر بال کیوں ہیں؟"
ظفر نے کہا: "چلو اندر بیٹھیں" نجمی نے کہا: "آخر کہاں گئے ہوئے تھے؟"
ظفر نے جواب دیا: "گھر سے والدہ کا تار آیا تھا وہاں چلا گیا تھا۔ کہو تمہاری طبیعت اب کیسی ہے" نجمی نے کہا: "خدا کا شکر ہے بالکل اچھا ہوں مسز ظفر بھی مسوری سے واپس آئیں یا نہیں" ظفر نے کہا: "ابھی کیسے آسکتی ہیں اگلے مہینے میں آئیں گی" نجمی نے کہا: "خاصی ٹھنڈک تو ہو گئی ہے بلا کیوں نہیں لیتے۔ بھئی ان کے لئے یہ پہلا موقعہ ہے ایسا نہ ہو یہاں آکر پریشان ہوں۔ یہ ٹھنڈک تو عارضی ہے" نجمی نے کہا: "انھیں کس طرح عادت پڑے گی کیا جانتی نہیں تھیں کہ ہندوستان میں گرمی کا موسم بھی ہوتا ہے یا تم دھوکہ دیکر لائے تھے"

ظفر نے کہا: "اب پانچ مہینے تو گذر ہی گئے ایک مہینے کے واسطے کیوں میں انھیں تکلیف دوں۔" نجمی نے کہا: "میں تو خود ہی سمجھتا ہوں یہ سب تمہاری ہی کمزوری ہے اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو بھئی جون کی گرمی میں بھی پہاڑ نہ جانے دیتا۔" ظفر نے جواب دیا: "یہ تو ایک طرح کا ظلم ہوتا۔" نجمی نے کہا: "ظلم کیوں ہوتا یہاں خس کی ٹٹیاں وغیرہ لگوا کر انتظام کر دیتے جب تم پہاڑ پر نہیں گئے تو تمہاری بیوی کو جانے کی کیا ضرورت تھی۔" ظفر نے کہا: "ان باتوں کو تو چھوڑو اب تو ایک نئی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔" نجمی نے پوچھا: "کیا بلیس کو بھگا کر لائے تھے کوئی وارنٹ آگیا؟" ظفر نے جواب دیا: "نہیں بھئی ابھی ایک دوسرا شگوفہ کھلا ہے۔" نجمی نے کہا "کیا کسی موکل نے پیٹ دیا۔" ظفر نے کہا "ہو بڑے بدتمیز بات سنتے نہیں مذاق اڑانے لگے۔" نجمی نے سنجیدگی سے کہا "اچھا اچھا کہو کونسا نیا شگوفہ کھلا ہے۔" ظفر نے کہا: "والدہ نے تار دیکر طلب کیا تھا اب فرماتی ہیں یہاں میں دوسری شادی کر لوں۔" نجمی نے زور سے قہقہہ لگا کر کہا: "قسم خدا کی ذرا لانا ہاتھ بڑا لطف آئیگا۔ ظفر نے کہا: "ارے ارے تم اسقدر خوش کیوں ہوئے؟" نجمی نے کہا "خوشی کی تو بات ہی ہے۔ تمہاری دوسری شادی ہو رہی ہے۔ پھر کیا طے کر آئے؟" ظفر نے کہا: "طے کرنا کیسا وہ بھی کوئی ہندوستانی لڑکی ہے کہ میں دوسری شادی کر لوں اور وہ خاموش ہو جائے۔ جانتے نہیں انگریز بچی ہے میرا ناطقہ بند کر دیگی۔" نجمی نے بڑی سنجیدگی سے کہا: "جی خوب جانتا ہوں اور اسوقت آپکے خیالات بھی معلوم ہو گئے بارہ برس کتے کی دم کو نلکی میں رکھا اور جب نکالا تو وہی ٹیڑھی کی ٹیڑھی۔" ظفر نے کہا: "کیا مطلب ہے تمہارا اس مثال سے۔" نجمی نے کہا: "میرا مطلب یہ کہ بڑے روشن خیال بنتے ہو انگلستان ہو آئے انگریزوں کی تقلید کرتے ہو مگر عورت کے معاملہ میں وہی دقیانوس کے چچا ہو" ظفر نے ڈبہ میں سے سگریٹ نکالتے ہوئے کہا: "معلوم نہیں تم کیا کہہ رہے ہو میری سمجھ میں

ایسی باتیں نہیں آتیں،" نجمی نے کہا: "ہاں ایسی باتیں تمہاری سمجھ میں کیوں آئینگی،" ظفر
نے کہا: "کچھ صاف بات کہو بھی،" نجمی نے کہا: "اگر تمہاری بیوی ہندوستانی ہوتی تو اپنی
والدہ کو خوش کرنے کیلئے دوسری شادی کر لیتے؟" ظفر نے کہا: "پھر کیا کرتا تمہیں بتاؤ؟"
والدہ کو کیسے راضی کیا جاتا مجبوراً مجھے ایسا کرنا پڑتا۔" نجمی نے کہا: "ہاں ٹھیک ہے
ہندوستانی عورت گویا ایک بے جان چیز ہے تم نے یہ بہانہ کر دیا کہ والدہ کو راضی
کرنا تھا۔ ڈپٹی صاحب نے یہ مجبوری بتائی کہ پہلی بیوی بانجھ تھیں اولاد کیلئے دوسری
شادی کی۔ رضوی صاحب نے فرمایا ان کی پہلی بیوی کے بچے زیادہ ہوگئے وہ
بڑھیا معلوم ہونے لگیں کہیں ساتھ جاتی ہیں تو لوگوں کو اماں کا شبہ ہوتا ہے
شوکت صاحب کو اپنی پہلی بیوی پسند نہیں تھیں۔ عسکری صاحب نے یہ عذر کیا کہ انکی
بیوی بیمار زیادہ رہتی ہیں۔ امجد کہتے ہیں۔" ظفر نے بات کاٹ کر کہا: "ارے اب خاموش
بھی ہو گے یار ریل گاڑی چھوڑ دی۔ میں نے تو ایک بات کہی تھی کوئی ایسا کر تھوڑی
لیا تم نے تو نام گنوانے شروع کر دیئے عجب جھکی آدمی ہو۔" نجمی نے کہا: "کیا میں
جھوٹ کہہ رہا تھا ابھی تو میرے ملنے والوں میں ہی دس پانچ کے نام اور باقی ہیں۔" ظفر
نے کہا: "خیر ہونگے میں نہیں سننا چاہتا دماغ چاٹ لیا ابھی تو دوسری شادی کو سنکر
خوشی سے ہاتھ ملا رہے تھے تمہاری باتیں ابھی تک بچوں کی سی ہوتی ہیں۔" نجمی نے
کہا: "میں تو حیرت اور تعجب میں ہاتھ ملا رہا تھا۔ آپ سمجھے میں خوش تھا۔ بڑے
افسوس کی بات ہے تمہیں اپنے ملک کی عورتوں کیساتھ مطلق ہمدردی نہیں۔" ظفر نے
کہا: "پورے واقعات تو سنے نہیں خواہ مخواہ عورت کی ہمدردی میں میرے پیچھے
پڑ گئے۔" نجمی نے کہا: "اچھا آپ اپنی داستان بیان کیجئے۔" ظفر نے کہا: "سنو ہماری
والدہ رشتہ کی ایک بہن ہیں ان کے خود تو کوئی اولاد نہیں کسی عزیز کی لڑکی گود لے رکھی ہے
اب میرے اوپر گھر بھر کی چڑھائی ہے کہ اس لڑکی سے میں شادی کر لوں بہت دولت

ہاتھ آئیگی ہماری والدہ کے منہ میں بھی پانی بھر آیا ہے کوئی خوبی دنیا کی ایسی نہیں جو
اس لڑکی میں نہ بیان کیجاتی ہو ہماری بہن صاحبہ تو اس کے حسن پر فریفتہ ہو گئی ہیں اور
اماں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر میں اس لڑکی سے شادی نہیں کرونگا تو وہ تمام
عمر میری صورت نہیں دیکھیں گی۔ وغیرہ وغیرہ۔" نجمی نے کہا: "پھر مجھے کیا سنا رہے
ہو بسم اللہ کر دو ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔" ظفر نے کھسیانے ہو کر کہا: "سنانے
نہیں آیا ہوں تم سے مشورہ لینے آیا ہوں کوئی تدبیر ایسی بتاؤ کہ والدہ ناراض نہ ہوں
اور اس بلائے ناگہانی سے بھی بچا رہوں۔" نجمی نے کہا: "تمہارے چھوٹے بھائی
بھی تو ہیں کیوں نہیں تمہاری والدہ اس لڑکی کی شادی ان سے کر دیتیں؟"
ظفر نے کہا: "اظہر کی شادی تو دسمبر میں ہو رہی ہے بچپن سے چچا کی لڑکی سے
ٹھہری ہے، والدہ کہتی ہیں اب میں دونوں کی شادی ساتھ ہی ساتھ کرونگی"
نجمی نے قہقہہ لگا کر کہا: "گھبرانے کی کیا بات ہے مسز ظفر کو لکھ دونگا کہ وہ اب
ادھر کا رخ نہ کریں۔ ولایت کا ٹکٹ خرید یں یا خیر میں تمہاری خاطر انھیں جہاز
پر سوار کرا دونگا ———— اب تو خوش ہو؟" ظفر نے
کہا "تم تو ہر بات میں مذاق کرتے ہو میں اس وقت خاص اسی غرض سے تمہارے
پاس آیا ہوں کوئی ترکیب تو نکالو۔" نجمی نے ہنس کر کہا: "میں حاضر ہوں جس سے
کہو شادی کرنے کو تیار ہوں اگر میم صاحب سے علیحدگی چاہتے ہو تو ان کو بھی دو
فقروں میں اپنی طرف مائل کر لوں گا خود ہی تم سے نفرت کرنے لگیں گی ورنہ اس
دولت مند لڑکی سے کرا دو ... بولو اب تو راضی ہو؟" ظفر نے کہا: "دیکھو
بھائی یہ دل لگی کا وقت نہیں ہے میں بہت پریشان ہوں کچھ تو میری مدد کرو"
نجمی نے کہا: "خود کردہ را علاج نیست ... ہم نے تو تمہیں پہلے ہی سمجھایا تھا
کہ یہ عشق بازی کا جنون لندن ہی میں ختم کر دو ... تمہارے گھر والوں سے نہیں

اندیشہ تھا اگر تم نے نہیں مانا۔ اب اپنے کئے کی سزا بھگتو۔ خود بھی تو بیرسٹر ہو آخر
یہ ڈگری کچھ کام دے گی یا نہیں۔" ظفر نے کہا میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا" نجمی نے
کہا "پہلے یہ بتاؤ، تمہاری مرضی کیا ہے اگر اس لڑکی سے شادی کرنے کا واقعی
تمہارا خیال ہو تو میں ایک گمنام خط ایلس کے نام لکھ دوں کہ ظفر نے تمہیں دھوکہ دیکر
شادی کی تھی انکی بیوی بچے یہاں موجود تھے دیکھو پھر کیا تماشہ ہوتا ہے وہ خود ہی
اڑنے لگیں گی بلکہ اڑ جائیں گی۔" ظفر نے کہا: "تم جانتے ہو ہماری والدہ کا غصہ
بہت خراب ہے انھوں نے کہدیا ہے کہ ایک پیسہ خرچ کیلئے انہیں دیں گے
اور تم کو معلوم ہی ہے کہ میری آمدنی اتنی نہیں ہوتی کہ گذارہ ہو سکے برابر گھر سے
روپیہ منگواتا ہوں۔"

نجمی نے کہا: "پھر تمہاری مرضی کیا ہے ایلس سے بھی علیحدگی نہیں چاہتے
دوسری شادی بھی منظور نہیں پھر چاہتے کیا ہو؟ میرے خیال میں تو تم چپکے سے
شادی کر ہی ڈالو۔ بیگم صاحبہ کا خرچ تمہارے اوپر بہت ہے ٹانٹ گنجی ہو جائیگی
روپیہ ہاتھ آرہا ہے۔" ظفر نے کہا: "شادی تو میں کسی حال میں نہیں کرونگا یہ بھی کوئی
تماشا ہے علاوہ اس کے ہماری خالہ ایسی بیوقوف نہیں ہیں جو ایک بیوی کی موجودگی
میں اپنی لڑکی کی شادی میرے ساتھ کر دیں...... ہاں تو یہ شرط ہے کہ میں
اپنی بیوی کو چھوڑ دوں... یہ میں کبھی نہیں کر سکتا چاہے وہ تخت شاہی پر بٹھانے
کا وعدہ کریں۔" نجمی نے کہا: "ہاں ایلس بھی تو امریکہ کی رہیں شاہی تخت پر کیوں نہ
لات مارو گے۔" ظفر نے ہنس کر کہا: "پھر مجھے کیا کرنا چاہئیے؟" نجمی نے کہا:
"واقعی تمہاری خالہ زیادہ مالدار ہیں؟" ظفر نے جواب دیا: "زیادہ کیا ہیں ان کے

شوہر معمولی تعلقدار تھے عرصہ ہوا انتقال ہوگیا اب تعلقہ کے مالک ہمارے خالو کے
چھوٹے بھائی نواب بنّن صاحب ہیں خالہ کو پانچ سو روپیہ ماہوار ملتا ہے البتہ نقدی
اور زیور وغیرہ سنا ہے انکے پاس بہت ہے۔" نجمی نے کہا: "پھر تو تمہاری
خالہ سونے کی چڑیا ہیں کیا کہا جائے اتنا روپیہ مفت میں تمہارے ہاتھ سے جا رہا
ہے بڑے بدقسمت ہو۔" ظفر نے کہا: "روپیہ کو تو گولی مارو مجھے اب والدہ کی ناخوشی
کا خیال ہے وہ اس وقت بڑی نادانی کر رہی ہیں۔ تم خود ہی خیال کرو میں اس بیچاری
کو غیر ملک میں لاکر کس طرح آنکھیں پھیر لوں۔" نجمی نے ظفر کی پیٹھ ٹھونک کر کہا: "جیتے
رہو ڈٹے رہنا اپنی بات پر چاہے سارا خاندان تمہیں چھوڑ دے میں تمہارے
ساتھ ہوں۔" ظفر نے کہا: "مگر میں تو یہ نہیں چاہتا کہ والدہ کو ناراض کروں۔" نجمی
نے کہا: "تو پھر جاؤ جہنم میں میری رائے لینے کو آئے کیوں۔" ظفر نے کھڑے ہوتے
ہوئے بگڑ کر کہا: "اچھی بات ہے جاتا ہوں معلوم ہوگیا تم بالکل بے کار آدمی ہو زمانہ
کے آگے رو رو کے اپنے بھی نین کھوئے۔" نجمی نے ظفر کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا
"ٹھہرو تم چلے کہاں؟ میں تو مذاق کر رہا تھا اب بیٹھ کر صحیح واقعات بتاؤ۔" ظفر نے
کہا: "سبحان اللہ ساری کتاب سنی مگر اب تک خبر نہیں کہ زلیخا عورت تھی یا مرد!"
نجمی نے ہنس کر کہا: "مرد ہی ہوگی خاں تو لگا ہوا ہے۔" ظفر نے کہا: "اب مجھے
جانے ہی دو معلوم ہوتا ہے اس وقت تمہارا دماغ جاپان گیا ہوا ہے۔" نجمی نے کہا
"جاپان نہیں میرا دماغ بھی اب امریکہ ہی کے چکر میں ہے۔" ظفر نے جواب دیا: "تمہیں
امریکہ سے کیا مطلب۔" نجمی نے کہا: "ٹھہر جاؤ بتاؤں گا پہلے تمہارے مقدمہ کا
فیصلہ کر دوں ایک ترکیب میرے دماغ میں آئی ہے اگر اپنی والدہ کو یہاں بلا لو
تو میں پوری کوشش کروں گا اور جہاں تک ہو سکیگا ان کو سمجھاؤں گا فی الحال
مجھے رخصت نہیں مل سکتی نہیں تو میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔" ظفر نے

خوش ہو کر کہا: یہی تو میں چاہتا ہوں والدہ ہمیشہ تمہاری تعریف کیا کرتی ہیں
بچپن میں تمہارا نکاح ہو گیا ہے لوگوں کو ایک مثال ہاتھ آگئی ہے اس مرتبہ بھی کہہ
رہی تھیں کہ نجم الزماں کو دیکھو کیسا اپنے والدین کا فرمانبردار بچہ ہے۔" نجمی نے ذرا
سنجیدگی سے کہا: "جی ہاں ہم اسی لئے ہیں کہ اپنی تعریف سن سن کر خوش ہوا کریں
ظفر نے پوچھا: "ہاں بھئی میں تو بھول ہی گیا سنا ہے تمہارے چچا جاپان سے واپس
آگئے ہیں۔" نجمی نے خاموشی سے کہا: "ہاں آتو گئے۔" ظفر نے کہا: "کیا تم انھیں سے
ملنے گئے تھے؟" نجمی نے جواب دیا: "نہیں میں تو دسہرہ کی چھٹی میں گیا تھا" ظفر نے
پوچھا: "کیا اپنے چچا سے نہیں ملے؟" نجمی نے کہا: "میرے جانے سے پہلے چچا جان وہاں
آئے تھے صرف ایک روز ٹھہرے مجھ سے ملاقات نہیں ہوئی!"

ظفر نے پوچھا: "تمہاری شادی کے متعلق کیا طے پایا؟" نجمی نے جواب دیا۔
شادی کیسی الحمد للہ ہو تو چکی ہے کیا اپنے ساتھ میری بھی دوسری شادی کرنے کا ارادہ ہے؟
ظفر نے کہا: "ارے وہی رخصت کی رسم کب ہوگی۔" نجمی نے کہا: "اب شاید کبھی بھی
نہ ہوگی۔" ظفر نے کہا: "اچھا معلوم ہوتا ہے بیوی کو لیکر آئے ہو۔ سچ بتاؤ، مجھ سے پہلے
کیوں نہ کہا۔ جب یہ ریشمی قمیص و شلوار پہنے ٹھاٹ سے بیٹھے ہو بتاؤ، کہاں ہیں یہ
پردہ وردہ میرے ساتھ نہیں ہو سکیگا بولو کون سے کمرے میں ہیں؟" نجمی نے
کہا: "تم پاگل ہوئے ہو بیوی کو میں کہاں سے لاتا وہ تو امریکہ کی سیر کو گئی ہوئی ہیں
ظفر نے کہا: "امریکہ کیسے گئیں؟" نجمی نے جواب دیا: "جیسے سب جاتے ہیں جہاز میں
بیٹھ کر۔" ظفر نے کہا: "دل لگی نہ کرو سچ بتاؤ کیا معاملہ ہے؟" نجمی نے کہا: "دل لگی
کون بیوقوف کرتا ہے میں سچ کہہ رہا ہوں چچا جان نے لڑکی کو امریکہ بھیج دیا۔" ظفر نے
پوچھا: "کیا تعلیم کیواسطے؟" نجمی نے کہا: "مجھے تو کچھ خبر نہیں سنا ہے صحت خراب ہو گئی تھی۔"
ظفر نے پوچھا: "پھر کب تک واپس آئینگی؟" نجمی نے کہا: "کچھ معلوم نہیں میں تو اب سوچتا ہوں

اور شادی کر لوں۔" ظفر نے کہا: "واہ واہ! خود را فضیحت دیگراں را نصیحت کچھ دیر
پہلے دوسری شادی پر مجھے لیکچر دیا جا رہا تھا تمہاری زبان ہے یا کیا کہوں...
نجمی نے جواب دیا: "تم کہو گے کیا میرا خیال ہے لڑکی نے جاپان میں شادی کر لی
تو تم اپنی خالہ کی لڑکی سے میری شادی کروا دو اسکی آدھی دولت تمہیں دیدونگا۔"
ظفر نے کہا: "مجھے تو معاف کرو میں پہلے ہی اپنی والدہ کی بد دعاؤں سے ڈر رہا ہوں
اور تمہارے والدین بھی مجھے کوس رہے ہیں اچھی دوستی رہی۔" نجمی نے بات کاٹ کر ہنستے
ہوئے کہا: "کیا واقعی تمہاری والدہ کچھ ناراض ہیں؟" ظفر نے کہا: "عجیب آدمی
ہو ابھی تک مذاق ہی سمجھ رہے ہو میرا تو خون خشک ہوتا ہے راتوں کی نیند اڑی
ہوئی ہے۔" نجمی نے کہا: "انور بھائی بھی تو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ہو کر کانپور آ گئے
ہیں میں سلطانہ آپا کو سب واقعات لکھ دونگا۔ وہ تمہاری والدہ کو سمجھائیں گی۔
کسی چھٹی میں میں بھی ان کے پاس جاؤنگا۔" ظفر نے کہا۔ "ہاں یہ خیال تمہارا ٹھیک
ہے میں کل ہی انور زماں صاحب سے مل کر آیا ہوں... دیکھو نجمی اگر یہ معاملہ
رفع دفع ہو گیا تو میں تمہارا تمام عمر احسان مند رہونگا۔" نجمی نے کہا: "کیا کہوں
اسوقت تمہارے گڑگڑانے پر رحم آگیا اور تم سے زیادہ مسز ظفر بیچاری کو
کا خیال ہے ورنہ تمہاری والدہ کو الٹی پٹی پڑھاتا اور ایسی سزا تم کو دلواتا کہ سارا
عشق کافور ہو جاتا میرے سمجھ میں نہیں آتا کہ ایلس کو کس طرح اپنے پھندے میں
پھانس لیا دیکھنے میں تو بالکل بدھو ہو مگر اپنے مطلب میں بڑے ہوشیار ہو بیچاری
ایلس بڑی سیدھی لڑکی ہے شاید تم نے اپنے آپ کو ہندوستان کا نواب
یا راجہ بتایا ہوگا جھانسے میں آگئی۔"

"ظفر ابھی کوئی جواب نہیں دینے پائے تھے کہ کسی نے حلیں کے پاس سے کہا۔
"راجاؤں کی ایسی ہی تو صورتیں ہوتی ہیں۔" نجمی نے کھڑے ہو کر کہا: "آؤ آؤ

سروپ کمار میں تو تمہیں یاد کر ہی رہا تھا۔ ظفر نے چپکے سے کہا: "نخمی تمہیں خدا کی
قسم میرے متعلق اس بیہودہ سے کچھ نہ کہنا۔"

سروپ کمار نے کمرے میں آکر ظفر کی پیٹھ پر ایک گھونسہ مار کر کہا: "کھڑے
کیوں نہیں ہوئے میرے استقبال کے لئے راجہ تتی دم" نخمی نے سروپ کمار سے
کہا: "یہ بے موسم کی ہولی کس سے کھیل کر آئے ہو کنہیا جی؟" "پتلون تو دیکھو گلنار بنی
ہوئی ہے۔" ظفر نے کہا: "معلوم ہوتا ہے بیوی نے پیک کی پچکاری ماری ہے۔"
سروپ کمار نے کہا: "ادھر ہو بلینڈ کی کو بھی زکام ہوا جیسے خود ایک دن بیوی سے منہ نچوا
کر کلب گئے تھے۔" ظفر نے کہا: "جھوٹے کہیں کے وہ تو شیو کرنے میں ذرا سی خراش پڑ
گئی تھی۔" سروپ کمار نے ہنس کر کہا: "مہینوں کے بعد آج آپ صفائی پیش کر رہے
ہیں۔" نخمی نے قہقہہ لگا کر کہا: "کیا یہ قصہ بھی ہو چکا ہے۔" سروپ نے کہا: "ایمان
سے ایک دن مسز ظفر نے اپنے نکیلے چنگلوں سے ان کا منہ نوچ لیا تھا۔" نخمی نے
سروپ کمار سے پوچھا: "تمہارے اوپر کیا گزری۔" سروپ کمار نے جواب دیا
"ارے یار ڈپٹی صاحب نے ٹھوک دیا تم خود ان سے چھپ کر چلے آئے میرے
پیچھے لگا دیا۔" نخمی نے ہنس کر کہا: "تم نے کوئی مسخرا پن کیا ہوگا۔" سروپ کمار
نے کہا: "مسخرہ پن تو میں نے کچھ نہیں کیا ایک نسخہ بتایا تھا وہ بھوکھو کر کے
ہنسی کے مارے لوٹ گئے تمام ٹھوک کی چھینٹیں میرے اوپر پڑیں" ظفر نے کہا
"بڈھے آدمیوں سے مذاق کرتے ہو تمہیں شرم نہیں آتی کھانڈ بنے ہوئے ہو"
سروپ کمار نے کہا: "بڈھے آدمی بھی تو سینگ کٹا کر بچھڑوں میں ملنا چاہتے
ہیں وہ خود ہی ان باتوں سے خوش ہوتے ہیں۔" ظفر نے کہا: "خیر آج سزا خوب
ملی۔" سروپ کمار نے کہا: "میں کیا ان کو چھیڑنے والا تھا۔ یہ دیکھو دانت لے کر
بھاگ آیا۔" نخمی نے ہنس کر کہا: "دانت کہاں سے مل گئے؟" سروپ کمار نے

جواب دیا اتنے زور سے ہنسنے کہ نیچے کا چوکا نکل پڑا میں اٹھا کر بھاگا دوڑے تو بہت میرے پیچھے مگر میں اپنا بلّا دلا چھوڑ کر رفو چکر ہوا پیچھے رہ گئے اب یہ بلّا منہ لیکر نئی بیوی کے پاس جائیں گے۔" بخمی نے زور کا قہقہہ لگا کر سروپ کے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر کہا: "یار اسوقت تو تم نے کمال ہی کر دیا۔" ظفر مسکرا کر بولے۔ "اتنے اتنے بڑے عہدہ دار ہو کر تم لوگ شہدوں کی سی باتیں کرتے ہو۔" بخمی نے کہا: "صرف زبان سے ایسی باتیں کرتے ہیں ان پر عمل نہیں کرتے بعض لوگ دیکھنے میں بڑے سیدھے ہوتے ہیں مگر پیٹ میں سوداگر کی داڑھی ہوتی ہے۔" سروپ نے کہا بخمی کبھی غور بھی کیا ہے جس وقت ڈپٹی صاحب، کلکٹر وغیرہ کے سامنے ذرا سنجیدگی سے ہونٹ بند کر کے ہنستے ہیں تو کیسی صورت بنتی ہے۔ بخمی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ اوہ قسم خدا کی یار تم بڑے بدمعاش ہو۔ میں تو اس وقت اپنی ہنسی نہیں روک سکتا سروپ کمار نے کہا بیچارے کی صورت قابل رحم ہوتی ہے گویا پیچش کی تکلیف میں مبتلا ہیں۔" ظفر نے ہنس کر کہا: "بد تہذیبی کی بھی حد کر دی ہے تم لوگوں نے پڑھے لکھے آدمیوں کو ایسی باتیں کرتے نہیں سنا۔ سروپ کمار نے پوچھا میں نے کیا بات بد تہذیبی کی کی ہے ذرا بتاؤ "لو پیچش کا لفظ ایسا برا ہے تہذیب آدمی اس بیماری کو کیا کہتے ہیں جیسے بخار، کھانسی، نمونیہ، فالج، اسی طرح پیچش بھی ایک مرض کا نام ہے۔ تمہارے ہاں اسکو کیا کہتے ہیں حسن آرا بیگم۔ روشن آرا بیگم آفتاب بیگم، ماہتاب بیگم۔ آخر کیا نام ہے پیچش کا؟ ظفر نے کہا: "بس میرا پیچھا چھوڑو تم دونوں ایک سے ایک بڑھ کر ہو ایک دن ڈپٹی صاحب کے ہاتھ سے جوتے کھاؤ گے۔" ظفر نے گھڑی دیکھ کر کہا: "اب ہم چلتے ہیں دس بج رہے ہیں ... چلو سروپ کمار ...." بخمی نے کہا: "اب کھانا کھا کر جانا آج بڑی دیر ہو گئی" سروپ کمار نے کہا: "بھئی مجھے تو معاف کرو میری بیوی بیچاری بھوکی ہوگی بغیر

میرے وہ کھانا نہیں کھاتی۔"

سروپ کمار کے جانے کے بعد ظفر نے کہا: ہاں نجمی وہ استانی کا کچھ پتہ چلا یا نہیں میں تو پوچھنا ہی بھول گیا۔ نجمی کے چہرے کا رنگ ایک دم متغیر ہو گیا انھوں نے افسوس کے لہجے میں کہا: نہیں بھائی کچھ بھی پتہ نہیں چلا میں نے انسپکٹر پولیس سے کہا تھا کہ ذرا لاری والوں سے دریافت کرائیں مگر وہ بندہ خدا پندرہ روز کی چھٹی پر چلا گیا میں تم سے قسم کھا کر کہتا ہوں اس حادثہ نے میرا دماغ پریشان کر دیا۔ ہزار کوشش کرتا ہوں کہ بھول جاؤں مگر وہ منظر آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتا۔ ظفر نے پوچھا: کیا استانی کے لڑکے کو تمہارا نام و پتہ معلوم ہو گیا تھا؟ نجمی نے جواب دیا اسوقت وہ لڑکا ایسا گھبرایا ہوا تھا کہ اس نے مجھ سے کچھ بھی نہ پوچھا اور نہ مجھے خیال آیا کہ اسکو اپنا نام بتا دوں میرا تو ارادہ سویرے ہی جانے کا تھا مگر تم جانتے ہو میں مجبور ہو گیا تھا۔ ظفر نے کہا: تعجب ہے ایسی حالت میں کسطرح لوگ انکو لے گئے۔ نجمی نے کہا: زندہ کو تو لے جا نہیں سکتے میرا خیال ہے انکی لاش کو لیگئے ہونگے۔ رحمت اللہ ملازم نے کھانے کی اطلاع کی دونوں دوست اٹھکر کھانیکے کمرے میں چلے گئے میز پر مختلف قسم کی بات چیت ہونے لگی۔

پانچواں باب

پروفیسر رفیق الزماں اپنے مطالعہ کے کمرے میں بیٹھے ہیں انکے قریب ایک نوجوان جسکی عمر چوبیس یا پچیس سال کی ہوگی بہت ہی مغموم گردن جھکائے بیٹھا ہے اس کا چہرہ شدت رنج اور ضبط کی وجہ سے سرخ ہو رہا ہے بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے ہیں اس کے بھورے بھورے خمدار بال پیشانی

بکھرے ہوئے ہیں وہ اپنے پتلے پتلے گلابی ہونٹ دانتوں سے دبائے ہوئے
کسی سوچ میں بیٹھا ہے۔

کمرے میں بالکل خاموشی ہے .... پروفیسر نہایت غور سے ٹکٹکی باندھے
اس نوجوان کو دیکھ رہے ہیں .... دیوار میں لگے ہوئے گھنٹے نے دن کے بارہ بجائے
پروفیسر نے نوجوان سے کہا "بیٹا اب تم جا کر غسل کرو بارہ بج گئے کھانے
کا وقت قریب ہے رات کو تم سے مفصل بات چیت ہوگی" نوجوان نے
رومال سے اپنی آنکھیں پونچھ کر کہا "پاپا آخر اس خبر کو پوشیدہ رکھنے میں کیا
مصلحت تھی، یہ کوئی دنیا سے انوکھی بات نہیں تھی موت تو کسی نہ کسی بہانہ ہی سے
انسان کو آتی ہے .... اس کے لئے یہی بہانہ ہوگیا آپ کو چاہئے
تھا کہ فوراً یہاں اطلاع کر دیتے" پروفیسر نے جواب دیا "میں نے بارہا ارادہ کیا کہ یہاں
والوں کو اطلاع کر دوں لیکن اول تو یہ سانحہ ایسا دلخراش تھا کہ میں لکھتے ہوئے
ہچکچاتا تھا اسی پس و پیش میں دنوں سے ہفتے ہفتوں سے سال گذرتے چلے گئے
مگر میرا قلم نہیں اٹھا دوسرے جاپان جانے سے قبل بھائی صاحب مجھ سے بہت
کشیدہ تھے میری انکی خط و کتابت تک بند تھی اب میں خیال کرتا ہوں انکی ناراضگی حق
بجانب تھی وہ جو کچھ کہتے تھے حرف بحرف صحیح تھا لیکن انسان کچھ کھو کر سیکھتا ہے افسوس
میں نے انکی باتوں کی بالکل پروا نہیں کی اور اپنے سگے بھائی کو اپنا مخالف
سمجھنے لگا حالانکہ غلطی میری ہی تھی جاپان جاتے وقت میں ان سے ملنے بھی نہیں
گیا انھیں سب باتوں نے مل کر میرے دماغ میں ایک تلاطم مچا رکھا تھا" نوجوان
نے کہا "آپ چچی اماں ہی کو خط لکھ دیا ہوتا حد ہو گئی بارہ برس گذر گئے اور
یہاں کسی کو خبر ہی نہیں" پروفیسر نے کہا "فاروق تم کو نہیں معلوم میرے
جاپان جاتے وقت بھابی جان خود میرے پاس آئی تھیں اور ان کا اصرار تھا

کہ لڑکی کو میں ان کے پاس چھوڑ جاؤں مگر میں نے اسکو یہاں نہیں چھوڑا بلکہ بڑے
دعوے کے ساتھ ان سے کہا تھا کہ لڑکی کہیں بھاگی نہیں جاتی نجمی کی امانت کو
اس کے پاس پہنچانیکا میں ذمہ دار ہوں ... افسوس میری ہی لڑکی گئی اور میں
ہی موردِ الزام ٹھہرا" فاروق نے کہا "یہ خیال تو آپکا فضول ہے کوئی آپکے
اوپر الزام نہیں رکھے گا، البتہ یہ شکایت ضرور ہوگی کہ یہاں اطلاع کیوں نہ دی
آپ ماما سے ہی لکھوا دیتے" پروفیسر نے کہا "میں نے اس سے کہا تھا مگر اس نے
انکار کر دیا" فاروق نے کہا "چار پانچ سال میں امریکہ میں رہا اگر مجھے لکھدیتے
تو میں نجمی اور چچا ابا کو اطلاع دے دیتا" پروفیسر نے کہا "بیٹا یہ بات ضرور ہے
کہ میں نے کبھی تمہارے ساتھ محبت اور شفقت کا برتاؤ نہیں کیا اور ہمیشہ
تمہیں اپنے سے دور رکھا۔ لیکن قدرتی طور پر ایک باپ ہونے کی حیثیت سے
تمہارے صدمہ کا خیال کرکے میرا دل پاش پاش ہوتا تھا میں جانتا تھا کہ تمہیں
اپنی بہن سے کسقدر محبت تھی اور اس کی موت کی خبر سے تمہارے دل کی کیا
کیفیت ہوگی، وہاں غیر ملک میں کوئی تمہیں تسلی دینے والا بھی نہیں ہوگا۔ علاوہ
اس کے کہ تمہاری پڑھائی کا ہرج ہوگا۔ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا" فاروق کی
آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے انھوں نے اپنا سر میز پر رکھدیا پروفیسر نے
اٹھ کر بیٹے کو سینے سے لگا لیا انکی آنکھیں بھی آبدیدہ تھیں فاروق بیتاب
ہو کر ہچکیوں سے رونے لگے شاید انکی عمر میں یہ پہلا موقع تھا کہ اپنے باپ
کے سینے سے لگے تھے جو کچھ میل اور غبار بچپن سے باپ کی طرف سے دل میں
تھا وہ آنسوؤں نے دھو دیا اور صاف کر دیا تھا اس وقت فاروق نے محسوس
کیا کہ دنیا میں باپ سے زیادہ کوئی شئے دل کو تقویت دینے والی نہیں ہوتی جب
اچھی طرح فاروق کے دل کا بخار نکل گیا تو پروفیسر نے کہا "بیٹا اب جا کر

منہ دھو ڈالو کھانے کا وقت ہو گیا۔

روزی بڑی دیر سے دروازے کے قریب کھڑی ہوئی باتیں سن رہی تھی اب وہ پردہ ہٹا کر کمرے میں آگئی اور پروفیسر سے کہا ایک بج چکا کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے دو مرتبہ نوکر کو بھیج چکی ہوں آپ کو تو آج کل بھوک نہیں لگتی مگر لڑکے بیچارے کا تو خیال کیا ہوتا: پروفیسر نے کوئی جواب نہیں دیا فاروق کو ساتھ لیکر کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔ کچھ دیر میز پر بالکل سکوت رہا... آخر روزی نے فاروق کی طرف ایک پلیٹ بڑھاتے ہوئے اس سکوت کو توڑا۔ "لو بیٹا یہ چیز تو تم نے لی ہی نہیں۔ خاص ترکیب سے للّی نے پکائی ہے۔ اس کو ہر قسم کا جاپانی کھانا پکانا آتا ہے" فاروق نے شکریہ سے پلیٹ لیتے ہوئے کہا: "آپ تکلیف نہ کیجئے میں خود لے لوں گا" روزی نے کہا: "میں دیکھ رہی ہوں کہ تم کچھ بھی نہیں کھا رہے ہو صبح ناشتہ پر بھی صرف ایک چا، کا کپ اور مشکل سے آدھا توسٹ تم نے لیا تھا۔ کیا یہ کھانا تمہیں پسند نہیں آیا میں نے تو اسی خیال سے ہندوستانی اور انگریزی دونوں قسم کا کھانا پکوایا ہے۔ تمہیں تو انگریزی کھانا کھانے کی عادت ہو گی" فاروق نے کہا: "میرے لئے کوئی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں ہے میں ہر قسم کا کھا لیتا ہوں زیادہ تر ہندوستانی ہی کھانا پسند کرتا ہوں اور اگر گھر میں جاپانی کھانا کھایا جاتا ہے تو وہ بھی میں خوشی سے کھا سکتا ہوں" روزی نے قہقہہ لگا کر کہا: "جاپانی کھانا بھی کوئی کھانے میں کھانا ہے جھینگا۔ مچھلی مینڈک" فاروق نے مسکرا کر کہا: "آپ نے مجھے نہیں کھلا دیا" روزی نے ایک اور قہقہہ لگایا: "واہ بیٹا واہ میرے یہاں مینڈک کیوں پکنے لگے میں تو وہاں کے لوگوں کا ذکر کر رہی ہوں ایسے کیڑے مکوڑے کھا لیتے ہیں ہم لوگ تو یہی اپنی ترکیب کا کھانا کھاتے تھے ولایت میں ہندوستانی

کھانا کون پکاتا تھا"

فاروق نے جواب دیا: "جب میرا دل چاہتا تھا خود ہی پکا لیا کرتا تھا روزی نے تعجب سے پوچھا "تمہیں کھانا پکانا بھی آتا ہے؟" فاروق نے کہا "جی ہاں ضرور... انسان کو سب کچھ سکھا دیتی ہے میں ہر کام کر سکتا ہوں" روزی نے کہا: "یہ تو بہت اچھی بات ہے ایسا آدمی کسی کا محتاج نہیں رہتا ہر لڑکے کو ایسا ہی ہونا چاہیئے"

پروفیسر بالکل خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔ جب سے انھوں نے اپنی بیوی کو خواب میں دیکھا تھا انکی حالت میں انقلاب پیدا ہو گیا تھا۔ روزی سے بہت کم بات چیت کرتے تھے اب وہ عبادت بھی کرنے لگے تھے انھوں نے اپنا مطالعہ بھی کم کر دیا تھا کئی مہینے اسی حالت میں گذر گئے تھے مگر روزی کے اوپر اس کا مطلق اثر نہیں تھا وہ اپنی عادت کے مطابق اسی طرح ہشاش بشاش اور خوش و خرم تھی...... فاروق کھانا کھا کر جانے لگے تو روزی نے پروفیسر سے کہا "میرا ارادہ ہے فاروق کے آنے کی خوشی میں سب دوستوں کو بڑے پیمانہ پر ایک ڈنر دوں" پروفیسر نے دھیمی آواز میں کہا: "دیکھا جائے گا" روزی نے زوردار آواز میں کہا: "دیکھا کیا جائیگا میں کل ہی اس کا انتظام کرتی ہوں" پروفیسر نے پھر اسی طرح سے آہستہ سے کہا "ابھی کوئی جلدی نہیں ہے" روزی نے طنزاً کہا "آپ کو لڑکے کے آنے کی خوشی نہیں ہوئی آج اگر اسکی ماں زندہ ہوتی تو نہ معلوم کیا کچھ کرتی"

فاروق نے مسکرا کر روزی کی طرف دیکھا اور جلدی جلدی قدم بڑھا کر باہر چلے گئے پروفیسر جانے لگے۔ روزی نے انکو روکا "آپ ذرا ٹھہریئے مجھے کچھ مشورہ کرنا ہے" پروفیسر نے کھڑے کھڑے پوچھا "کیا کام ہے؟" روزی نے

رازداری کے لہجے میں کہا: "میں کہتی ہوں لڑکا اپنے دل میں کیا خیال کریگا آپ
تو خیر اسکے باپ ہیں مگر سارا الزام میرے اوپر آئیگا دیکھنے والے کیا کہیں گے
علاوہ اس کے ہم تو جاپان سے واپسی پر بیسیوں جگہ دعوتیں کھا چکے ہیں۔ اب ایک
بڑی دعوت ہماری طرف سے بھی سب دوستوں کو ہونا چاہیئے یہ موقعہ اچھا ہے"
پروفیسر نے غصہ سے کہا: "یہ موقعہ اچھا ہے؟ تم نہیں دیکھ رہی جب سے وہ آیا ہے
اپنی بہن کی وجہ سے کسقدر غمگین ہے، صبح سے برابر رو رہا ہے تمہیں دعوت اور
پارٹی کا شوق ہے۔ اسوقت کچھ نہیں ہوگا" روزی نے کہا: "مجھے کچھ شوق نہیں
ہے میں لڑکے ہی کا دل بہلانے کیلئے کہہ رہی ہوں چوبیس گھنٹے گھر میں رونے
دھونے سے کیا فائدہ آپ کو سمجھانا چاہیئے بارہ تیرہ برس کا عرصہ گذر چکا ایک
بھولی ہوئی بات کو پھر تازہ کرنے سے کیا فائدہ۔" پروفیسر نے ٹھنڈی سانس
لیکر کہا: "تمہارے نزدیک بھولی ہوئی بات ہے اس کے لئے تو تازہ غم ہے"
روزی نے کہا: "یہ آپکی غلطی ہے۔ آپکو چاہیئے تھا کہ لڑکی کے مرنے کی خبر اس کے
بھائی کو کر دیتے" پروفیسر نے کہا: "ہاں ہاں تمام غلطیاں میری ہی ہیں کسی دوسرے پر اسکا الزام نہیں رکھتا"
روزی نے آنکھیں چلا کر کہا: "ابھی کیا ہے آپکے امتحان کا ایک اور موقعہ
آنیوالا ہے ذرا عقل اور احتیاط سے کام لیجئے گا" پروفیسر نے تیوری چڑھا کر
کہا: "تمہارا اس سے کیا مطلب ہے" روزی نے کہا: "میرا مطلب یہ ہے کہ
بغیر سوچے سمجھے کہیں لڑکے کی شادی نہیں کر دیجئے گا" پروفیسر نے کہا: "مجھے
سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے جہاں اسکی بچپن سے ٹھہری ہوئی ہے وہیں ہو جائے
گی تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے" روزی نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا: "میری
فکر سے تو لڑکے کی زندگی سنور جائیگی۔ ورنہ وہی انجام ہوگا جو آپ کا ہوا تھا بڑے
افسوس کی بات ہے ایک تعلیم یافتہ اور آزاد خیال لڑکے کی زندگی برباد کر دیجائے

اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ جہاں ماں باپ کا دل چاہا آنکھ میچ کے شادی کر دی
فاروق کو ایسی بیوی کی ضرورت ہے جو ہر سیر و تفریح میں اس کے ساتھ برابر
کی شریک رہے آپ کے خاندان کی لڑکیاں ابھی زمانہ کی رفتار سے بہت پیچھے ہیں
شوہر کو خوش رکھنے کا گر انہیں نہیں سکھایا جاتا۔ البتہ ساس سسر کی خدمت
اچھی کر لیتی ہیں جس طرح آپ کی بیوی نے ساس کی خدمت کر کے اپنا گھر برباد کیا
اسی طرح آپ کی بھتیجی آپ کی خدمت خوب کریں گی،، پروفیسر نے کہا: "بس خاموش
رہو میں آگے ایک لفظ سننا نہیں چاہتا" روزی نے کہا: "میرا کوئی نقصان نہیں ہے
مجھے تو ایک بے زبان اور بے بس لڑکے کی حالت پر افسوس آتا ہے،،

پروفیسر کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا وہ کرسی سے کھڑے ہو گئے اور یہ
کہتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے "میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہرگز ہرگز ایسا
نہیں ہو سکتا،، فاروق باہر باغ میں ٹہل رہے تھے پروفیسر انکو ساتھ لیکر کمرے
میں گئے۔ پہلے تو مختلف موضوع پر باتیں ہوتی رہیں پھر فاروق نے پوچھا: "مجھے
اس وقت تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ رعنا کس طرح ڈوب گئی،، پروفیسر نے کہا: "ایک دن
شام کے وقت رام پیاری آیا لڑکی کو سمندر کی سیر کرانے لے گئی تھی بچی کشتی میں سے گر پڑی،،

فاروق تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے پھر انھوں نے اپنے باپ سے پوچھا "آپ نے
بچی اماں سے کیا کہا تھا؟ پروفیسر نے کہا: "روزی نے مجھے نئی نئی چالیں بتائی
تھیں مگر میرا ضمیر مجھے لعنت کرتا تھا میں عجیب کشمکش و پیچ میں تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں
آتا تھا کیا کہوں، آخر میں نے یہ بہانہ کر دیا کہ لڑکی کو امریکہ بھیج دیا ہے،،
اسی وجہ سے تمہیں تار دیکر بلایا خود تمہیں لینے بمبئی گیا تاکہ یہاں سے تمام واقعات
سن کر پھر وہاں جاؤں ...... اب تمہیں اختیار ہے جس طرح چاہو اس
واقعہ کی اطلاع ان لوگوں کو کر دو میں تو اب کسی کو اپنی شکل دکھانے کے قابل۔

رہا نہیں پہلے بارہ برس تک ان لوگوں کو دھوکہ میں رکھا اب یہ جھوٹ بولا کہ لڑکی کو امریکہ بھیج دیا ہے اصل بات یہ ہے کہ میں سوچ کر گیا کہ بھائی جان سے کہہ دونگا مگر وہاں پہونچ کر میری زبان بالکل بند ہو گئی ایک لفظ نہیں کہہ سکا میں نے غلطی کی مجھے وہاں جانا نہیں چاہیئے تھا خیر اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو گیا مگر میں یہ چاہتا ہوں تم اس واقعہ کی اطلاع اس طرح ان لوگوں سے کرو کہ یہ نہ معلوم ہو کہ بارہ برس ہوگئے، اس کے متعلق آپ کچھ فکر نہ کیجئے میں کسی ترکیب سے کہہ دونگا" لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ماما نے آپکو کونسی تدبیر بتائی تھی؟ پروفیسر نے تیوری چڑھا کر کہا: "نہایت لغو بات تھی اس کا خیال کر کے میرے جسم میں آگ سی لگ جاتی ہے۔ اب تو میں ان دونوں ماں بیٹیوں کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا، فاروق نے کچھ سوچ کر کہا: "کیا لڑکے کے متعلق کچھ مشورہ دیا تھا؟ پروفیسر نے کہا: "ہاں" فاروق نے پوچھا کیا کہا تھا؟ پروفیسر نے کہا "جاپان سے واپسی پر اس نے مجھ سے کہا کہ آپ امریکہ چلے جائیے اور میں ہندوستان جا کر للی کی شادی نجمی سے کر دوں گی" فاروق نے پوچھا: "یہ کیسے ہو سکتا تھا نجمی کا نکاح تو ہو گیا تھا" پروفیسر نے کہا: "تم نہیں جانتے وہ بہت چالاک عورت ہے بس اب اس ذکر کو جانے دو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ میں تو اب اس فکر میں ہوں کہ میری اس غلطی کا تمہاری آئندہ زندگی پہ کچھ اثر نہ پڑے میں تمہیں پورا اختیار دیتا ہوں جس طرح چاہو روزی کو یہاں سے نکال دو وجود و عدم میرا برابر سمجھو میرا ارادہ ہے ہندوستان سے ہجرت کر کے کہیں چلا جاؤں میں اب کسی کو شکل دکھانے کے لائق نہیں رہا.... صرف میری ایک خواہش ہے اگر تم پسند کرو تو اپنی شادی اپنے چچا کی لڑکی زرینہ سے کرنا آگے تمہیں اختیار ہے" فاروق نے اپنے باپ کی بات کا کچھ جواب نہیں دیا تھوڑی دیر تک بالکل خاموش

بیٹھے رہے گزشتہ واقعات انکی آنکھوں کے سامنے آگئے وہ اپنے باپ کی تمام لیت، میں زمین و آسمان کا فرق محسوس کر رہے تھے ....

رفیق الزماں نے بیٹے کو خاموش دیکھ کر پھر کہا "میں شادی کے معاملہ میں تمہیں مجبور نہیں کرتا ہوں اور مجھے اس کا کوئی حق بھی نہیں ہے تم بالکل آزاد ہو صرف یہ خیال ہے کہ کہیں میری طرح تم سے بھی کوئی لغزش نہ ہو جائے علاوہ اسکے تمہاری نسبت بھی تمہاری والدہ نے بچپن ہی میں زرینہ سے ٹھہرادی تھی شاید تمہیں بھی اس کا علم ہو" فاروق نے کہا "خدا نہ کرے کہ امی جان کے انتخاب اور آپ کی مرضی کے خلاف میں کوئی قدم اٹھاؤں آپ کی تجویز مجھے خوشی سے منظور ہے لیکن میں اپنی زندگی میں یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ خدانخواستہ آپ گھر چھوڑ کر کہیں چلے جائیں اور میں گھر کا مالک مختار بن کر بیٹھوں نہ میری یہ خواہش ہے کہ ماما کو گھر سے نکال دیا جائے وہ اب کہاں جائیں گی" رفیق نے کہا "ان کے بہت ٹھکانے ہیں وہ اپنے بھائی کے ہاں جا سکتی ہیں یا اپنی لڑکی کی شادی کر کے اسکے ساتھ رہ سکتی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ للی اب یہاں رہے وہ نہایت آزاد لڑکی ہے کئی سال سے میں اس کا رنگ دیکھ رہا ہوں.. حالانکہ میں پردے کے خلاف ہوں اور عورتوں کی آزادی کو پسند کرتا ہوں لیکن بیحیائی اور آوارگی سے مجھے نفرت ہے ......"

فاروق سمجھ گئے کہ در پردہ انھیں سنایا جا رہا ہے خاموشی سے سب باتیں سنتے رہے وہ خود ردزی اور للی سے سخت نفرت کرتے تھے ....

رفیق نے پوچھا "تم نے اپنے آنے کی اطلاع بھائی صاحب کو کر دی؟" فاروق نے جواب دیا "جی ہاں تخمی اور چچا ابا کو میں نے تار دیدیا تھا" رفیق نے کہا "اچھا تم جاکر آرام کرو دو چار روز میں بھائی صاحب کے پاس جانا" فاروق

اٹھکر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

چھٹا باب

ایک ہندوستانی وضع کا عالیشان مکان ہے بہت بڑا صحن تین سیڑھیوں
کی اونچائی پر خوب چوڑا چبوترا ہے اس کے پیچھے دالان اور کمرہ ہے ..... اس مکان
میں بجز معمولی چہل پہل اور غل شور مچا ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تقریب ہے دالان
میں ایک طرف ڈومنیاں بھی مع اپنی گھڑی بغچی کے بیٹھی ہیں ان میں ہر عمر کی عورتیں ہیں
کوئی بڑھیا کوئی ادھیڑ کوئی جوان اور کوئی لڑکی اس طرح ان کی صورتیں بھی
ایک دوسری سے بالکل مختلف ہیں معلوم ہوتا ہے سب الگ الگ خاندان کی
ہیں لیکن بات چیت کرتے میں رشتہ لگا کر بولتی ہیں خالہ ممانی نانی وغیرہ سے
زیادہ دور کا رشتہ کسی کا نہیں معلوم ہوتا ان سب ڈومنیوں میں ایک ڈومنی سب سے
آگے بیٹھی ہے صورت بھی اچھی ہے اور نہایت شائستہ معلوم ہوتی ہے۔ سفید
لٹھے کا ازار پاجامہ خوب چست پہنے ہوئے ہے چھینٹ کی گوٹ کا گلابی ڈوپٹہ چنا
ہوا گلے میں پڑا ہے سر کے بالوں کی چوٹی خوب کسی ہوئی گندھی ہے کانوں میں پھولوں
کی بالیاں ہیں گلے میں سونے کی چمپا کلی اور ہاتھوں میں پہنچیاں پہنے ہے ایک ہاتھ
کان پر رکھے مبارکباد گا رہی ہے۔ لیکن کوئی توجہ سے سن رہا ہے نہ اسکی تعریف
کر رہا ہے سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں جب گاتے گاتے تھک جاتی
ہیں۔ تو آپس میں باتیں کرنے لگتی ہیں کبھی مہمان بیویوں کے کپڑوں اور زیور پر رائے
زنی کرتی ہیں کبھی پان چھالیہ نہ ملنے کی شکایت کرتی ہیں ایک کہتی ہے "اے خالہ

رفیق دیکھنا وہ جو آسمانی جارجٹ کا ڈوپٹہ اوڑھے گوری گوری بیوی بیٹھی ہیں یہی تو تحصیلدار صاحب کی بہو ہیں انکا میکہ ہمارے ہی محلہ میں ہے کیسی ہوتی ہوگئی ہیں میں نے تو پہچانا ہی نہیں،، دوسری بولی:" چل اندھی کیا تیری آنکھوں سے کم سوجھائی دیتا ہے یہ تو منیجر صاحب کی بیوی ہیں کہیں پردیس کی رہنے والی ہیں تیرے محلے میں ان کا میکہ کہاں سے آیا میرا تو بڑھاپا آیا میں نے تو انکو کبھی نہیں دیکھا،، تیسری بولی:" اے آپا حسینی ذرا انکے سامنے والی بیوی کو دیکھنا جو کارچوبی ساڑھی باندھے بیٹھی ہیں جی چاہتا ہے انکی صورت دیکھے جاؤں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی فرنگن ہیں زیور ہیں گو ندنی کی طرح لدی ہوئی ہیں کوئی نئی بیاہی معلوم ہوتی ہیں،،
چوتھی بولی:" ہماری بیگم صاحب کی بڑی بہو بھی فرنگن ہیں وہ کہیں دکھائی نہیں دیتیں کیا؟ یوں کی شادی میں بھی نہیں آئیں گی،، ایک نے کہا:" وہ یہاں کیا آئیں بنگلوں کی رہنے والی میز کرسی پر بیٹھتی ہیں چھری کانٹے سے کھانا کھاتی ہیں جب بڑے صاحب ولایت سے آئے تھے تو نئی کوٹھی میں لاکر رکھا تھا بڑی خوبصورت ہیں۔ نیلی آنکھیں سنہری بال ہیں بڈھا والے گھر گئی تھی میرا گانا سن کر بہت خوش ہوئیں جھٹ بٹوہ میں سے دس کا نوٹ نکال کر دیدیا۔ دوسری نے ہنس کر کہا:" کیا کہنے ہیں تیرے گانے کے تان سین تیرے ہی گلے پر صدقے ہو کر مرے تھے موئی بیٹھی خوری اپنی آواز کی تو خبر لے گلا بیٹھا ہوا جیسے کسی نے سیندور کھلا دیا ہو،، پہلی بولی:" تو کیوں جلی مرتی ہے چار دن کی چھوکری آئی ہے میری آواز پر باتیں بنانے دیکھو بوا رفیقن اپنی بیٹی کو منع کر دو نہیں تو میں سات پشت اکھاڑ کر رکھ دونگی،، ایک بیوی نے ڈانٹ کر کہا:" اے تم گانے کیلئے آئی ہو یا بھٹیاروں کی طرح لڑنے کیلئے،،
کمرے میں مہمان بیویاں دو دو چار چار کی پارٹی بنائے بیٹھی ہیں یہاں بھی کسی پر نکتہ چینی کسی پر اعتراض ایک بیوی اپنے برابر والی سے کہنے لگیں:" دیکھنا

بھابی جان ساری محفل میں ایک موٹی صاحب کی بیوی ایسی ہیں جو ادپر کے کانوں میں پتے بالیاں پہنے ہیں ان کے کان کٹتے بھی نہیں بالکل دودھ سے ہوگئے ہیں بڑھاپے میں کسقدر زیور کا شوق ہے" دوسری نے جواب دیا: "یہ اپنے گھر میں بھی ایسی ہی بنی ٹھنی رہتی ہیں پوتا پوتی نواسا نواسی والی ہیں۔ مگر صحت ایسی اچھی ہے کہ دیکھ کر رشک آتا ہے اب تک مال حقیقدر رہی ہوئی ہیں۔ ماشاءاللہ سہاگن ہیں میاں کی چہیتی بہت ہیں جہاں کہیں انکو دیکھو میاں کی چاہت کی بات سنو" دوسری طرف والی بیویوں میں سے ایک نے کہا: "صفیہ ذرا بلقیس کے بندے دیکھو کس قدر خوبصورت ہیں مگر یہ ایسی کنجوس ہیں کہ کسی کو نمونے کے لئے نہیں دیتیں میں نے کئی مرتبہ بے حیا بن کر منگوائے مگر انھوں نے انکار کر دیا" صفیہ نے کہا "شادی ہو کر ای کا دماغ عرش بریں پر پہونچ گیا ہے اب تو ماتھے پر چار انگلیاں سلام کی بھی نہیں رکھتیں" ایک بیوی اپنی ساتھ والی سے بولیں: "سلمہ بہن جج صاحب کی بیوی کا فیشن تو دیکھو کس قدر جوڑ توڑ سے کپڑے پہنتا ہیں میں نے انکو کبھی ایک ساری دوسری جگہ باندھے نہیں دیکھی ہمیشہ نئی ہوتی ہے" صفیہ نے جواب دیا: "کتنا بھی فیشن کریں انکی صورت پر خاک بھی زیب نہیں دیتا اگر کوئی خوبصورت بیوی یہ کپڑے پہنیں تو اڑ جائیں"

بڑی بوڑھیوں میں اور ہی قسم کی باتیں ہو رہی ہیں، ایک بیوی بولیں:

"اے بی مشرف جہاں مبارک ہو سنا ہے تمہاری بہو بیٹے سے ہیں بارہ برس کے بعد اللہ نے یہ دن دکھایا" مشرف جہاں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "آپا جان میری ایسی قسمت کہاں وہ پیٹ تھوڑی تھا کوئی بیماری تھی اگر کسی ڈاکٹرنی اور دائی کی سمجھ میں نہیں آیا سب نے یہی کہا کہ بچہ ہے جب نو مہینے پورے ہوگئے

تو ایک دن پیٹ کے اندر سے پٹاخہ کی آواز آئی بس قصہ ختم ہوا، پہلی بیوی نے
کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا: "اللہ کی پناہ ہیں چودھویں صدی میں نئی نئی باتیں سننے
میں آتی ہیں" ایک بیوی بولیں: "اے بوا آج کل یہی ہوا چلی ہے میری بھاوج
کے پیٹ میں بھی پھونک بھر گئی تھی" دوسری نے کہا: "اس زمانے میں جیسے نئے نئے
علاج نکلے ہیں۔ ویسی ہی انوکھی بیماریاں پیدا ہو گئی ہیں پہلے کبھی جانتے بھی نہیں
تھے کہ دل کی حرکت بند ہونا کسے کہتے ہیں اور اب تو جس کو سنو ہوا ہارٹ فیل
ہوتا ہے کل ہی میری ہمسائی کا نوجوان لڑکا رات کو بھلا چنگا سویا صبح کو بستر پر مردہ
پایا" ایک بیوی بولیں: "اے یہ اشفاق حسین کے لڑکے کا ذکر ہے نا لوگ کہتے ہیں
اسکو تو زہر دیا گیا جس لڑکی سے اس کی نسبت ہو رہی اسکی پہلے کہیں اور ہو رہی
تھی۔ بوا کان گناہ گار ہیں سنا ہے انھیں لوگوں نے سنکھیا دیدی" ایک بیوی بولیں
"توبہ ہے شادی بیاہ کے گھر ہیں نگوڑے یہی دکھڑے رونے کو رہ گئے ہیں سنتے
سنتے کان پک گئے کسی کی پھونک نکل گئی کسی کے پٹاخا چھوٹ گیا کسی کو سنکھیا دیدی
گئی اور کوئی باتیں کرنے کو نہیں ہیں دولہا کی اماں سنیں گی تو کیا کہیں گی" پہلی
بیوی نے بگڑ کر کہا: "اوئی بوا شادی بیاہ میں کوئی اپنی زبان بند کر کے بیٹھے"

دروازے پر لوگ گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے ہیں کوئی کہتا ہے "دولھا
کا جوڑا جلدی باہر بھجوا دو" کوئی کہتا ہے: "آدھ گھنٹے سے پان منگوائے جا
رہے ہیں یہاں کوئی سنتا ہی نہیں" ایک صاحب نے دروازے میں گردن ڈالکر
کہا: "کلکٹر صاحب کے ہاں سے سواریاں آئی ہیں دس منٹ سے موٹر کھڑی ہے
ڈرائیور غل مچا رہا ہے" مہمان بیویوں سے ایک بڑی بی نے اپنے دوپٹے کا پردہ کرتے
ہوئے بگڑ کر کہا: "اے لوگوں! یہ کیسا اندھیر ہے داڑھی والے مردوے آدھا
آدھا دھڑ دروازے میں سے نکالے دیتے ہیں کسی کے پردے کا خیال بھی نہیں ایسی

بد انتظامی ہم نے کہیں بھی نہیں دیکھی گھر والی بیوی کہاں ہیں؟ دو چار لڑکیوں نے بڑی بی پر قہقہہ لگایا انھوں نے غصہ سے کہا "تم لوگوں کے دیدہ کا تو پانی ڈھل گیا ہے غیر مردوں کو اپنا بناؤ سنگھار دکھا رہی ہو نابابا ہم نے یہ باتیں کاہے کو دیکھی تھیں اوسان خطا ہوئے جاتے ہیں"

کلکٹر صاحب کا نام سنکر دو چار عورتیں دروازے کی طرف دوڑیں اور بیگم صاحبہ کو موٹر سے اتروا کر لائیں یہ آنیوالی بیوی آسمانی جارجٹ کی ساڑی بنارسی بارڈر کی باندھے تھیں زیور بھی اسی کے مطابق اکہرا اکہرا پہنے تھیں لیکن ان کی صورت پہ قدرتی مسکراہٹ اور شوخی ایسی تھی کہ سب بیویاں ٹکٹکی باندھ کر ان کی طرف دیکھنے لگیں انھوں نے اپنی چمکدار اور ہنستی ہوئی ہوئی آنکھوں سے تمام مجمع پر ایک سرسری نظر ڈال کر ایک عورت سے پوچھا "ظفر صاحب کی والدہ کہاں ہیں؟" اس نے جواب دیا: "آپ بیٹھیے، وہ کوٹھے پر ہیں میں ابھی بلاتی ہوں"

ظفر کی والدہ نے آتے ہی کلکٹر صاحب کی بیگم صاحبہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا: "بیٹی سلطانہ بیگم آج تو تم نے آنے میں بہت دیر کی میں نے تو تمہیں سویرے سے بلایا تھا اب تو شام ہو گئی اپنے بھائی اظہر کو دولہا بنتے ہوئے نہیں دیکھو گی" سلطانہ نے جواب دیا: "کیا کہوں چچی جان میں خود آپ سے بہت شرمندہ ہوں مجبور ہو گئی تھی چھوٹے بچے "اختر" کو رات سے بخار ہو گیا تھا اس کی آیا چھٹی گئی ہوئی ہے۔ خدا خدا کر کے تیسرے پہر اس کا بخار کم ہوا تو تجھی آ گئے تھوڑی دیر ان سے بات چیت رہی" ظفر کی والدہ نے خوش ہو کر کہا: "نجم الزماں آ گئے ظفر کو تو ان کا بہت انتظار تھا" سلطانہ نے کہا: "جی ہاں کوئی ایک گھنٹہ ہوا ان کو آئے میرے ساتھ ہی یہاں موٹر پہ آئے ہیں"

چلنے میں اطہر احمد کو دولھا بنتے ہوئے ضرور دیکھونگی اسی لئے بار بار آئی ہوں کہ کہیں بارات نہ روانہ ہو جائے"۔ ظفر کی والدہ نے کہا "چلو کوٹھے پر سے مردانہ مکان دکھائی دیتا ہے سب لڑکیاں وہیں سے دیکھ رہی ہیں"۔

سلطانہ ظفر کی والدہ کے ساتھ کوٹھے پر آئیں ...... یہاں ایک بڑا سا کمرہ تھا اس کے تین دروازے مردانے مکان کی طرف کھلتے تھے۔ ان پر چلمنیں پڑی ہوئی تھیں بہت سی لڑکیاں دولھا کو دیکھ رہی تھیں کمرے میں سفید چاندنی کا فرش تھا بیچ میں قالین بچھا ہوا تھا اس پر گاؤ تکیہ سے لگی ہوئی ایک معمر بیوی ہاتھ میں تسبیح لئے بیٹھی تھیں، ان کا لباس لکھنؤ کی قدیم بیگمات کا ہلکے سے فالسائی رنگ کا بڑے پائنچوں کا ریشمی پاجامہ سفید تنزیب کی قمیض باریک ململ کا سفید کامدانی کا چنا ہوا دوپٹہ زیور بھی اپنی عمر کے مطابق سادہ پہنے تھیں۔ ہاتھوں میں ٹھوس کڑے گلے میں سونے کا پنچ لڑا۔ انگلیوں میں ہیرے کی انگوٹھیاں ان کے قریب چاندی کا اگالدان رکھا تھا چاندی کے خاصدان میں پانوں کی گلوریاں، زنجیر دار گچھے میں لگی رکھی تھیں۔ ایک طرف چاندی کا پاندان کھولے ایک عورت پان بنا رہی تھی۔

ظفر کی والدہ سلطانہ کو ساتھ لئے ہوئے کوٹھے پر پہنچیں اور چپکے سے ان بیوی کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہی میری بہن ہیں جن کی لڑکی سے میں ظفر کی شادی کرنا چاہتی تھی"۔ سلطانہ نے انکو سلام کیا اور چلمن کے قریب جا کر کھڑی ہو گئیں۔ ظفر کی بہن قدسیہ نے کہا "سلطانہ آپا میں آپ سے نہیں بولتی بھلا یہ بھی کوئی آنیکا وقت تھا کل میں نے آپ سے چلتے چلتے کہہ دیا تھا کہ سویرے سے آئیے گا۔ مگر آپ کی راہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں پتھرا گئیں کوٹھی آپ کی اتنی دور ہے کہ جلد کوئی آدمی جا بھی نہیں سکتا۔

میں نے کئی مرتبہ ظفر بھائی سے کہلوایا مگر آج ایسا طوفان بے تمیزی مچا ہوا ہے کہ
نقار خانہ میں طوطی کی آواز نہیں جاتی۔" سلطانہ نے ہنس کر کہا: "طوطی ہزار داستان
ذرا میرا بھی عذر سن لو پھر شکایت کرنا۔" قدسیہ نے کہا: "میں آپ سے خفا ہوں
کوئی بہانہ نہیں سنتی۔" سلطانہ نے کہا: "بہن معاف کرو، میں تو صبح ہی آجاتی
مگر رات سے مجھ کو ایسا تیز بخار تھا کہ اوسان جاتے رہے دوپہر کو اس کا
بخار کم ہوا تو نجمی آگئے انھوں نے کہا: اب میرے ساتھ ہی چلنا۔ ان کی
باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وقت کا پتہ ہی نہیں چلا۔" قدسیہ نے خوش ہو کر کہا۔
"سچ کہیے کیا نجمی بھائی بھی آپ کے ساتھ یہاں آئے ہیں؟ میں ضرور دیکھوں گی۔"
میں نے ان کی بڑی تعریف سنی ہے ذرا دکھائیے تو کون سے ہیں؟" سلطانہ
نے کہا: "دیکھو دولہا کے کندھے پر ہاتھ رکھے پھولوں کے ہار اپنے سر پر لپیٹے کھڑے
ہیں۔" قدسیہ نے کہا "واقعی جیسی تعریف سنی تھی اس سے بھی زیادہ شاندار ہیں
خدا نظر بد سے بچائے۔ بڑے ہنس مکھ معلوم ہوتے ہیں۔" ایک لڑکی نے کہا: "بیچاری
قدسیہ کا میاں کانٹرا ہے نا جب ہی ایک ایک کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی
ہے۔" قدسیہ نے کہا: "چپ بیہودہ وہ میرے بھائی ہیں تیری ہی نیت خراب
ہوگی۔" سلطانہ نے کہا: "ہاں قدسیہ تم اپنے میاں کو تو دکھاؤ کون سے ہیں؟"
وہی لڑکی بولی: "اتنے آدمیوں میں جس کی ایک آنکھ ہوگی وہی قدسیہ کا میاں
ہوگا۔" قدسیہ نے جل کر کہا: "میرے میاں کی تو دونوں آنکھیں کٹورا سی ہیں
شکیلہ بھی خدا کرے اندھے کو بیاہی جائے۔" سلطانہ نے کہا: "دکھاؤ تو سہی
وہ کون سے کٹورا سی آنکھوں والے ہیں۔" قدسیہ نے کہا: "وہ دیکھیے مہمانوں
کو سگریٹ پیش کر رہے ہیں اور آپ کے انور زماں صاحب کون سے
ہیں؟" سلطانہ نے کہا: "نجمی کے دائیں ہاتھ کی طرف چشمہ لگائے بیٹھے ہیں۔"

قدسیہ نے کہا: کلکٹر ہیں نا ماشاء اللہ خوب رعب دار ہیں آپکے ہاں تو سب ہی اچھے ہیں مگر نجمی بھائی کی کچھ شان ہی اور ہے، آئی۔ سی۔ ایس ہو کر بھی ہندوستانی کپڑے پہنتے ہیں جامہ وار کی شیروانی کیسی زیب دے رہی ہے" سب لڑکیوں نے زور سے قہقہہ لگایا قدسیہ نے کہا: "اری بے حیاؤں چپ رہو خالہ اماں خفا ہونگی۔" شکیلہ نے کہا: "ندیدی اپنی خبر نہیں لیتی جامہ وار شیروانی پر مٹی جا رہی ہے" قدسیہ نے کہا: "بدتمیز اپنی خبر نہیں لیتی دیدے ادھر ہی گڑے ہوئے ہیں" شکیلا نے چپکے سے قدسیہ کے کان میں کہا: "میرے دیدے تو نہیں گڑے ہیں اپنی خالہ کی بیٹی کو دیکھو، ہم لڑکیوں سے تو بات تک نہیں کرتی مگر نجمی صاحب کو کیسی آنکھ پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہے تمہیں میری قسم ذرا دیکھو تو چہرہ کا رنگ کیسا فق ہو گیا ہے معلوم ہوتا ہے بے چاری کا دل آگیا" قدسیہ نے کہا: "ارے وہ سن لے گی تو کیا کہے گی اپنی زبان بند کرو" سلطانہ نے پوچھا: "یہ سبز مخمل کی کارچوبی شیروانی پہنے کون بڈھے بیٹھے ہیں؟" قدسیہ نے جواب دیا "یہ ہماری خالہ کے دیور نواب بنّن صاحب ہیں" شکیلا بولی: "اے ہے اس بغیر دم کے لنگور کو تو دیکھا ہی نہیں تھا منہ تو دیکھو کیسا جلدی جلدی چلا رہا ہے آنکھیں ادھر چلمن ہی کی طرف لگی ہوئی ہیں موا بدمعاش کہو تو رومال کی گیند بنا کر اس کی ناک پر مار دوں خدا کرے دیدے ہی پھوٹیں گھڑی گھڑی اوپر ہی نگاہ اٹھتی ہے" قدسیہ نے کہا: "چلئے سلطانہ آپا یہ لڑکیاں بڑی بدتمیز ہیں چلمن ہلائے جاتی ہیں خواہ مخواہ لوگوں کی نگاہیں اٹھتی ہیں" سلطانہ ظفر کی والدہ کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔ قدسیہ بھی یہیں آگئی ظفر کی والدہ نے اپنی بہن سے کہا: "دیکھئے آپا جان یہ سلطانہ بیگم انور زماں خاں صاحب کلکٹر کی بیوی ہیں ان کے والد اور ظفر کے ابا میں بڑی گہری دوستی تھی دونوں نے ایک ہی

کالج میں پڑھاتا تھا۔ اب خدا رکھے ظفر اور ان کے بھائی نجم الزماں میں بہت محبت ہے اپنے سگے بھائیوں سے زیادہ نجم الزماں کو چاہتا ہے اور یہی حال نجم الزماں کا ہے دونوں ایک ہی ضلع میں ہیں نجم الزماں جوائنٹ مجسٹریٹ ہیں وہیں ظفر نے بیرسٹری شروع کی ہے خدا رکھے نجم الزماں آئی۔سی۔ایس۔ ہیں مگر آپا جان میں آپ سے کیا تعریف کروں کیسا خوش مزاج اور نیک بخت لڑکا ہے میں تو اس سے پردہ نہیں کرتی باتیں کیا کرتا ہے منہ سے پھول جھڑتے ہیں ظفر کی خالہ کی لڑکی بھی اب یہاں آکر بیٹھ گئی ہلکے دھانی رنگ کی ساری باندھے تھی کانوں میں چھوٹے چھوٹے ہیرے کے بندے تھے۔ جو اس کی صورت پر لاکھ لاکھ بناؤ دے رہے تھے سلطانہ نے اس کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور اسکی تعلیم وغیرہ کے متعلق پوچھنے لگیں یہ لڑکی نہایت خاموش اور شرمیلی معلوم ہوتی تھی، ظفر کی خالہ اماں نے کہا "میں ان کو کہیں آنے جانے نہیں دیتی اسوجہ سے یہ غیر آدمیوں میں شرماتی ہیں ہمارے ہاں ابھی پرانے دستور باقی ہیں کنواری لڑکیاں کہیں غیر جگہ نہیں جاتیں تعلیم بھی میں نے انکو گھر ہی پر دلوادی ہے اردو انگریزی سب کچھ پڑھوایا ہے،، سلطانہ نے کہا "اگر میں آپکو بلاؤں تو آپ میرے ہاں بھی لڑکی لیکر نہیں آئیں گی" ظفر کی خالہ نے مسکرا کر کہا "اب ایسی قید بھی نہیں ہے میرے ساتھ ہر جگہ جاسکتی ہیں مگر یہ خود ہی کہیں آنا جانا پسند نہیں کرتیں بس یہ تو کتاب کا کیڑا ہیں ہر وقت کتاب پڑھا کرتی ہیں،، سلطانہ نے لڑکی کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "کیا تم میرے ہاں بھی آنا پسند نہ کروگی؟" لڑکی سلطانہ کی طرف دیکھ کر خاموش ہوگئی گویا کچھ بولنا چاہتی ہے مگر نہیں بول سکتی سلطانہ کو تعجب ہوا کہ اس زمانہ میں بھی ایسی لڑکیاں موجود ہیں جو بات کا جواب دینے میں شرماتی ہوں انھوں نے پھر پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟" لڑکی نے کہا "زلیخا،، سلطانہ کو اس لڑکی سے ہمدردی سی پیدا ہوگئی انھوں نے خیال کیا کہ ظفر کی خالہ ضرور

اس کے ساتھ سختی کرتی ہیں اور بہت دبا ئیں رکھتی ہیں وہ چاہتی تھیں تھوڑی دیر اور یہاں بیٹھیں مگر ظفر کی والدہ اور قدسیہ اب کھڑی ہوگئیں۔ اور سلطانہ کو بھی اپنے ساتھ نیچے لے آئیں۔ قدسیہ نے کہا دیکھا آپنے سلطانہ آپا زلیخا کسی خوبصورت لڑکی ہے ہم لوگوں کو بہت ہی افسوس ہے ظفر بھائی کسی کا کہنا نہیں مانتے" سلطانہ نے ظفر کی والدہ سے پوچھا "چچی جان کیا ظفر نے صاف جواب دیدیا" ظفر کی والدہ نے کہا "ہاں بیٹی انکی طرف سے قطعی انکار ہے بہتیری کوشش کی مگر وہ راضی ہی نہیں ہوتے اب میں بھی خاموش ہو گئی اصل میں میری بہن کی کوشش تھی وہ اپنی بیماری کا بہانہ کر کے یہاں آگئیں ہیں اور چاہتی تھیں کہ یہیں لڑکی کی شادی کر دیں آپا بیچاری کو یہ مشکل درپیش ہے کہ نواب بنن صاحب اس لڑکی سے شادی کرنی چاہتے ہیں لوگوں سے تعریف سن سن کر بغیر دیکھے لڑکی پر فریفتہ ہو گئے ہیں اب ہماری بہن کو یہ دھمکی دے رہے ہیں کہ ریاست سے جو گذارے کیلئے ملتا ہے وہ بند کر دیں گے۔ اور لڑکی کو زبردستی لیجائیں گے آپا جان بہت پریشان ہیں۔ مگر میرا کیا اختیار ہے میں نے تمہی کے ذریعہ تمہارے میاں کی معرفت ظفر سے کہلوایا مگر انکی عقل پر پردہ پڑ گیا ہے۔ اب شادی میں شرکت کے بہانہ سے بنن صاحب آئے ہیں ابھی آپا سے بات چیت کرنے کا موقع نہیں ملا" سلطانہ نے کہا "مجھے تو اس وقت بہت ہی افسوس ہوا لڑکی کو بھی دیکھا اور نواب صاحب کو بھی۔ آخر بڑھاپے میں انکو کیا سوجھی جو اس بچی کی زندگی برباد کرنے پر آمادہ ہیں یہی وجہ ہے جو وہ لڑکی اسقدر خاموش اور رنجیدہ تھی کیا نواب صاحب کی بیوی نہیں ہیں؟" ظفر کی والدہ نے کہا "دو بیویاں مر چکی ہیں دو زندہ موجود ہیں، ساٹھ برس کی عمر ہے، مگر بیٹی روپیہ میں بڑی طاقت ہے ابھی کوئی دو سال بھی نہیں گذرے جو اٹھارہ یا انیس برس کی لڑکی سے شادی کی ہے

بیچاری غریب آدمی کی لڑکی تھی صورت شکل اچھی ماں باپ مر گئے تھے۔ پانچ سو
روپیہ لیکر اس کے ماموں نے ان کے حوالے کر دیا اب اس سے بھی بیزار ہو گئے اس
لڑکی کے پیچھے پڑے ہیں اور تم دیکھ لینا بنّن صاحب بغیر شادی کئے نہیں مانیں گے
سلطانہ نے کہا: "اے بے چی جان کہیں ایسا غضب نہ ہو آپ کی بہن کو چاہیئے کہ
صاف صاف کہدیں کہ لڑکی کی مرضی نہیں ہے...... کوئی بچہ تو ہے نہیں ماشاء اللہ
جوان لڑکی ہے اس کے اوپر کوئی جبر نہیں کر سکتا"، قدسیہ نے کہا: "میں نے تو
خالہ اماں سے یہی کہا تھا مگر وہ الٹا مجھ پر ناراض ہوئیں کہ توبہ کہنے لگیں، بدتمیز ہوئی
شریفوں میں کہیں لڑکی کا ذکر کرتے ہیں جہاں بزرگوں کا دل چاہا کر دیا ایسی بات
پھر کبھی زبان پر بھی نہ لانا"، سلطانہ نے کہا: "بہن معاف کرنا تمہاری خالہ ابھی
چند روزہ زندگی پر اس کی جوانی قربان کر رہی ہیں"، قدسیہ نے منہ بنا کر کہا۔
"یہ تو آپ کا کہنا ٹھیک ہے وہ خود کہتی ہیں اب بڑھاپے میں کہاں در در کی
ٹھوکریں کھاتی پھروں گی"، سلطانہ نے پوچھا: "کیا تمہاری سگی خالہ نہیں ہیں"
قدسیہ نے کہا: "سگی تو نہیں ہیں۔ اماں کی رشتہ کی بہن ہیں"، سلطانہ نے افسوس
کے لہجہ میں کہا: "اگر مجھے کل ہی جانا نہ ہوتا تو میں بات کرتی وہ لڑکی بہت رنجیدہ ہے۔ قدسیہ نے کہا
کسی سے بات کم ہی کرتی ہے ہر وقت ایک کونے میں بیٹھی کتاب پڑھا کرتی ہے
بڑی مشکل سے خالہ اماں کے کہنے سے وہ ہم لوگوں کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی تھی
اچھی سلطانہ آپا ابھی آپ دو چار روز اور رہ جائیے شادی کے ہنگامے سے فرصت
ہو جائے تو ایک دن میں آپ کے ہاں "زلیخا" کو لیکر آؤنگی وہاں شاید بات چیت
کرنے کا موقعہ ملے یہاں تو ہر وقت خالہ اماں اس کے سر پر سوار رہتی ہیں"،
سلطانہ نے کہا: "کیا کروں مجبوری ہے مجھے کل ہی جانا ہے میں پھر کبھی انہی کے ساتھ

جاؤں گی اماں جان نے بلایا ہے فاروق بھی تو ولایت سے واپس آ گئے ہیں خدا کرے رعنا بھی تندرست ہو کر ان کے ساتھ آ گئی ہو ابا جان کا ارادہ ہے کہ اسی بڑے دن کی تعطیل میں نجمی کی شادی بھی ہو جائے۔" ظفر کی والدہ نے خوش ہو کر کہا۔" نجم الزماں کی دلہن کو تم اپنے ہی ساتھ لے کر آنا۔" سلطانہ نے کہا۔" چچی جان اسقدر خوشی لگی ہوئی ہے کہ رات کو نیند بھی نہیں آتی۔" قدسیہ نے پوچھا۔" کیا زرینہ کی شادی بھی ابھی ہو جائے گی؟" سلطانہ نے جواب دیا۔" زرینہ کی شادی دو ایک مہینہ ٹھہر کر ہوگی۔"

اب خاصی رات ہو چکی تھی بارات جا چکی تھی۔ سمدھنیں سب چلی گئی تھیں سلطانہ بچے کی بیماری کا عذر کر کے اپنے گھر واپس آ گئیں چلتے وقت کوٹھے پر جا کر زلیخا سے، مل تھیں۔

صبح ناشتہ پر نجمی نے سلطانہ سے پوچھا۔" سلطانہ آپا کیا کل شادی میں کسی سے لڑائی ہو گئی تھی؟" سلطانہ نے کہا۔" تم نے کیسے جانا۔" نجمی نے کہا۔" تمہاری صورت سے معلوم ہوتا ہے کسی سے پٹ کر آئی ہو۔" سلطانہ مسکرا کر کہا۔" وہ بھی کسی چوڑے چماروں کی محفل تھی کہ مار پیٹ ہونے لگتی۔" نجمی نے کہا۔" پھر کیا بات ہے؟ شاید عورتوں نے بنایا بہت ہے ابھی یہاں نئی ہو نا سب نے مذاق اڑایا ہوگا۔" سلطانہ نے کہا۔" آخر کیا تمہیں نئی بات میری صورت پر معلوم ہو رہی ہے؟" نجمی نے کہا۔" کچھ عجیب کھسیانی اور بگڑی بگڑی ہو رہی ہو ناشتہ بھی آج نہیں ہوا یا تم تو میری بہت خاطر کیا کرتی تھیں بتاؤ تو کیا بات ہے انور بھائی سے کچھ لڑائی ہو گئی؟" سلطانہ نے کہا۔" توبہ نجمی پیچھے پڑ گئے مجھے تو ظفر کے اوپر غصہ آ رہا ہے۔" نجمی نے تعجب سے کہا۔" ظفر نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کل تو انھیں گھر میں جانے کی فرصت بھی نہیں تھی جو تمہارے ساتھ کچھ بدتمیزی کرتے۔" سلطانہ نے بگڑ کر کہا

میرے ساتھ وہ کیا بدتمیزی کر سکتے ہیں میں نے جب سے اس لڑکی کو دیکھا
ہے ظفر سے نفرت سی ہو گئی ہے میں اسی ادھیڑ بن میں ہوں کہ کیا تدبیر کروں۔" نجمی نے پوچھا
کونسی لڑکی؟ سلطانہ نے کہا: "ظفر کی خالہ کی لڑکی" نجمی نے ایک قہقہہ لگا کر کہا۔
"یک نہ شد دو شد" کل تو تم مسٹر ظفر کی حمایت میں مجھ سے لڑ رہی تھیں آج اس لڑکی
کو دیکھ کر گھل گئیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ عورتوں میں استقلال نہیں ہوتا۔ سلطانہ
نے کہا: "چلو تو مردوں ہی میں استقلال نہیں ہوتا کیا مستقل مزاجی کے یہی معنی
ہیں کہ انگلستان پڑھنے جائیں اور ایک ٹھو ساتھ لگا لائیں" نجمی نے کہا: "ارے بی
یہ بھی تو بچپن ہے کہ اب اس کو چھوڑ دیں پڑھی لکھی ہو کر تم بھی جاہلوں کی سی باتیں
کرتی ہو بڑے افسوس کی بات ہے عورت ہو کر بھی تمہیں اپنی جنس کے ساتھ ہمدردی
نہیں یہاں غیر ملک میں لا کر اس بیچاری کو چھوڑ دیں- اور وہ چھوڑ ہی کیسے
سکتے ہیں جب تک عورت کی طرف سے اس کی خواہش نہ ہو ان کے ہاں قانون
تمہارے قانون کی طرح نہیں ہے کہ جب مرد کا دل چاہا اس نے دو لفظوں میں
زندگی بھر کے رشتہ کو توڑ کر پھینک دیا۔" سلطانہ نے کہا: "یہ کون کہتا ہے کہ چھوڑ دیں
ایک شادی تو اپنی خوشی سے کی ہے ایک اپنی والدہ کی خوشی سے کر لیں۔ نجمی نے کہا
ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں ہو سکتی تم کیسی بیوقوفی کی باتیں کرتی ہو۔"
سلطانہ نے تیز ہو کر کہا: "بیوقوفی کی کیا بات ہے اسلام میں چار شادیاں جائز ہیں"
نجمی نے کہا: "دعویٰ ہو تو نکل دے گی آپ کو کچھ خبر بھی ہے" سلطانہ نے کہا: "سب خبر ہے
دعویٰ کرے گی تو اچھا ہے علیحدگی ہو جائے گی۔" نجمی نے کہا آپ علیحدگی کرنے والی کون
کون ہوتی ہیں؟ مدعی سست اور گواہ چست۔ ظفر کو کسی حالت میں شادی کرنی منظور
نہیں۔ آپ ہیں کہ دعوے کیلئے بھی آمادہ ہیں علیحدگی بھی چاہتی ہیں۔ واہ۔ واہ۔ واہ"
سلطانہ نے کھسیانی ہو کر کہا: "پھر کوئی اور تمہارے دوستوں میں ایسا نہیں جس کے ساتھ

اس لڑکی کی شادی ہو جائے۔" نجمی نے کہا: "کیا وہ لڑکی کہیں بھاگی جا رہی ہے؟"
سلطانہ نے کہا: "خدا نہ کرے بھاگنے کیوں لگی"۔ نجمی نے پوچھا: "پھر ظفر کی خالہ
نے تمہیں ہیرے کی انگوٹھی پہنا دی ہے یا تم اس کی شادی کا بیڑا اٹھا کر
آئی ہو؟" انور زماں نے کہا۔ "آخر تمہیں اس قدر پریشانی کیوں ہے؟" سلطانہ
نے جواب دیا: "کیا کہوں جس وقت سے اس لڑکی کو دیکھا ہے اور اس منحوس
نواب پر نظر پڑی ہے خدا جانتا ہے میرا دل کوئی چٹکیوں سے مسل رہا ہے۔"
نجمی نے کہا: "کون نواب؟" سلطانہ نے کہا "وہی بنن صاحب کمبخت کون ہے
میں نے تو آج ہی ان کا نام سنا ہے۔" نجمی نے کہا: "ہاں۔ ہاں میں جانتا ہوں"
وہ تعلقدار ہیں ان سے کیا تعلق؟" سلطانہ نے کہا: "وہ ظفر کی خالہ کے دیور
ہیں اب اس لڑکی سے شادی کرنی چاہتے ہیں بہت ڈرا دھمکا رہے ہیں
کہتے ہیں۔" اگر خوشی سے شادی نہیں کی تو لڑکی کو زبردستی لیجائیں گے" نجمی
نے کہا: "پھر میرا کیا اختیار ہے، اس لڑکی کی قسمت۔"

سلطانہ نے پیالیوں میں چا، نکالتے ہوئے ٹھنڈا سانس لے کر
کہا: "ایسی بے جوڑ شادی سے تو لڑکیوں کا مر جانا بہتر ہے۔ بیچاری کیسی بھولی
اور معصوم لڑکی ہے۔" نجمی نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا: "بیچاری سلطانہ آپا آج
بہت غمگین ہیں انکی ہیرے کی انگوٹھی ماری جا رہی ہے۔" سلطانہ نے کہا
"نجمی تم مذاق سمجھ رہے ہو سچ مچ بہت رنج ہے"۔ نجمی نے ذرا سنجیدگی
سے کہا: "خالی رنج کرنے سے کیا ہوتا ہے ظفر کی خالہ کو سمجھا دیا ہوتا لڑکی
سے انکار کرا دیں۔ ایسا اندھیر نہیں ہے کہ نواب صاحب جبراً لے جائیں وہ
خالی دھمکی دے رہے ہیں"۔ سلطانہ نے کہا: "ظفر کی خالہ کہتی ہیں کہ نواب صاحب
انکا گذارا بند کر دیں گے"۔ نجمی نے کہا "اچھا تو معلوم ہوا بڑی بی کو لڑکی سے زیادہ

اپنے آرام کا خیال ہے،، ابوز زماں نے ہنس کر کہا: تم نہیں جانتے جس طرح دولتمند کی امیری غریب کا خون چوس کر زندہ رہتی ہے، اسی طرح بڈھے آدمی اپنی ہوس بجھانے کے لیے جوانوں کی بھینٹ لیتے ہیں،

سلطانہ نے کہا: ہاں شادی میں سب لڑکیاں اس کو چھیڑ رہی تھیں بڈھے نواب کی وجہ سے اس بچی کا تماشا بنا لیا تھا وہ غریب آنکھوں میں آنسو بھرے بیٹھی تھی میرا دل کٹ گیا،، نجمی نے کہا: پھر لے آئی ہوتیں اپنے ساتھ ذرا دیکھا جاتا وہ کیسی خوبصورت ہے،، سلطانہ نے کہا: کیا میں پاگل تھی جو پرائی لڑکی کو لے آتی،، نجمی نے کہا: تعریف اس کی بہت سن رہا ہوں ذرا مجھے دکھانے کی کوشش کرو،، سلطانہ نے کہا: میں تمہیں کہاں سے دکھا دوں اس کا تو خیر عورتوں سے بھی پردہ ہے میں کئی مرتبہ ان کے ہاں گئی مگر میں نے اس کو نہیں دیکھا۔ کل کوٹھے پر دولہا کو دیکھنے گئی تو وہاں نظر آئی،،

نجمی نے کہا: ادھر کوٹھے پر جو چلمنیں پڑی ہوئی تھیں وہیں سے تم سب جھانک رہی تھیں کیا وہ لڑکی بھی تھی؟ سلطانہ نے کہا: ہاں ظفر کی خالہ نے زبردستی دولہا کا تماشا دیکھنے بھیجا تھا،، ابوز زماں نے ہنس کر کہا دولہا بھی کوئی منذر یار دیکھنے کو ہوتا ہے،، یہ تماشا کی ایک ہی رہی، نجمی نے کہا میرا تماشا بھی دیکھا ہوگا،، سلطانہ نے کہا: تمہارا تو حلیہ ہی ایسا بنا ہوا تھا کہ سب کی نظر پڑتی تھی،، نجمی نے کہا: یہ تمہارے میاں نے میرے سر پر پھولوں کے ہار لپیٹ دیئے تھے کیا اس لڑکی نے مجھے دیکھا تھا،، سلطانہ نے مسکرا کر کہا: ہاں دیکھا کیوں نہیں تھا مگر خاص طور پر ظفر کی بہن قدسیہ نے تمہیں دیکھا تھا،

نجمی نے کہا: انھیں کیا ضرورت تھی وہ تو شادی شدہ ہیں،، سلطانہ نے کہا: ضرورت کیسی الّم تم کے بھائی کے دوست ہو اپنا بھائی سمجھ کر دیکھ رہی تھیں

نجمی نے کہا: پھر میرے متعلق انکی کیا رائے رہی" سلطانہ نے کہا: "قدسیہ کو تو بہت پسند آئے ایک لڑکی نے ان کا خوب مذاق اڑایا" انور زماں نے کہا یہ خوب مزے کی بات ہے کہ عورتیں پردے کے اندر رہ کر بھی سینکڑوں مردوں کو دیکھتی اور ان کا مذاق اڑاتی ہیں اگر کوئی مرد ایسا کرے تو وہ بدمعاش کہلائے"
نجمی نے کہا: جی ہاں اور ایسی ایسی لڑکیاں جو عورت سے پردہ کرتی ہیں....
سلطانہ: میں آپ کو ایک ترکیب بتاؤں ...... چا، کی پارٹی کر دو اور ان سب لڑکیوں کو بلا دو جنہوں نے مجھے جھانکا تھا میں بھی انکو دیکھنا چاہتا ہوں جو کچھ خرچ ہوگا میں دے دونگا، چلو یہی ہی آج کا جانا ملتوی کرتے ہیں کیوں انور بھائی؟ سلطانہ نے کہا: کیا کہنا ہے تمہارے شوق کا میں تو کبھی نہیں ٹھیرونگی نہ اس لڑکی کو تمہیں دکھاؤں گی " نجمی نے کہا: خیر .... واپسی پر میں آکر دیکھونگا بغیر دیکھے نہیں مانوں گا" سلطانہ نے کہا: اب تمہیں اس بات کا موقعہ ہی نہیں ملے گا۔ واپسی پر خدا نے چاہا تو رعنا تمہارے سامنے ہوگی اس کو دیکھ کر سب کچھ بھول جاؤ گے"

نجمی تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگے ... انور زماں نے کہا: نجمی تم خاموش کیوں ہو گئے، نجمی نے کہا: آپکو رعنا کی صورت یاد ہوگی؟ انور زماں نے کہا: ہاں ہاں خوب اچھی طرح جہاں کہیں دیکھو لمبہ پہچان لوں میرے سامنے پیدا ہوئی یاد ہی چلی باتیں کرنی سیکھیں میں اسکو بھول سکتا ہوں ارے بھئی قریب چار سال چھوٹے ماموں جان نے اپنے پاس رکھا تھا۔ انٹرنس پاس کرکے الہ آباد گیا وہیں سے بی اے پاس کیا" نجمی نے پوچھا: کیا رعنا کی صورت خاور شاہ سے ملتی ہے" انور نے کہا: بہت زیادہ ملتی ہے" سلطانہ نے کہا۔ آنکھیں بھی ویسی ہی ہیں"۔ اب تمہیں کیا گھبراہٹ ہے چند روز میں دیکھ لینا" نجمی نے کہا۔

مجھے تو کوئی گھبراہٹ نہیں لوگوں سے تعریف سنکر اشتیاق پیدا ہو گیا ہے" ورنہ
تم جانتی ہو میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔ الوز نے ہنس کر کہا: اس پارسائی پر
تو یہ حالت ہے کہ پردہ نشین لڑکیوں کو بلوا کر جھانکنا چاہتے ہو اور اگر رنگین مزاج
ہوتے تو غضب ہی ڈھاتے۔ نجمی نے کہا: "الوز بھائی میں سلطانہ آپا کو چھیڑنے
کے لئے کہہ رہا تھا ورنہ میں نے ایک سے ایک حسین اور بے باک لڑکیاں دیکھی ہیں
کبھی کسی کی طرف رخ نہیں کیا وہاں سے بے شک جو چاہتا ہوں کہہ دیتا ہوں لیکن میرے
دل میں عورت کا بڑا احترام ہے .... بڑھیوں کو تو جانے دیجئے! ان کا تو
کچھ ذکر ہی نہیں ..... خدا کی قسم میں ہر جوان عورت کو اپنی سگی بہن کے برابر
سمجھتا ہوں .... جانتے ہیں آپ کیوں؟ اول تو میں بچپن سے شادی شدہ
ہوں اور میرے دل میں اپنی بیوی کی بہت محبت ہے دوسرے میں اپنے آپ کو
حیوان کی نسل سے نہیں سمجھتا بلکہ صحیح معنوں میں حضرت آدم کی اولاد ہوں جنہوں
نے اپنی ایک ہی بیوی پر قناعت کی تھی اس کے علاوہ اور لغویات کا سخت
مخالف ہوں ..... آپ یقین مانئے مسز ظفر سے روزانہ ہی ملاقات
ہوتی ہے اور ان کے ساتھ ٹینس کھیلتا ہوں مگر آج تک مجھے یہ معلوم نہیں کہ
ان کی آنکھیں چھوٹی ہیں یا دانت بڑے ہیں۔ بات اصل یہ ہے کہ میں کبھی کسی
عورت کو غور سے نہیں دیکھتا اسی وجہ سے مجھے کسی کی صورت یاد نہیں رہتی
البتہ ایک صورت ایسی دیکھی ہے جو اکثر میری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے...
کبھی کہنے کو تو یہ بات کہہ گئے مگر ان کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا وہ کچھ پریشان سے
ہو کر الوز اور سلطانہ کو دیکھنے لگے ..... فوراً ہی الوز نے پوچھا: "وہ صورت تم
کس کی ہے؟" نجمی نے بات کو ٹال کر کہا: لاحول ولا قوۃ میں کیا کہہ رہا تھا اور منہ
سے کیا نکل گیا" الوز نے کہا: "میں سلطانہ نہیں ہوں ایسے جھانسے کسی

اور کو دنیا تم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے۔ سچ سچ بتاؤ کس کو دیکھا ہے؟" نجمی نے کہا: "انور بھائی، میں سچ کہتا ہوں کسی کو نہیں دیکھا۔" انور نے کہا: "میں کبھی مان ہی نہیں سکتا تم چھپا رہے ہو۔" سلطانہ نے کہا: "ہے کچھ دال میں کالا ضرور تمہاری صورت سے معلوم ہوتا ہے۔" نجمی نے کہا: "جی ہاں آپ تو بہت عقلمند ہیں پہلے سے نہیں پہچانا؟" انور نے ہنس کر کہا: "پہلے سے کوئی کیا پہچانتا چہرہ تو آپ کا اس وقت فق ہوا ہے آخر معلوم تو ہو کسی مرد کی صورت ہے یا کسی عورت کی۔" نجمی نے کہا: "اب جانے بھی دیجئے، اس ذکر کو اور کوئی بات کیجئے۔" سلطانہ نے کہا: "واہ میں ضرور پوچھوں گی آخر بتاتے کیوں نہیں۔" انور نے کہا: "نہیں بتانا پڑے گا یہ کونسی بات ہے۔" نجمی نے کہا: "انور بھائی بڑی کوفت کی وہ بات ہے بس رہنے دیجئے، میں تو اس خیال کو دل سے نکال چکا ہوں۔ اسوقت بیساختہ زبان سے نکل گیا۔" انور نے کہا: "اچھا تو یہ کہو کوئی خیال قائم ہو گیا تھا۔ یہ بات ٹھیک نہیں ہے اور پھر تم جیسے پارسا لوگوں کیلئے۔" نجمی نے کہا: "نہیں انور بھائی آپ کچھ خیال نہ کیجئے، وہ تو ایک عجیب واقعہ تھا۔" سلطانہ نے کہا: "آخر بتاتے کیوں نہیں دیتے کس کی صورت تھی کیا نام ہے؟" نجمی نے کہا: "کیا میں نے کسی کو دیکھا تھا جو نام معلوم ہو۔" انور نے کہا: "پھر وہ کونسی صورت ہے جو تمہاری آنکھوں کے سامنے اکثر آجاتی ہے۔" نجمی نے کہا: "استغفر اللہ۔ انور بھائی آپ بھی سلطانہ آپا کی طرح پیچھے پڑ گئے ہیں سنئے وہ جو میں نے آپ سے بوڑھے اکیڈنٹ کا ذکر کیا تھا وہیں ایک لڑکی کی تصویر لگی دیکھی تھی۔" انور نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "عجب احمق آدمی ہو۔ تصویر کا کیا ہے کسی ایکٹریس کی ہوگی آج کل کے لڑکوں کو اس کا بہت شوق ہے۔" نجمی نے ذرا دھیمی آواز میں کہا: "جی نہیں وہ ایکٹریس کی تصویر نہیں تھی۔" سلطانہ نے کہا: "کیا تم نے اس لڑکے سے پوچھا تھا؟

نجمی نے کہا: "نہیں بی وہ موقعہ ایسا نہیں تھا.... اچھا اب اس ذکر کو چھوڑو اب اپنا سامان درست کرو ایک گھنٹے کے بعد چلیں گے مگر بہت مختصر سامان ساتھ لینا موٹر میں گنجائش کم ہے تمھارے ساتھ دو بچے ہوں گے ایک آیا ہوگی۔ میں ہوں رحمت اللہ ہے میرا سامان ہے۔" انور نے کہا: "بیٹھے بیٹھے یہ کیا وحشت ہوئی کچھ مفصل بات تو کرو جانا تو ہے ہی شام تک پہنچ جانا۔" نجمی نے کہا: "رات کو فاروق پہونچیں گے۔ میں چاہتا ہوں ان سے پہلے پہنچ جاؤں۔" انور نے کہا: "پانچ چھ بجے تک تم پہونچ جاؤ گے ابھی سے کیا گھبراہٹ ہے"

نجمی کھڑے ہو گئے اور اپنی بہن سے کہا: "دیکھو خبردار اماں سے کچھ ذکر نہ کرنا۔" انور زماں روکتے رہے مگر نجمی باہر چلے گئے........

ساتواں باب

فاروق ایک خوش رو، خوش مزاج اور نہایت سلیم الطبع جوان تھے بچپن میں ماں کے مر جانے کی وجہ سے انکی طبیعت میں سنجیدگی آگئی تھی وہ ہر مشکل اور سختی کا مقابلہ بڑی آسانی کے ساتھ کر سکتے تھے ان کو اپنے اوپر قابو حاصل ہو گیا تھا کم سنی میں باپ کی شفقت اور ماں کی محبت سے محروم ہو گئے تھے.... سات آٹھ برس انھوں نے اپنے چچا کے ہاں رہ کر تعلیم پائی اس کے بعد ڈاکٹری پڑھنے امریکہ چلے گئے کئی سال وہاں رہے.......

بیرسٹر عتیق الزماں اور ان کی بیوی زکیہ بیگم نے اپنے بچوں سے زیادہ فاروق کے ساتھ محبت اور شفقت کا برتاؤ کیا تھا...... بیرسٹر صاحب کے

سب بچے فاروق کے گردیدہ تھے خصوصاً نجمی ہم عمر ہونے کی وجہ سے ایک منٹ کے لیے ان کو نہیں چھوڑتے تھے ....

آج فاروق کو ہندوستان واپس آئے کئی روز گذر گئے۔ لیکن ابھی تک وہ اپنے چچا سے ملنے نہیں آئے۔ بیرسٹر اور ان کے گھر والوں کو سخت تعجب ہے شمس الزماں و نجم الزماں وغیرہ بڑے دن کی چھٹیوں میں خاص کر فاروق سے ملنے کے لیے جلدی کرکے آئے ہیں ....

اس وقت رات کے آٹھ بجے ہوں گے۔ زکیہ بیگم اپنے نشست کے کمرہ میں قالین پر گاؤ تکیہ سے لگی بیٹھی ہیں ان کے پوتا پوتی اور نواسا نواسی قریب کھیل رہے ہیں ...... سلطانہ اور ان کی بڑی بھاوج سلمہ (جو بیرسٹر صاحب کی بھانجی اور انور زماں کی چھوٹی بہن ہیں) یہیں بیٹھی ہیں اس وقت ان سب کے چہروں پر خوشی کی جھلک نظر آرہی ہے ....

زکیہ بیگم نے اپنی بہو سے کہا سلمہ بیٹی ذرا دیکھو تو گھڑی میں کیا بجا ہے۔ اب تو لڑکوں کو اسٹیشن گئے خاصی دیر ہوگئی" سلمہ نے ہنس کر کہا: "ممانی اماں ابھی تو دس منٹ بھی ان لوگوں کو اسٹیشن گئے ہوئے نہیں ہوئے گاڑی آنے میں کافی دیر ہے" نجمی جلدی کرکے آدھ گھنٹہ پہلے چلے گئے ہیں" زکیہ بیگم نے کہا۔ "اوئی معلوم ہوتا ہے گھنٹوں گذر گئے انتظار بھی کیسی بری چیز ہے" سلطانہ نے کہا: "اماں آپ نے زرینہ کو کیوں الگ کمرے میں بٹھا دیا جس طرح ہم لوگوں کو فاروق کے آنے کی خوشی ہو رہی تھی۔ اسی طرح اس کو بھی ہوگی وہ اپنا دل مار کر رہ گئی" زکیہ بیگم نے کہا: "دل نہ ہوا دیوانہ ہوگیا زرینہ اب فاروق کے سامنے آئے گی؟ سلطانہ نے کہا: اور کیا آپ پردہ کرائیں گی؟ زکیہ بیگم نے کہا: "تم بچوں کی سی باتیں کیوں کرتی ہو اب اس کے سامنے

آنے کا موقع ہے؟ سلطانہ نے ہنس کر کہا: میں تو سامنے کردنگی آپ دیکھ لیجئے گا
زکیہ بیگم نے ذرا الجھ کر کہا: ”اے بی اپنے حواسوں پر سے صدقہ دو مجھے اتنی آزادی
پسند نہیں لو اور سنو یہ سامنے کریں گی۔ مجال ہے تمہاری“ سلطانہ نے اپنی بھاوج
کی طرف مخاطب ہو کر کہا: ”کیوں بھابی جان تمہاری کیا رائے ہے؟ زکیہ بیگم نے
کہا: سلطانہ تم کچھ دیوانی ہوئی ہو بھابی جان اور بھائی جان کون ہوتے ہیں مجھے
اختیار ہے جو چاہوں کروں........ تم نے انور سے پردہ نہیں کیا تھا؟ سلمہ
شمسی سے نہیں چھپتی تھیں تمہاری پھوپی اماں نے تو بچپن سے ان کا پردہ کرایا تھا
سلطانہ نے کہا: ”اماں اب وہ زمانہ نہیں رہا اب تو لڑکا لڑکی خود ہی طے کرتے
ہیں“ زکیہ بیگم نے کہا: مجھے زمانہ سے کیا مطلب میرا جود ستور ہے وہی رہیگا
تم اپنی لڑکی کو آزاد چھوڑ دینا“ سلطانہ نے کہا: ”کیا فاروق نے زرینہ کو نہیں دیکھا؟
زکیہ بیگم نے کہا: جب تک موقع تھا دیکھا اب مناسب نہیں تمہارے ابا تو
کہتے ہیں کہ اسی مہینہ میں شادی کر دوں مگر رفیق الزماں کی رائے ابھی نہیں
معلوم“ سلمہ نے کہا: پہلے تو کبھی چھوٹے ماموں جان نے فاروق کو پوچھا
تک نہیں اب شادی پر رائے دینے کا کیا حق ہے۔ بڑے ماموں جان کا
جو دل چاہے کریں“ سلطانہ نے کہا: ”اور کیا ہمیں تو بس فاروق سے مرضی معلوم
کرنی ہے“ زکیہ بیگم نے کہا: ”نہیں بیٹی یہ کیسے ہو سکتا ہے ہزار وہ الگ تھلگ ہوں
مگر اولاد تو انھیں کی ہے جب تک ان کی طرف سے تحریک نہ ہوگی ہم کچھ
نہیں کہیں گے۔ نہ ہمارا موقع ہے کہیں بیٹی والے خود کہا کرتے ہیں“
سلطانہ نے کہا: اے ہے اماں آپ ایسی پرانے زمانے کی باتیں کر رہی ہیں
کہ میرا جی جلا جاتا ہے“ سلمہ نے کہا: مجھے تو فاروق کے وہاں ٹھہرنے سے
ڈر ہے کہیں ”رودری“ اپنا جال نہ پھیلائے معلوم نہیں اس کی بیٹی کی شادی

ہوئی یا نہیں "سلطانہ نے کہا۔ جب ہی تو میں اماں سے کہہ رہی ہوں زرینہ کا
پردہ فاروق سے نہ کرائیں" زکیہ بیگم نے کہا: "ہے ہے سلطانہ میں دیکھتی ہوں
تمہاری آزادی حد سے گذر گئی ہے۔ بہن کو پسند کرا کر سودا کرو گی نا بابا یہ مجھ سے
نہ ہوگا چاہے یہ رشتہ ہو یا نہ ہو" سلمہ نے کہا: "خدا نہ کرے دیکھوں ہو۔ فاروق
کیا پچھلی باتیں بھول گئے ہوں گے" سلطانہ نے کہا: "خیر دیکھا جائے گا۔ مگر ایک
بات اماں کو میری ماننی پڑے گی چاہے کچھ تیاری ہو یا نہ ہو بجی کی وداع انھیں
چھٹیوں میں ہونی چاہیئے" زکیہ بیگم نے کہا: "تم سے زیادہ مجھے اور تمھارے ابا کو
اس بات کا خیال ہے انھوں نے تو فاروق کو امریکہ تار دیدیا تھا کہ رعنا جس
حال میں ہو اس کو ساتھ لے کر آنا یہاں اس کا علاج ہو جائیگا۔ سلطانہ نے پوچھا
"اماں آپ نے دو چار جوڑے بھی بنائے ہیں یا نہیں؟" زکیہ بیگم نے کہا: "میں
نے تو جو کپڑا زرینہ کے لئے خریدا رعنا کے لئے ضرور لیا۔ اس غریب کو
کون جہیز دینے والا بیٹھا ہے" سلطانہ نے کہا: "کیا سب کپڑے سلوا بھی لئے ہیں"
زکیہ بیگم نے کہا: "اور کیا میں تمھارے بھروسہ پر بیٹھی رہتی خدا رکھے
تمہارے بچوں کو تم دونوں میرے کس کام کی ہو درزی کو گھر پر بٹھا کر جو کپڑے
اس کے سینے کے تھے وہ اس سے سلوائے باقی میں نے اور زرینہ نے
سیئے۔ ایک ساڑی تو رعنا کی زرینہ نے ایسی بنائی ہے کہ تم دیکھ کر دنگ رہ
جاؤ گی" سلطانہ نے ہنس کر کہا: "اچھا آپ نے ساڑیاں بھی بنائی ہیں"
زکیہ بیگم نے کہا: "کیوں تم مجھے کیا سمجھتی ہو" سلطانہ نے کہا: "ابھی تو آپ ایسی
دقیانوسی باتیں کر رہی تھیں گویا ہر نئی بات کے خلاف ہیں" سلمہ نے پوچھا
آپ کو رعنا کی ناپ کیسے معلوم ہوئی کیا خبر لمبا قد ہے یا چھوٹا" زکیہ بیگم نے کہا
"بس اب تو اندازے سے بنا لیا قد تو اس کا لمبا ہی ہوگا ریحانہ بھی لمبے قد کی تھیں

رفیق الزماں بھی ملے ہیں فاروق بھی ماشاءاللہ لمبا ہے۔“ سلطانہ نے کہا: ”زیور
کیا کیا ہے“، زکیہ بیگم نے کہا: ”زیور تو تمہارا دیکھا ہوا ہے جو چیزیں تم لوگوں کو دی
ہیں وہی اس کی ہیں کل سب سامان دیکھ کر ٹھیک کر لینا“، سلطانہ نے کہا
”اماں آپ بھی ضرور الہ آباد چلئے گا۔ زکیہ بیگم نے کہا: ”نہیں بیٹی میرا الہ آباد
جانے کا ارادہ نہیں ہے بس تم تینوں نند بھاوج چلی جانا مردوں میں
تمہارے ابا۔ شمشی۔ انور۔ اور نجمی۔“، سلمہ نے کہا: ”یہ تو بات ٹھیک نہیں ہے
دولہا کے ساتھ تین عورتیں ۳ مرد کل ۶۔ آدمی بارات میں جائیں؟ زکیہ بیگم
نے کہا: ”چھ آدمی کیوں ہونے لگے فاروق بھی تو ہوں گے۔ ماشاءاللہ تم دونوں
کے بچے ہیں ایک ایک نوکر بھی ساتھ ہوگا۔ دولہا کا خاص ملازم رحمت اللہ
ہوگا۔ جو ہم سب سے زیادہ خوشی منا رہا ہے“۔ سلمہ نے کہا: ”آخر آپ کیوں
نہیں چلتیں؟ زکیہ بیگم نے کہا: ”میرا گھر پر رہنا مناسب ہے یہاں کا
انتظام بھی تو کرنا ہے دعوت ولیمہ تو ضرور ہی ہوگی تمہارے ابا نے کار ڈھنگوا
لئے ہیں فاروق سے پوچھ کر چھپنے جائیں گے وہ تو کہتے ہیں کہ پرسوں صبح
کی گاڑی سے سب چلے جائیں گے۔ اب تک خود جانے سے انکار کر رہے ہیں مگر
میں کہتی ہوں ان کا جانا ضروری ہے۔“ سلطانہ نے کہا: ”ان سے زیادہ تو
آپ کا جانا ضروری ہے اچھا ہے وہ نہ جائیں مجھے تو ان سے ڈر ہی لگتا ہے
کبھی وہاں جا کر روزی پر غصہ کرنے لگیں۔ تو اور مشکل ہو۔ وہ یہاں دعوت ولیمہ
کا انتظام اچھا کریں گے۔ مردانی دعوت ہے آپ کیا کر سکتی
ہیں“، زکیہ بیگم نے کہا: ”خیر یہی دیکھا جائے گا“، خدا دہ گھڑی تو لائے
مجھ ہی کو گھسیٹنا پڑے گا یہ بھی ایک مرحلہ طے کرنا ہے۔ اللہ نجمی کا گھر
آباد کرے گا۔ . . . . .

گھنٹے نے نو بجائے اور ساتھ ہی موٹر کے ہارن کی آواز آئی ....
سلطانہ اور سلمہ دوڑیں .... سب سے آگے نجمی ان کے پیچھے فاروق اور پھر شمش الزماں موٹر سے اتر کر آئے سلطانہ اور سلمہ نے فاروق کو گلے لگایا زکیہ بیگم کے آگے فاروق جھک گئے انھوں نے بلائیں لیں پیار کیا اسوقت فاروق کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں سلمہ اور سلطانہ بھی آبدیدہ ہوگئیں ......
نجمی نے ہنس کر اپنے بھائی سے کہا: ذرا بھائی جان دیکھئے گا عورتوں کو تو جلدی رونا آہی جاتا ہے مگر فاروق کے بھی آنسو جاری ہیں، شمشی نے کہا۔ واہ فاروق خوشی کا وقت ہے بار رونے کا، فاروق نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا: اپنے بچھڑے ہوئے عزیزوں سے مل کر غم اور خوشی کا اظہار آنسوؤں ہی کے ذریعے ہوا کرتا ہے،، زکیہ بیگم نے کہا: بڑی محبت سے فاروق کے منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا: بیٹا رعنا کا تو حال بتاؤ اس کی صحت اب کیسی ہے؟ تمھارے ساتھ آئی ہے؟" یہ سوال بڑا ٹیڑھا تھا مگر فاروق پہلے ہی سے ہر سوال کا جواب سوچ کر آئے تھے انھوں نے بڑے اطمینان سے کہا: جی ہاں آئی ہے،، سلطانہ نے پوچھا: اب تو اس کی صحت اچھی ہے، فاروق نے جواب دیا: بالکل ٹھیک ہے ۔ نجمی نے ادھر اُدھر دیکھ کر کہا زرینہ کہاں ہے. کیا کھانا نہیں ملے گا نو بج چکے ہیں پہلے کھانا کھالیا جائے پھر اور باتیں ہوں،، فاروق نے یہ موقع غنیمت سمجھ کر کہا: ہاں بھئی بھوک تو مجھے بھی لگی ہے کھانا ہی ہو جانا چاہیئے،،
سلمہ سب کو لیکر کھانے کے کمرے میں گئیں ..... نجمی نے پھر پوچھا بھابی جان کھانا کھلانے کا کام تو زرینہ کے سپرد ہے آج وہ کہاں غائب ہے، سلطانہ نے مسکرا کر کہا: پردہ میں بیٹھی ہیں،، نجمی نے تعجب سے کہا: پردہ کیسا

زکیہ بیگم بولیں: "اس کے سر میں درد تھا سویرے سے سو گئی۔" فاروق نے کہا: "چچا کہاں ہیں؟" زکیہ بیگم نے کہا: "کلکٹر صاحب کا رخصتی ڈنر ہے وہاں گئے ہیں ابھی آتے ہی ہوں گے۔"

کھانے کے بعد زکیہ بیگم سب کو لیکر اپنے کمرے میں آگئیں نجمی سگریٹ سلگا کر فاروق کو دیا انھوں نے اپنی چچی کی طرف اشارہ کیا نجمی نے کہا: "اماں فاروق آپکے سامنے سگریٹ پینے میں تکلف کرتے ہیں" زکیہ بیگم نے کہا: "بیٹا پیتے کیوں نہیں آخر نجمی بھی تو پیتے ہیں۔"

فاروق نے کہا: "آج آٹھ دس روز کے بعد ہندوستان آنے کا لطف آیا ہے۔" نجمی نے کہا: "اپنی بہن کو بھی لیتے آئے ہوتے اس بیچاری کو وہاں کیوں چھوڑ آئے۔" فاروق نے سگریٹ کا دھواں منہ سے نکالتے ہوئے کہا "وہ نہیں کیا جانے۔" نجمی نے کہا: "تم نے بتایا ہوتا۔" سلمیٰ بولیں: "رعنا اس طرح کیوں آنے لگی ہم سب بارات لے کر چلیں گے بغیر دولہا کے دولھن کیسے آجاتی۔" زکیہ بیگم نے فاروق سے کہا: "بیٹا مجھے اور تمھارے چچا ابا کو بہت شکایت ہے تم نے اپنے ہندوستان پہونچنے کا تار یہاں نہیں دیا ورنہ تو خود تمہیں بمبئی لینے جاتے۔"

فاروق نے کہا: "میں خود آپ سے شرمندہ ہوں۔ میرا ارادہ تھا کہ بےخبری میں یہاں پہنچوں لیکن جہاز سے اتر کر دیکھا تو پاپا موجود تھے وہ ایک ہفتہ پہلے جہاز کے انتظار میں وہاں پہونچ گئے تھے، وہ اپنے ساتھ سیدھا الہ آباد لیگئے میں مجبور ہو گیا وہاں پہونچتے ہی میں نے چچا ابا اور نجمی کو تار دیدیا تھا۔" زکیہ بیگم کہا: "رعنا کی وجہ سے رفیق الزماں گئے ہوں گے۔ خیر بھئی خدا کا شکر ہے انھیں تمہارا اتنا خیال تو ہوا ہماری تو ہمیشہ یہی دعا ہے کہ تمہیں باپ کے زیر سایہ اپنے گھر میں خوشی اور آزادی سے رہنا نصیب ہو۔" سلطانہ نے

کہا: ہاں اللہ فاروق کو مبارک کرے مگر ہم اپنی رعنا کو آٹھ دن بھی وہاں نہیں چھوڑیں گے کل تو خیر نہیں ہو سکتا پرسوں ہم الہ آباد روانہ ہو جائیں گے اور آج کے چوتھے دن ہماری رعنا اپنے گھر میں آجائے گی۔" شمس الزماں نے پوچھا: کیا پہلے سے ملے ہو گیا ہے؟ سلطانہ نے کہا: بھائی جان طے ہونا کیسا اپنی چیز ہے۔ جس وقت چاہیں لے آئیں چچا جان نے بہت دن رکھا۔"

شمس الزماں نے کہا: یہ تو ٹھیک ہے مگر چچا جان کو پہلے اطلاع کرنی چاہیئے یا ایک دم ڈاکہ ڈالو گی۔" زکیہ بیگم نے کہا: تمہارے ابا کی رائے ہے کہ کل رفیق الزماں کو تار سے اطلاع کر دی جائے اور پرسوں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔" شمس الزماں نے کہا: میں کہتا ہوں ابا جان کو کیا ہو گیا ہے آخر اتنی گھبراہٹ کیوں ہے پہلے سے کوئی تاریخ مقرر کر لیں کچھ تیاری بھی ہو گی یا دلہے ہی اٹھا لائیں گی؟ زکیہ بیگم نے کہا: وہ کہتے ہیں بڑے دن کی تعطیل میں سب جا کر لڑکی کو لے آئیں کچھ تیاری نہیں کرنی ہے یہاں دعوت ولیمہ کر دی جائے گی شمس الزماں نے کہا: چچا جان اس طرح راضی ہو جائیں گے؟ زکیہ بیگم نے کہا: یہ سب باتیں فاروق سے معلوم ہو جائیں گی۔"

فاروق ان سب کی باتیں نہایت خاموشی سے سن رہے تھے......

نجمی بہت غور سے فاروق کی طرف دیکھ رہے تھے، سلطانہ نے ہنس کر کہا: فاروق کی شکل کیوں غور سے دیکھی جا رہی ہے؟ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ان کی صحت ماشاءاللہ بہت اچھی ہو گئی اب تو پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت ہو گئے ہیں۔" سلمہ نے کہا: شاید "رعنا" کی صورت کا اندازہ لگا رہے ہو۔" نجمی نے کہا: ہاں یہ بھی خیال تھا: سلطانہ نے پوچھا: کیا تمہیں فاروق کی صورت پسند ہے؟" نجمی نے کہا: میں بچپن سے انکی صورت کا گرویدہ ہوں۔"

فاروق نے ایک ٹھنڈا سانس لیکر نجمی کو محبت بھری نظروں سے دیکھکر کہا: "نجمی جیسے اور سب بچپن کی باتیں یاد نہیں رہیں ویسے ہی یہ خیال بھی دل سے نکال دو" نجمی نے ذرا تیز آواز سے کہا: "کیا مطلب ہے تمہارا اس سے یعنی میں تم کو بھول جاؤں تم مجھ کو بھول جاؤ .... کیا کہہ رہے ہو فاروق تم؟" فاروق نے کہا: "میں اپنے متعلق نہیں کہہ رہا ہوں" نجمی نے گھبراہٹ کے لہجہ میں کہا: "پھر کس کے متعلق کہہ رہے ہو؟" فاروق نے نجمی کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہا: "میرا مطلب یہ ہے .... کہ .... رعنا کا تصور .... اپنے دماغ سے نکال دو" نجمی نے بہت ہی گھبرا کر پوچھا: "کیا رعنا کی شادی کسی اور سے کر دی؟" ..... زکیہ بیگم نے پریشانی کے لہجہ میں کہا: "بیٹا میرے آئے حواس جاتے رہے یہ کیسی باتیں ہو رہی ہیں" فاروق نے کہا: "بچی اماں میں یہ کہہ رہا ہوں کہ نجمی کی شادی اب کسی دوسری جگہ ہونی چاہیئے" زکیہ بیگم نے کہا: "آخر کیوں؟ کچھ بتاؤ تو سہی؟" نجمی نے کچھ غصے کے لہجہ میں کہا: "بتائیں گے کیا معلوم ہوتا ہے رعنا نے جاپان میں اپنی شادی کر لی میرا تو پہلے ہی یہ خیال تھا اور میں نے آپ سے اس روز کہا تھا۔ مگر بھائی جان نے میری بات نہیں چلنے دی۔ اب ابا جان سنکر بہت خوش ہوں گے۔ اور کر دیجئے بچپن میں شادیاں دیکھ لیا آپ نے نتیجہ آپ کو تو ایک آدمی کی زندگی برباد کرنی تھی؟ ...."

فاروق نجمی کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے اور برابر سگریٹ کا دھواں منہ سے نکال رہے تھے ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور تمام پیشانی کی رگیں کھڑی تھیں، نجمی نے فاروق کے ہاتھ سے سگریٹ چھین کر اگالدان میں ڈالتے ہوئے کہا: "دیکھو فاروق سچ سچ بتا دو مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے

میرا دل چاہتا ہے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالوں آخر تمہیں کیا پس وپیش ہے،" فاروق نے کہا ٹھہر دیں کہہ تو رہا ہوں تم" تو فضول باتیں کرنے لگے۔" نجمی نے کہا: "فضول باتیں کیا کرنے لگا تمہاری صورت سے معلوم ہو رہا ہے معاملہ نازک ہے تم چھپانا چاہتے ہو" فاروق نے بناوٹی مسکراہٹ سے کہا: "تم تو میرے پیچھے پڑ گئے عجب طرح کے آدمی ہو بات پوری سنی نہیں لگے آئیں بائیں شائیں بکنے" نجمی نے کہا: "اچھا اب ہنسنے کی کوشش نہ کرو تمہارے چہرے سے رنج اور پریشانی نمایاں ہیں" شمس الزماں نے کہا: "فاروق بتاتے کیوں نہیں کیا معاملہ ہے فاروق نے کہا: "شمسی بھائی بات اصل یہ ہے کہ رعنا سخت بیمار ہے وہ اس لائق نہیں کہ اس کی شادی کیجائے" نجمی کا لہجہ اب بدل گیا انھوں نے بڑی ہمدردی کے ساتھ فاروق کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا: "پہلے سے یہ کیوں نہیں کہا: آخر کیا بیمار ہے؟ فاروق نے کہا اس کو پرانا بخار ہے" نجمی نے کہا تم اسقدر پریشان کیوں ہونے ہو ...... ہم یہاں لاکر اس کا علاج کریں گے" فاروق نے کہا: "نہیں نجمی کوئی فائدہ نہیں اس کے مرض کا آخری درجہ ہے کچھ دن کی مہمان ہے"........

فاروق کی آواز بھرا گئی تھی نجمی کھڑے ہوکر کمرے میں ٹہلنے لگے، شمس الزماں نے کہا: "پہلے یہ بتاؤ کہ وہ یہاں ہے یا امریکہ میں؟ فاروق نے کہا: یہیں ہے" نجمی نے کہا: "چچا جان نے تو کہا تھا کہ رعنا کو امریکہ بھیجد یا ہے تم اتنی سخت بیمار کو اپنے ساتھ لے آئے؟ فاروق نے کہا: "پاپا کا خیال تھا کہ اسکو شاید جاپان کی آب وہوا ناموافق تھی ہندوستان پہونچ کر وہ اچھی ہو جائیگی۔ یہاں والوں سے اس کی بیماری کو چھپانا چاہتے تھے اسلئے انھوں نے یہ بہانہ کر دیا تھا کہ اس کو امریکہ بھیجد یا ہے.... لیکن اُن کا یہ خیال غلط نکلا

یہاں آکر اس کی حالت بگڑتی گئی۔"
نجمی نے کہا: "افسوس چچا جان نے بڑے دھوکے میں رکھا اور تم نے بھی
آکر مجھے اطلاع نہیں کی۔" زکیہ بیگم نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا: "رفیق الزماں
خاموش اور رنجیدہ ضرور تھے مگر میں نے خیال کیا کہ برسوں کے بعد اپنے عزیزوں
سے ملے ہیں کچھ پچھلے واقعات یاد آ گئے ہوں گے ...... بھلا مجھے کیا خبر تھی
کہ بچی یہیں ہے۔ میں نے ان کے کہنے کا یقین کر لیا۔" شمس الزماں نے پوچھا
"علاج کس کا ہو رہا ہے؟" فاروق نے کہا: "ہسپتال میں داخل کر دیا ہے"
شمس الزماں نے کہا: "وہیں الہ آباد میں؟" فاروق نے کہا: "نہیں بھوالی میں"
نجمی نے کہا: "ساتھ کون گیا ہے؟" فاروق نے کہا: "کوئی نہیں" نجمی نے
کہا: "الہ آباد ہی میں کیوں نہیں رکھا" فاروق نے کہا "بھوالی میں دق کے
مریضوں کا خاص طور سے علاج ہوتا ہے" نجمی نے کہا: "تم رعنا کو دیکھنے
گئے تھے؟" فاروق نے آہستہ سے کہا "ہوں" نجمی نے کہا: "بس تو مجھے بھی لیتے چلو
ابھی لیجلو موٹر ہی پہ چلتے ہیں کل شام سے پہلے ہی پہنچ جائیں گے میں رعنا کو
لیکر یہاں آؤں گا" فاروق نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا: "نجمی بچوں کی سی
باتیں نہ کرو وہ جانبر نہیں ہو سکتی بیکار ایک خطرناک بیماری کے جراثیم
ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے سے فائدہ؟ تمہیں بھی وہاں جانے کی
ضرورت نہیں اس کی قسمت میں یہی لکھا تھا۔ نجمی نے اپنی ماں کی طرف
مخاطب ہو کر کہا: "اماں آپ سن رہی ہیں پہلے تو فاروق ایسے نہیں تھے ڈاکٹری
پڑھ کر ان کا دل پتھر ہو گیا .. اپنی بہن کی محبت بھی جاتی رہی"، زکیہ بیگم نے کہا
"بیٹا تم تو بالکل انگریز بن گئے ہم لوگ ان باتوں کا خیال نہیں کرتے خدا کے
حکم کے قائل ہیں موت و زیست اسی کے اختیار میں ہے جراثیم کون

بلا ہوتے ہیں سینکڑوں قسم کے مریض دیکھے بیسیوں کی خدمت کی ہماری دادی کو خدا بخشے برسوں لمبی بیماری میں مبتلا رہیں ہم سب نے بچپن ہی سے ان سے پلنگ لگے رکھتے تھے کسی کو ان کی بیماری نہیں لگی یہ تو اس زمانہ میں یا جراثیم پیدا ہو گئے ہیں پہلے کبھی نام بھی نہیں سنا تھا۔ میں خود نجمی کے ساتھ جا کر لڑکی کو لے کر آؤں گی

فاروق نے کہا: چچی اماں اس کی حالت زیادہ خراب ہے اسپتال سے آنا بہت مشکل ہے" زکیہ بیگم نے کہا: "تم ڈاکٹروں کا یقین نہیں اگر حالت خراب بھی نہ ہوگی تو اب سوئیاں بھونک بھونک کر کر دی ہوگی سوائے چیرنے پھاڑنے اور بتیاں گھسانے کے آتا ہی کیا ہے.. نہیں بابا میں اپنی بچی کو ان ڈراؤنی شکل کی نرسوں میں نہیں چھوڑوں گی"

نجمی نے غصہ سے زمین پر پیر پٹخ کر کہا اُف..... نرس.....

نرس ہی کا یہ سب کرشمہ ہے.... اس کے معنی کیا ہیں اور نرس نے کیا کیا؟"

فاروق نے کوئی جواب نہیں دیا سگریٹ جلانے لگے... نجمی نے کہا فاروق مہربانی کر کے مجھے ہسپتال کا ٹھیک ٹھیک پتہ بتا دو میں ایک منٹ نہیں ٹھہر سکتا۔ فاروق نے کہا: ارے بھئی تم تو بے وقوفی کی باتیں کرتے ہو اس کو دیکھ کر تمہیں رنج ہوگا اور ممکن ہے وہ بھی متاثر ہو۔ اب بھول جاؤ اس کو اور اس کے خیال کو نہ تم نے اس کو دیکھا ۔ اس نے تمہیں بس شکر کرو" نجمی نے کہا: یہ بات تم نے خوب ہی کہی بھول کیسے جاؤں ، میرا بچپن کا رشتہ ہے دل کے اوپر نقش ہے میں کبھی نہیں انوں گا۔ ضرور جا کر دیکھوں گا آخر تمہارا کیا حرج ہے ، زکیہ بیگم نے کہا: ہم سب چلیں گے" ذرا تمہارے ابا آ جائیں بھلا یہ بھی کوئی بات ہے خدانخواستہ کیا وہ لاوارث تھی جو "دوزی" مردار نے اسے ہسپتال میں پہنچا دیا میرے سامنے اس وقت

ہوتی تو اس کا منہ نوچ لیتی ۔ نجمی نے کہا: اماں میں اسوقت کچھ کہہ نہیں سکتا جو میری کیفیت ہے ۔"

شمس الزماں نے کہا: رو رہی ہے تو ہمیں کچھ مطلب نہیں البتہ چچا جان شکایت کرنے کا پورا حق ہے ۔" فاروق نے کہا: اب جانے دیجئے ان باتوں کو کوئی کسی کو روک نہیں سکتا ۔ نجمی نے کہا: میں اپنی بیوی کو ایسی بیکسی کی حالت میں ہسپتال میں نہیں مرنے دوں گا ۔" زکیہ بیگم نے کہا: ارے ایسی باتیں کیوں منہ سے نکالتے ہو خدا میں بڑی قدرت ہے انسان کو سانس کے ساتھ آس رکھنی چاہیئے ۔ فاروق نے کہا: یہ تو آپ کا کہنا ٹھیک ہے لیکن ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ سانس ہی خود کہتا ہے کہ اب آس چھوڑ دو پھر کس سے آس ہو سکتی ہے ؟ نجمی نے کہا: خدا سے ۔ زکیہ بیگم نے نجمی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا: بیشک ۔ شمس الزماں نے پوچھا: چچا جان کہاں ہیں ؟ فاروق نے آہستہ سے کہا: وہیں ہیں ۔" نجمی نے کہا: پھر مجھے کیوں روک رہے ہو میں بھی چچا جان کے پاس جاکر ٹھہر جاؤں گا اور یہ تم ایسی حالت میں چھوڑ کر کیوں آگئے ؟ فاروق نے کہا: میں کیا کرتا نہیں جانے کی ضرورت ہے پاپا کافی ہیں ۔" نجمی نے کہا: فاروق برسوں سے رعنا کو دیکھنے کی تمنا تھی کیا تم اس کی آخری شکل نہیں دکھاؤ گے ؟ فاروق نے اپنی دونوں کنپٹیاں ایک ہاتھ سے دباتے ہوئے کہا: نجمی تم میرا کہنا مانو اب اسکی صورت ایسی ہو گئی ہے کہ تم دیکھ کر ڈر جاؤ گے کیا فائدہ ہمیشہ تمہارے دماغ میں اسکا یہی تصور رہیگا ابھی تک تو تم سمجھتے ہو کہ وہ ایک خوبصورت لڑکی ہوگی بس کافی ہے ۔ نجمی نے کہا: فاروق تم کیسی باتیں کرتے ہو صورت کا شکل کا اسوقت کوئی سوال نہیں میں قسم کھا کر کہتا ہوں میرے اوپر بہت اثر ہے اگر میں نے رعنا کو

نہیں دیکھا تو زندگی بھر افسوس رہیگا چچا جان نے اندھیر کر دیا اتنا تو خیال کرنا چاہیے کہ اس لڑکی کا کسی دوسرے سے بھی تعلق ہے،، فاروق نے نجمی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا: پاپا بیچارے کا کیا قصور ہے موت کا فرشتہ کسی کا تعلق نہیں دیکھتا اپنا کام کر دیتا ہے۔ اب صبر کرو۔ شمش الزماں نے کہا: پھر پہلے ہی سے تم نے صاف کیوں نہیں کہہ دیا تھا؟

فاروق بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ کوئی جواب نہیں دیا۔ نجمی کی آنکھوں میں آنسو جو بڑی دیر سے ڈبڈبا رہے تھے وہ اب ٹپکنے لگے۔ سلمہ اور سلطانہ تو پہلے ہی سے رو رہی تھیں۔ شمش الزماں نے فاروق سے پوچھا: اس واقعہ کو کتنا عرصہ گذرا؟ فاروق نے کہا: کئی مہینے گذر رہے،، سلطانہ نے روتے ہوئے کہا: میں تو فاروق کی باتو ں سے پہلے ہی سمجھ گئی تھی،، زکیہ بیگم کچھ اور کہنا چاہتی تھیں کہ بیرسٹر صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ فاروق اپنی آنکھیں پونچھ کر جلدی سے کھڑے ہو گئے۔ نجمی دوسرے کمرے میں چلے گئے بیرسٹر صاحب اپنے بھتیجے کو گلے لگا کر قالین پر بیٹھ گئے۔ یہاں سب کو روتا دیکھ کر انھوں نے گھبرا کر پوچھا خیریت تو ہے؟ کیا بات ہے؟ شمش الزماں نے کہا: فاروق ایک ایسی اندوہناک خبر لائے ہیں جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہیں تھا،، بیرسٹر صاحب نے پریشانی کے لہجہ میں پوچھا: کیسی خبر ہے جلدی بیان کرو،، شمش الزماں نے دبی زبان سے کہا: رعنا کے متعلق ہے،، بیرسٹر صاحب نے گھبرا کر کہا: کیا ہوا اسکو؟ شمش الزماں نے کہا اسکا انتقال ہو گیا، بیرسٹر صاحب نے بیساختہ کہا: انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، کیا بیمار ہوئی تھی؟ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ شمش الزماں نے فاروق سے پوچھا: کیوں بھی کیا بیمار ہوئی تھی؟ فاروق نے کہا: بیمار تو کچھ نہیں ہوئی تھی بیرسٹر صاحب نے

کہا: پھر کیا ہوا تھا؟ فاروق نے کہا: ڈوب گئی، بیرسٹر صاحب نے زور سے کہا۔ کہاں ڈوب گئی؟ فاروق نے جواب دیا: سمندر میں، بیرسٹر صاحب نے کہا وہ کس طرح؟ فاروق نے کہا: ہندوستان آتے ہوئے کشتی پر سے پیر پھسل گیا اور وہ سمندر میں گر گئی۔"

یہ عجیب بات سنکر نجمی بھی کمرے کے دروازے میں آکر کھڑے ہو گئے بیرسٹر صاحب نے کہا: یہ تو ایک بناوٹی بات معلوم ہوتی ہے کیا تمہارے ساتھ امریکہ سے واپس آرہی تھی؟ فاروق نے کہا: جی نہیں۔ پاپا کیساتھ جاپان سے آرہی تھی۔ بیرسٹر صاحب نے تیوری پر بل ڈال کر کہا: رفیق نے تو یہاں یہ کہا تھا کہ لڑکی کو امریکہ بھیج دیا۔ اس کی صحت خراب تھی۔ تم کہتے ہو وہ ان کے ساتھ آتے وقت ڈوب گئی۔ یہ معمہ میری سمجھ میں نہیں آتا کیا تم اپنے باپ کی کسی غلطی کو چھپانا چاہتے ہو؟ فاروق نے کہا: جی نہیں" بیرسٹر صاحب نے کہا: نہیں اگر اس کی شادی وہاں کر دی ہے یا رفیق نے ادر کوئی چالاکی کی ہے تو تم صاف صاف کہہ دو چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ فاروق نے کہا: میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں وہ ڈوب گئی۔"

بیرسٹر صاحب نے کہا: پھر ہم لوگوں سے کیوں پوشیدہ رکھا ان کو چاہیے تھا جس وقت یہاں آئے تھے۔ صاف کہدیتے کہ لڑکی ضائع کر کے آئے ہیں۔ یہ بہانہ کیوں کیا کہ اس کو بھائی کے پاس بھیج دیا ہے" زکیہ بیگم نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا: اگر انہیں زبانی کہتے ہوئے برا معلوم ہوتا تھا تو لکھدیا ہوتا، فاروق نے کہا: پاپا کی دماغی حالت کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتی اس حادثہ کا ان پر بہت اثر ہے انھوں نے مجھے تار دیکر بلایا ہے میں ان کی طرف سے بہت پریشان ہوں وہ آپ لوگوں سے اسقدر شرمندہ ہیں کہ

خودکشی کرنے کو تیار ہیں آٹھ دس روز میں اسی پریشانی میں رہا۔ شمس الزماں نے کہا۔ "تم نے مجھے لکھ دیا ہوتا۔ میں وہاں آجاتا۔" فاروق نے کہا۔ "میں تو یہ کوشش کر رہا تھا کہ ان کو یہاں اپنے ساتھ لے آؤں مگر وہ کہتے ہیں کہ اب مجھے کسی کو منہ دکھانے کو جگہ نہیں رہی۔" بیرسٹر صاحب نے کہا۔ "وہ تو خیر چند روز میں ٹھیک ہو جائیں گے مگر افسوس اب نہیں خدا کے ہاں ریحانہ کو منہ دکھانے کی جگہ نہیں رہی۔" زکیہ بیگم نے کہا۔ "ہائے کیسا مرتے وقت انھوں نے بچی کو ہمارے سپرد کیا تھا۔"

بیرسٹر صاحب کا چہرہ شدت رنج سے سرخ ہو رہا تھا وہ فوراً اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ شمس الزماں بھی اپنے باپ کے پیچھے پیچھے گئے...

کچھ دیر بالکل خاموشی رہی صرف سلطانہ اور سلمہ کی سسکیوں کی آواز آ رہی تھی...... زکیہ بیگم نے اگالدان میں ناک صاف کرتے ہوئے فاروق سے پوچھا۔ "بیٹا کچھ مفصل حال تو بتاؤ۔ اس غریب کی لاش سمندر میں سے نکالی گئی یا نہیں ہائے مجھے کیا خبر تھی میں اپنی بچی کو زبردستی چھین لاتی کیسی ناشاد نامراد دنیا سے گئی۔ خبر نہیں کیا کیا ارمان اس کے دل میں ہوں گے۔"

فاروق کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی سلمہ نے پانی لا کر پلایا۔ زکیہ بیگم نے گلے لگا لیا۔ فاروق نے کہا۔ "چچی اماں مجھے کچھ مفصل حال معلوم نہیں، بابا سے تو رعنا کے متعلق ایک لفظ بھی پوچھنے کو دل نہیں چاہتا، انکی عجیب حالت ہو گئی ہے اور ایمان کی بات یہ ہے کہ میں اب انھیں دم کو غنیمت سمجھ رہا ہوں ... روزی سے آپ جانتی ہیں۔ میں بہت کم بولتا ہوں بس اتنا سن لیا کہ رعنا ڈوب گئی اس کے آگے انھوں نے کچھ کہا نہ میں نے پوچھا۔"

بھی دوسرے کمرے میں مسہری کے تکئے پر منہ ڈھانپے بیٹھے تھے

آنسوؤں کا تار بندھا ہوا تھا۔ زرینہ اور سلطانہ دونوں ان کے پاس
بیٹھی تھیں۔ زکیہ بیگم بھی فاروق کو لے کر یہیں آگئیں تھوڑی دیر پہلے اپنی بچی
سلطانہ سے بڑی ہیکڑی کے ساتھ زرینہ کے پردہ پر بحث کر رہی تھیں اسوقت
خود فاروق کو لیکر یہاں آگئیں۔ اب نہ زرینہ کے پردہ کا خیال رہا نہ اپنی بات
کا۔ انسان کا ارادہ کوئی چیز نہیں، وہ ایک معمولی کام بھی اپنی مرضی سے نہیں
کر سکتا ان لوگوں کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے.... زکیہ بیگم نے نجمی
کو گلے لگا کر کہا: "میں تو اپنے بچے کی برات لیکر جا رہی تھی مجھے کیا خبر تھی کہ میری
چاند سی دلہن کو کالا دیو نگل گیا.... میں اپنی پانی کی شہزادی کو کہاں سے اب
لاؤں.... سلطانہ نے روتے ہوئے کہا۔ "اچھی اماں خدا کیواسطے
آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ نجمی پہلے ہی روتے روتے ہلکان ہوئے جا رہے ہیں
زکیہ بیگم نے کہا: "بیٹی میں تو بہتیرا اپنے دل کو سمجھا رہی ہوں مگر ایک بات کا
خیال آتا ہے.... خیر میں اب کچھ نہیں بولوں گی.... ذرا سا پانی کا گھونٹ
تو نجمی کو پلا دو.... دیکھو اس کی ہچکی بندھی ہوئی ہے" فاروق نے نجمی کی
پیٹھ پہ ہاتھ رکھ کر کہا: "نجمی تم بڑے کچے دل کے نکلے ذرا میری حالت پہ تو
غور کرو دس برس کی عمر میں ماں جیسی پیاری چیز مجھ سے جدا ہو گئی قسمت نے
باپ کی شفقت سے محروم کیا۔ میری پیاری بہن کو مجھ سے چھڑایا تعلیم کیوجہ
سے اپنے عزیزوں سے علیحدہ ہونا پڑا۔ سنا ہے ولایت کی دلچسپیاں اور رنگینیاں
لوگوں کو محسود کر دیتی ہیں۔ لیکن میرے لئے یہ زمانہ ایسا گذرا ہے جیسے ایک قیدی
کو تنگ و تاریک کوٹھری میں گذرتا ہے۔ پاپا کا تار پہونچتے ہی میں زنجیریں تڑا کر
بھاگا.. لیکن یہاں پہونچ کر جو دلخراش خبر میں نے سنی اس کا احساس تم خود
ہی کر سکتے ہو.... کیا میں انسان نہیں ہوں؟ نجمی نے آنسو پونچھ کر کہا

اس میں شک نہیں تمھاری حالت کا اندازہ کرنا مشکل ہے خدا تمھیں اس سے زیادہ صبر و استقلال عطا فرمائے .... مگر فاروق بچپن سے ایک بات دل پہ نقش تھی بجائے اپنی شیشے کی عمارت کو پانی کے بلبلے کی طرح غرق ہوتے ہوئے دیکھ کر کیا مجھے رنج نہ ہوگا؟" فاروق نے کہا "ضرور ہوگا لیکن نجمی تم کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس شیشے کی عمارت نے اپنا کوئی ریزہ تمھارے جسم میں چبھنے کے لئے نہیں چھوڑا ورنہ تمام عمر اس کی خراش تمھاری زندگی تلخ کر دیتی مجھے تو پاپا کی حالت دیکھ کر خوب تجربہ ہو گیا ہے" نجمی نے کہا "نہیں فاروق تمھارا خیال غلط ہے ہر جگہ ایسے واقعات پیش نہیں آتے میں ہر مشکل برداشت کر لیتی مگر کچھ تو دنیا کی راحت اسے بھی نصیب ہوتی افسوس بڑی ناکام اور پر حسرت زندگی گذری اس وقت میرے دل میں خیالات کا سمندر امڈا چلا آرہا ہے۔ اور شاید میں ہمیشہ اسی میں غوطے کھاتا رہونگا۔ فاروق نے کہا "نجمی ایسی باتیں نہ کرو ابھی تمھیں دنیا میں بہت کچھ دیکھنا ہے" نجمی نے پوچھا "تمھارے پاس رعنا کی کوئی تصویر بھی ہے یا نہیں فاروق نے کہا "ہاں ایک تصویر اس کے بچپن کی تھی جو امی جان نے اپنی بیماری حالت میں کھچوائی ہم تینوں کی۔ میری رعنا کی امی جان کی اس کا عجیب واقعہ پیش آیا۔ پاپا کہتے ہیں کہ ایک روز رات کو امی جان کی روح نے اسے توڑ دیا" نجمی نے تعجب سے کہا "روح نے کیسے توڑ دیا؟" فاروق نے کہا "پاپا کا کہنا یہی ہے" زکیہ بیگم نے کہا "اے بیٹا سچ بتاؤ کیا قصہ ہوا۔ فاروق نے کہا "جس روز پاپا آپ لوگوں سے مل کر واپس الہ آباد گئے اسی رات کو انھوں نے اپنے سونے کے کمرے میں امی جان کو دیکھا وہ سخت ناراض تھیں اور رعنا کے بارے میں شکایت کرتی تھیں۔

اور غصہ میں انھوں نے دیوار پر لگی ہو تصویر کو ہاتھ مار کر توڑ دیا۔ نجمی نے کہا یہ بات تو عقل کے خلاف ہے زیادہ صدمہ سے چچا میاں کا دماغ آج کل کمزور ہو گیا ہے انھوں نے خواب دیکھا ہوگا۔ سلمہ نے کہا: اگر خواب ہی دیکھا تھا تو تصویر کیسے ٹوٹ گئی۔ نجمی نے کہا: ایسے اتفاقات ہو جایا کرتے ہیں جس وقت چچا جان خواب دیکھ رہے ہوں گے اسی وقت ہوا کے جھونکے سے یا کسی جانور کے بیٹھنے سے وہ تصویر گر پڑی ہوگی، اکثر ایسا ہوتا ہے۔ زکیہ بیگم نے عقیدت مندانہ لہجہ میں کہا: تم کیا جانو یہ روحی تعلقات ہیں ہر بات میں اپنے دلائل پیش کرنے لگتے ہیں ہائے ریحانہ کی روح اپنی بچی کے لئے کیسی بے قرار ہوگی میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ جنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے انکی کیا حالت ہوگی: فاروق نے کہا: پاپا کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اگر ان کو سمجھایا جائے کہ یہ سب خیالات تھے ایسا ناممکن ہے تو ناراض ہونے لگتے ہیں کہتے ہیں تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو۔ سلطانہ نے کہا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے رعنا کے ڈوبنے میں ضرور روزی کی کچھ شرارت تھی جہاز پر سے دھکا دیدیا ہوگا۔ سلمہ بولیں: عجب ہی تو ممانی جان کی روح بیقرار پھر رہی ہے۔ زکیہ بیگم نے کہا: کیا عجب ہے جو اس وقت یہاں موجود ہوں۔ زرینہ نے گھبرا کر ڈرتے ہوئے کہا: اماں بی آپ ایسی باتیں نہ کیجئے! نجمی نے کہا: زرینہ تم بڑی بیوقوف ہو ڈرنے کی کونسی بات ہے کبھی کسی روح کو واپس آتے سنا ہے۔ زکیہ بیگم نے زرینہ سے کہا: اے ہے تم یہیں بیٹھی ہو مجھے بھی خیال ہی نہیں رہا۔ زکیہ بیگم کی اس بات پر فاروق کو کچھ مسکراہٹ آگئی مگر انھوں نے ٹالنے کو کہا "جس کمرے میں وہ تصویر ٹوٹی ہے دہشت تو مجھے بھی وہاں جاتے ہوئے آتی ہے۔" نجمی نے کہا: اگر رعنا زندہ ہوتی اور کسی تکلیف و مصیبت میں

گرفتار ہوتی جب تو آپ لوگوں کا خیال ایک حد تک درست بھی سمجھا جاتا مگر ایسی صورت میں جبکہ رعنا کی اور حضوری چچی جان کے پاس پہونچ گئی ہے انھیں چچا سے شکایت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس بات کو کبھی نہیں مان سکتا البتہ اگر چچی جان یہ کہتیں کہ نجمی ایک مصیبت میں گرفتار ہے تو میں روحوں کا قائل ہو جاتا کیونکہ اسی رات میری موٹر کا اکسیڈنٹ ہوا تھا اور میرے اوپر سخت مشکل آئی ہوئی تھی۔ یہ تو سب چچا جان کے دماغ کی کمزوری ہے وہ یہاں سے واپس گئے تھے۔ مختلف خیالات کا ہجوم ان کے دماغ پر تھا سامنے تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس کو دیکھتے دیکھتے کچھ غنودگی آگئی ہو گی۔ اگر روح بچاری میں اتنی طاقت ہو تو وہ اپنا عزیز جسم ہی کیوں چھوڑ دیتی زکیہ بیگم نے غصہ سے کہا: نجمی تم میرے سامنے ایسے کفر کے کلمے منہ سے نکالو روح کوئی اپنے اختیار میں ہوتی ہے کہ جسم کو نہ چھوڑے وہ تو خدا کے حکم کے تابع ہے اسی کے حکم سے آتی ہے، اسی کے حکم پر چلی جاتی ہے میں دیکھتی ہوں تم تو ولایت جا کر بالکل لامذہب ہو گئے،، فاروق نے بات کا رخ ٹالتے ہوئے نجمی سے پوچھا کیا تمہاری موٹر کا اکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ نجمی نے رنجیدہ آواز میں کہا ہاں بھئی ایک بے گناہ کا خون میرے ہاتھ سے ہو گیا تھا دو معصوم بچوں کو گھر سے بے گھر کیا۔ اس کا انتقام آج اللہ میاں نے مجھ سے اسطرح لیا۔ فاروق نے کہا۔ کیا واقعی کوئی تمہارے موٹر کے نیچے دب گیا تھا۔ نجمی نے اپنا سر پکڑ کر کہا: ہاں بھئی ایک عورت میری موٹر سے ٹکرا کر دب گئی،،

فاروق نے افسوس کیساتھ کہا: یہ تو بہت برا ہوا، نجمی نے کہا: ہاں اب سزا بھی تو سخت مل گئی، زکیہ بیگم کچھ بولنا چاہتی تھیں۔ شمس الزماں نے باہر سے آ کر کہا۔

،، اب تو دو بج گئے فاروق چل کر سوؤ،،

زکیہ بیگم نے شمش الزماں سے پوچھا: تمہارے ابا سو گئے؟ شمش الزماں نے کہا: بڑی مشکل سے لٹا کر آیا ہوں اس ناگہانی خبر کا اُن کے اوپر بہت زیادہ اثر ہوا ہے مجھ سے اسوقت غلطی ہوئی میں نے فوراً اباجان کو یہ خبر سنا دی۔ فاروق نے پوچھا: طبیعت تو ٹھیک ہے۔ شمش الزماں نے کہا: اب کچھ دیر بات چیت کرنے سے ذرا دل کی بھڑاس نکلی ہے۔ نجمی نے کہا: اباجان کیا بات کر رہے تھے" شمش الزماں نے کہا: کہ اباجان کا خیال ہے کہ رعنا کو مرے ہوئے عرصہ ہو گیا ہے یہاں اطلاع نہیں کی تھی اب ڈوبنے کا بہانہ کر دیا۔ نجمی نے کہا: بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو کیوں فاروق تمھیں کچھ خبر ہے۔ فاروق نے کہا: مجھ سے تو ڈوبنے ہی کی خبر ملی ہے۔

نجمی نے کہا: مجھے وہ تصویر ضرور بھجدینا جو چچی جان کی روح نے توڑی ہے۔

شمش الزماں نے تعجب سے پوچھا: روح نے توڑ دی ہے یہ کیا بات ہے۔

زکیہ بیگم نے لفظاً بلفظ شمش الزماں کو سارا حال سنایا انھوں نے بغیر کچھ اہمیت دیئے بغیر کہا: بیچارے چچا جان کی حالت واقعی قابل افسوس ہے میں تو کل ہی ان کے پاس جاؤں گا۔ نجمی تمھیں بھی چلنا چاہیئے۔ نجمی نے کہا: مجھے تو اسوقت معاف ہی کریں میں نہیں جا سکتا۔ شمش الزماں نے کہا: کیوں تعطیل تو ابھی ہے۔ نجمی نے کہا: تعطیل تو ہے مگر چچا جان کی صورت دیکھ کر سخت رنج ہو گا اور یقین ہے وہ بھی زیادہ متاثر ہوں گے۔ پھر کبھی چلا جاؤنگا زکیہ بیگم نے کہا: میں خود نجمی کو لیکر چلوں گی۔ تمہارے ابا کو بھی جانا چاہیئے۔" شمش الزماں نے کہا: ابا نہیں جائیں گے ان کو جتنا رنج ہے اس سے زیادہ غصہ ہے۔ نجمی نے کہا: بس یہی حال میرا بھی سمجھئے ابھی گھر میں روزی ہے اسیں گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ شمش الزماں نے کہا: بالکل یہی الفاظ اباجان کے تھے" سلطانہ نے کہا: اسوقت چچا جان کے اوپر غصہ کرنے کا کیا موقع ہے انکے پاس

سب کو چلنا چاہیئے۔ روزی سے ہیں کیا مطلب۔ ہمرکیہ بیگم نے کہا کل انور آجائیں وہ تمھارے ابا کو سمجھائیں۔ رفیق الزماں کے پاس سب کو جانا مناسب ہے۔ وہ بیچارے خود ہی یہاں ہو گئے۔ شمس الزماں نے کہا اس کا تصفیہ کل ہوگا۔ اب رات زیادہ گزر گئی ہے۔"

شمس الزماں فاروق اور نجمی کو لیکر سونے کے کمرے میں چلے گئے۔

آٹھواں باب

جاڑے کا موسم ہے۔ رات کے نو بجے ہو نگے۔ نواب منن صاحب اپنے دیوانخانہ میں قالین پر دو شالہ اوڑھے گاؤ تکیہ سے لگے بیٹھے ہیں۔ سامنے پیچوان رکھا ہے کبھی کبھی ایک کش لگا لیتے ہیں۔ دو چار مصاحبین ارد گرد جمع ہیں۔ فرش پر ایک طرف شطرنج کی بازی بگی ہوئی ہے۔ کبھی کبھی نواب صاحب خود بھی کوئی چال بتا دیتے ہیں خاص توجہ اس وقت نہیں معلوم ہوتی اُن کی بے رخی دیکھ کر دو چار آدمی چلے گئے ہیں۔ اب کمرے میں صرف دو شخص رہ گئے ہیں جو منن صاحب کے راز دار اور خاص مصاحب ہیں۔ ایک مرزا جی دوسرے میر صاحب یہ دونوں ابھی تک شطرنج کھیل رہے ہیں"

مرزا جی نے خوش ہو کر نواب صاحب سے کہا حضور ذرا ملاحظہ فرمائیے میر صاحب کے بادشاہ کو اب کہیں پناہ کی جگہ نہیں رہی اب کی چال میں شہ اور مات نواب صاحب نے بازی کی طرف دیکھ کر کہا میر صاحب پھنسے تو بُرے ہو مگر ابھی بچ سکتے ہو اپنا فیل آگے بڑھاؤ" مرزا جی نے کہا

اے حضور یہ ہزار بند لگائیں۔ ورنہ جی تو میں ابھی دے سکتا ہوں۔ مگر پیدلی مات دینا چاہتا ہوں۔"

میر صاحب نے کہا۔ "اے حضرت آپ ہیں کس خیال میں ابھی دس برس بھی مات نہیں دے سکتے۔ مجھے کوئی اناڑی سمجھا ہے۔

ع عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

مرزا جی نے آستینیں چڑھا کر کہا۔ "قسم پروردگار کی اگر یہ خیال ہے۔ تو۔۔۔ ہو جائے ایک بازی بد کر۔" میر صاحب نے کہا۔ "ابھی تو یہ پیسے بد کر کھیلنے والے پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اگر ایسا ہی شوق ہے۔ تو کسی قمار خانہ میں چلے جایئے مجھے کیا آپ نے جواری سمجھا ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔ "ارے مال اٹھاؤ اپنی شطرنج کو آج تم لوگوں سے ضروری باتیں کرنا ہیں۔" میر صاحب نے کہا۔ حضور فرمائیں میں ہمہ تن گوش ہوں۔" نواب صاحب نے کہا آج ہماری بھاوج کا خط آیا ہے اب پچھتا کر راضی ہوگئیں۔ میر صاحب نے کہا حضور میں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا کہ سیدھی انگلیوں سے گھی نکلنے والا نہیں ہے۔ کچھ دھمکی دینے کی ضرورت ہے۔ بھلا اندھیر ہے جس کا کھائیں اسی پہ غرائیں اور وہ بھی ایک لے پالک پر ایسی ایسی چھوکریاں ہزاروں حضور کے قدموں سے لگی پڑی ہیں۔ وہ مثل مشہور ہے "راج ہٹ"۔ ورنہ کہاں حضور اور کہاں وہ ادنی کینز نواب صاحب نے خوش ہو کر کہا۔ "بس میر برکت علی تم نے صحیح بات کہدی اور حقیقت مجھے ضد ہوگئی ہے۔ اور آج سے نہیں برسوں سے تم میری طبیعت سے واقف ہو رنیوالی سے اسی بات پر جھگڑا ہوا تھا۔ یہ سارا ابس انہیں کا گھولا ہوا تھا۔ بھاوج اپنی طبیعت سے نیک ہیں۔ انہیں کی سکھائی پڑھائی تھیں۔ اب جو علاقہ بند کرنے کی دھمکی دی تو سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ عورتوں کو روپیہ

کی بڑی طمع ہوتی ہے۔ یہی حال اُن مرنے والی کا تھا۔ ہزاروں کا زیور اپنے ساتھ لے گئیں۔" میر صاحب نے کہا حضور ٹھیک فرماتے ہیں خدا بخشے حرفوں کی بنی ہوئی تھیں وہ مر گئی ہیں اور مجھ کو ایک دن مرنا ہے انکی روح نہ شرمائے۔۔ انھوں نے تو چودہ کوبڑوں کو مات کیا کس خاموشی اور چالاکی سے زیور کا۔۔۔ صندوقچہ غائب کیا کہ عقل دنگ رہ گئی۔" مرزا جی نے گردن آگے بڑھا کر دارلنہ لہجہ میں پوچھا کیا حضور زیور بھی لے گئی تھیں ہمیں آج تک اسکی خبر بھی نہیں نواب صاحب نے کہا۔ "وہ خبر کیسے ہوتی آج تک منہ سے بھاپ تک نہیں نکالی۔ ہمیں اپنے ناموس کا خیال تھا میر صاحب نے اپنی گول گول آنکھیں نکال کر کہا اس قطامہ مریم نے سب قیمتی چیزیں اڑا دیں۔" نواب صاحب نے کہا اور میرے فرشتوں کو خبر نہ ہوتی۔ خیر بھئی اب اس ذکر کو چھوڑو جو گیا سو گیا ہمیں تو اب اس لڑکی کو اپنے قبضہ میں کرنے کی فکر ہے یہ ہاتھ سے نہ جانے پائے بلا کی حسین ہے۔" میر صاحب نے کہا۔ جی ہاں سنا تو یہی ہے مگر حضور کا سا کوئی قدر دان بھی ملے۔ اُس کی قسمت جاگ جائے گی۔" نواب صاحب نے کہا۔ "وہ انگریزی بھی پڑھی ہوئی ہے۔ اُس کی ہمیں بہت ضرورت تھی آج کل یہ دستور نکل آیا ہے کہ راجاؤں۔ نوابوں کی بیگمات دعوتوں اور پارٹیوں میں اُن کے ساتھ شرکت کرتی ہیں صاحب کمشنر اور گورنر بہادر سے ہاتھ ملاتی ہیں۔ اور انگریزی میں بات چیت کرتی ہیں۔ ہم نے بھی سوچا ہے۔ کہ اب اپنے گھر میں پردہ نہیں کرائیں گے انسان کو زمانہ کے ساتھ چلنا چاہیے۔ ہم کیوں کسی سے پیچھے رہیں۔ مرزا صاحب نے کہا۔ "حضور جیسے روشن خیال اور بلند نظر رئیس کیلئے اسی کی ضرورت ہے۔ ہمارے سرکار خدانخواستہ کیوں کسی سے پیچھے رہنے لگے۔" میر صاحب نے کہا حضور کے دشمن کیوں پیچھے رہیں اب تو گورنر بہادر کے برابر کرسی لگا کرے گی۔ انگریز قوم میں عورتوں کی

بڑی عزت ہوتی ہے۔" مرزا جی نے کہا۔ "بس حضور اب شادی کی تیاری ہونی چاہیئے"
نواب صاحب نے کہا۔ "یہی تو تم لوگوں سے مشورہ کرنا ہے۔ لیکن کام ہو نہایت خاموشی
کے ساتھ۔ ہمارے مخالفین کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے شادی کے بعد افسران کو ایک ڈنر
دیدیں گے اور اسی موقعہ پر گھر میں سب کا تعارف بھی کرا دیں گے"۔ میر صاحب نے کہا یہ
رائے حضور کی نہایت مناسب ہے۔ مرزا جی نے مسکرا کر کہا یہ رائے حضور اب ایسی بھی
کیا سادگی۔ کم از کم اخری بانی مستفیض آباد دہلی کا تو مجرا ہونا چاہیئے"۔ نواب صاحب نے
ہنس کر کہا۔ ارے مرزا رسی جل گئی مگر ابھی تک بل نہیں گیا۔ میر صاحب بولے "بس
حضور اب تو تاریخ مقرر ہوتی چاہیئے۔ میری رائے ناقص تو یہ ہے کہ اس مہینے کی آخری تاریخیں
مناسب رہیں گی"۔ نواب صاحب نے کہا میر صاحب بڑھے ہوگئے عقل نہ آئی تاریخ لڑکی والوں
کی طرف سے مقرر کی جاتی ہے؟ ہماری بھاوج دو چار روز میں آنیوالی ہیں ان سے زبانی
بات چیت کر کے تاریخ طے کیجائے گی"۔ مرزا جی نے کہا۔ دلہن کے جوڑوں اور زیورات
کی تیاری کا حکم فرما دیجئے۔ آخر اس میں بھی کچھ وقت لگے گا۔" نواب صاحب نے
جواب دیا ارے بھئی وہ پرانے زمانہ کے زیورات اور جوڑے میں نہیں بنواؤنگا
آج کل کے فیشن کے مطابق ساڑیاں اور نازک جوڑے و زیور بنوا لئے جائینگے
بلکہ بنے بنائے خرید لیں گے"۔ میر صاحب نے کہا حضور کی رائے نہایت مناسب
ہے۔ ان بھدے بھدے بھاری زیورات اور چار چار تھان کے کلی دار پاجاموں کے پہننے
سے کیا حاصل ہوتا تھا جس وقت بیگم صاحبہ دو قدم چلنے کا ارادہ کرتی تھیں دو دو لونڈیاں
پائنچے سنبھالنے کو کھڑی ہوتی تھیں۔ عجیب لغو پوشاک تھی۔ نواب صاحب نے کہا۔
استغفر اللہ وہ بھی کوئی لباس تھا۔ ہم نے تو اب سوچ لیا ہے۔ کہ سوائے ساڑی کے
دوسرا لباس نہیں پہنوائیں گے۔" مرزا جی نے کہا حضور اب تو بسم اللہ کر کے کلکتہ۔ بمبئی
بنارس۔ دہلی آرڈر دے دینے چاہئیں۔ یا پھر جس کو حضور حکم دیں وہ جا کر

سب سامان خرید لائے تھے۔ نواب صاحب نے کہا۔ ذرا ہماری بھاوج کے یہاں کا تو پتہ چلاؤ وہ کیا کیا تیاری کر رہی ہیں۔ زیورات اور نقدی ان کے پاس بہت ہے۔ مرزا جی نے کہا یہ کونسا مشکل کام ہے۔ حضور! خادم کے گھر میں سے بیگم صاحب کی مغلانی ہیں۔ بغیر اُن کی رائے کے بیگم صاحب ایک تنکا نہیں اُٹھاتیں۔ وہاں کا حال تو میں رتی رتی معلوم کر سکتا ہوں۔ نواب صاحب نے خوش ہو کر کہا۔ بھئی واللہ مرزا یہ تو ہمیں آج ہی معلوم ہوا پھر تو ہر بات نہایت آسانی سے معلوم ہو سکتی ہے اور تم کہتے ہو بغیر مغلانی کی رائے کے وہ کوئی کام نہیں کرتیں۔ مرزا نے کہا۔ "جی ہاں حضور۔ سیاہ و سفید کی مالک مغلانی ہیں" نواب صاحب نے کہا۔ اب ذرا اُن زیورات کا بھی پتہ چلاؤ جو ہمارے والد کے زمانے کے تھے۔ کئی ہزار کا زیور تھا۔ بعض چیزیں تو اُن میں بہت قیمتی تھیں" میر صاحب نے کہا۔ "اے حضور ہزاروں کیا لاکھوں کہیے۔ بڑے نواب خلد آشیاں کے پاس جو دادا صاحب جنت مکانی کا خلعت تھا۔ شاہان اودھ کے زمانہ کا اُس کی قیمت کا کیا کہنا ہے۔ کوئی پچیس تیس ہزار کی تو صرف ایک کلغی تھی۔ ہیروں کی جوت سے گوہر شب چراغ کا دھوکا ہوتا تھا۔ اور انگرکھا سبحان اللہ کیا کاشانی مخمل تھا۔ گویا سونے کا دریا لہریں مار رہا ہے۔ اس کے کناروں پر جو بیل بنی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں چکاچوند پیدا کرتی تھی۔ لعل بدخشاں کے پھول اور زمرد کے پتے اس صفائی اور نزاکت سے بنائے گئے تھے۔ کہ بیساختہ بنانے والے کے ہاتھ چومنے کو دل چاہتا تھا۔ چولی اور کنٹھی پر صراج دار موتیوں کی جھالر کیسی خوبصورتی سے لگائی تھی۔ حضور کو تو یاد ہوگا۔" نواب صاحب نے جواب دیا۔ اے ہاں جانے بھی دو۔ جس کی قسمت کا ہوگا اس کو مل جائیگا۔ اگر اُنھوں نے ہماری حق تلفی کی تو کیا نتیجہ ملا۔ اب خدا انہیں کے ہاتھ سے سب کچھ ہمیں دلا دیگا۔ میر صاحب نے کہا حضور کے واسطے پردۂ غیب سے یہ انتظام ہوگیا۔ صبر کا پھل

میٹھا ہوتا ہے۔ اب دیکھئے گا۔ ترقی اس لڑکی کے ذریعہ حضور کے پاس آجائیگا۔"
نواب صاحب نے کہا بھئی اگر ایمان کی بات پوچھو تو اصل مقصد ہمارا یہی تھا اس
لڑکی سے شادی کرنے کا تو ہم نے ایک حیلہ نکالا ہے۔" میر صاحب نے کہا۔ واللہ
کیا پانسہ حضور نے پھینکا ہے۔ دماغ ہو تو ایسا ہو۔" مرزا جی نے کہا حضور کے دماغ کی
بڑے بڑے انگریز تعریف کرتے ہیں۔ تیجا رام ڈاکو سے تو پولیس نے بھی پناہ
مانگ لی تھی۔ مگر ہمارے حضور نے کلکٹر صاحب کو وہ گُر بتایا کہ تین دن کے اندر
تیجا کے ہتھکڑیاں پڑ گئیں۔ یا تو یہ کہو کہ راجہ صاحب حسین آباد مخالفت پہ اُتر آئے۔
ورنہ ہمارے سرکار کو تو وکٹوریہ کراس کا تمغہ مل گیا ہوتا۔" نواب صاحب بولے۔
ارے ماں برکت علی ایک بات کا تو ہمیں خیال ہی نہیں رہا۔ وہ خضاب کا نسخہ جو
تمہیں کسی درویش نے دیا تھا وہ تو تیار کراؤ۔" میر صاحب نے کہا۔ خوب یاد دلایا
حضور۔ اس کی تیاری میں کم از کم دو ہفتے صرف ہونگے۔ مشکل یہ ہے۔ کہ کئی قسم
کی جڑی بوٹیاں ایسی ہیں جن کا دستیاب ہونا دشوار ہے۔ پہاڑوں پر ڈھونڈنے
سے شاید ملیں۔" نواب صاحب نے کہا جس طرح ممکن ہو خضاب تیار ہونا چاہیئے۔"
میر صاحب نے کہا خادم کو کیا عذر ہے کل ہی روانہ ہو جاتا۔ لیکن موسم سرما کا زمانہ
ہے۔ کل کپڑا خرید کر درزی کو دونگا اور اس سے تاکید کر دونگا۔ کہ جس قدر جلد ممکن
ہو کوٹ تیار کردے۔ یہ کوٹ جو پہنے ہوئے ہوں کئی سال کا ہو گیا ہے۔ گرمی نام
کو نہیں رہی کپڑے کا رواں تک گھس گیا ہے اور حضور آج کل چلّے کا جاڑا
ہے۔ پہاڑوں پہ تو برف کٹ رہی ہے۔

نواب صاحب نے کہا۔ "بھلا اب اتنا وقت کہاں کہ کپڑا خرید کر تم کوٹ
سلواؤ۔ چار پانچ روز یونہی ضائع ہو جائیں گے تم بعض وقت بیوقوفی کی باتیں..
کرتے ہو کوٹ اور کمبل سب چیزیں تم کو مل جائیں گی۔ کل ہی روانہ ہو جاؤ۔"

میر صاحب نے دست بستہ آداب بجا لاکر کہا حضور ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ خادم آج کے چوتھے روز حاضر ہو جائیگا۔"
مرزا جی نے میر صاحب کو غصّہ کی نظر سے دیکھا اور اپنے دماغ پہ زور ڈال کر ایک لطیفہ تیار کر کے بولے "حضور کیا عرض کروں یہ خضاب وغیرہ سب عارضی چیزیں ہیں اگر دو تین مہینے اس کا اثر رہا تو کیا پھر وہی جھگڑا کرنا پڑتا ہے۔ کوئی نسخہ ایسا ملنا چاہیے جس سے ہمیشہ کے واسطے اس سر دردی سے چھٹکارہ ہے" نواب صاحب نے کہا مرزا جی تم تو ایسی باتیں کرتے ہو کہ گدھوں کو بھی ہنسی آجائے۔ بھلا کہیں ایسا نسخہ مل سکتا ہے۔ آخر تقاضائے سن بھی تو ہے۔ بڈھوں کو جوان ہوتے ہم نے کہیں نہیں سُنا"
میر صاحب نے کہا۔ "وہ اے خدا نخواستہ حضور بڈھے کیوں ہونے لگے۔ میرے سلامتی کے بچے۔ یہ تو نزلہ سے بال سفید ہو گئے۔ آج کل کون ایسا ہے۔ جس کے بال سفید نہیں۔" جہاں بیس بائیس کا سن ہوا اور بال سفید ہونے شروع ہو گئے۔ حضور کو یقین نہیں آئیگا۔ میرا ایک بھتیجہ ہے کوئی سولہ یا سترہ برس کا ہوگا۔ مسیں بھیگ رہی ہیں مگر کیا عرض کروں بجائے سیاہ بالوں کے سفید بال نمودار ہو رہے ہیں۔" نواب صاحب نے انکی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ کیوں بھی مرزا جی تمھیں کوئی نسخہ معلوم ہے۔" مرزا نے کہا کیا عرض کروں ایک سادھو کو میں نے دیکھا ہے اسکی عمر ایکسو دس سال کی ہے۔ لیکن دیکھنے والے اُسے چالیس سے زیادہ کا نہیں سمجھتے ہیں مجھے تو حضور حیرت ہو گئی۔ خدا نے کیا کیا عجیب چیزیں دُنیا میں پیدا کی ہیں۔ مگر انسان اُن سے بے خبر ہے۔" میر صاحب بولے۔ "مرزا جی آپ بھی زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔ ہم نے آج تک کسی بڈھے کو جوان ہوتے نہیں سُنا" مرزا جی نے کہا قسم ہے کلام پاک کی۔ بھلا نواب صاحب

کے حضور میں جھوٹ بول سکتا ہوں اپنی آنکھو دیکھی بات کہہ رہا ہوں - اگر آپکو یقین
نہ ہو تو کل ہی میرے ساتھ چل کر اس سادھو سے ملاقات کر لیجئے - اور اس کے
دوبارہ جوان ہونے کا قصہ بھی سُن لیجئے گا - یہاں سے پانچ چھ کوس پر تو رہتا ہی ہے"
نواب صاحب نے کہا بھئی مرزا ممیس ہماری جان کی قسم وہ قصہ ہمیں بھی تو سناؤ کس طرح
وہ سادھو دوبارہ جوان ہو گیا" - مرزا جی نے کہا - "حضور قصہ یہ ہے - کہ ... وہ
سادھو ترائی کے جنگلوں میں راستہ بھول کر کسی ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں درندوں کا
مسکن تھا اتفاق کہیے یا سادھو کی خوش قسمتی کہئے - اسوقت سب جانور اپنے اپنے
غاروں میں گھسے ہوئے تھے - سادھو بیچارہ ڈر کا مارا جان کے خوف سے ایک
گھنی جھاڑی میں گھس گیا - وہاں کیا دیکھتا ہے - کہ ایک خونخوار ریچھ زمین پر پڑا کراہ رہا
ہے - سادھو کی تو مارے ڈر کے جان ہی نکل گئی نیچے کا سانس نیچے اور اوپر کا سانس
اوپر نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن - اب خدا کی قدرت ملاحظہ کیجئے کہ وہ خونخوار
درندہ سادھو کے پیروں پر اپنی تھوتھنی رگڑنے لگا - اور زمین پر لوٹ لوٹ کر
گویا فریاد کرتا تھا - سادھو بھی بڈھا آدمی دنیا دیکھے ہوئے تھا - سمجھ گیا کہ اس جانور
کو ضرور کوئی نہ کوئی تکلیف ہے اور یہ مجھ سے مدد مانگ رہا ہے - دل کڑا کر کے
ڈرتے ڈرتے اس کے قریب زمین پر بیٹھ گیا - ریچھ نے اپنا پنجہ اس کے آگے
بڑھا دیا سادھو نے دیکھا کہ ریچھ کے پیر کے تلوے میں ایک بالشت بھر کا کنکھجورا چمٹا ہوا
ہے - اور اپنی ساری ٹانگیں تلوے میں پیوست کر رکھی ہیں - اُس نے فوراً آگ جلا کر
پتلا سا دست پناہ آگ پر رکھ دیا جب وہ خوب سُرخ ہو گیا - کنکھجورے کی پیٹ پر لگوایا -
گرمائی پا کر کنکھجورا بلبلا کر نکل آیا سادھو نے اسکو وہیں کچل ڈالا ریچھ نے غور سے کنکھجورے
کو دیکھا دو چار جھٹکے ٹانگ کو دیکر وہ کھڑا ہو گیا - اور لنگڑاتا ہوا ایک درخت کے قریب
پہنچا - ایک پھل اس درخت سے توڑ کر سادھو کے سامنے ڈال دیا اور کچھ اشارہ

کہنے لگا۔ سادھو اس کا مطلب بالکل نہیں سمجھا۔ ریچھ نے پھل اُٹھا کر ایک پتھر پر دے مارا اس کے دو ٹکڑے ہوگئے ایک ٹکڑا ریچھ نے خود کھا لیا دوسرا سادھو کی طرف پھینک دیا۔ اب سادھو اُس کا مطلب سمجھ گیا۔ خوف کی وجہ سے جان تو پہلے ہی نکل رہی تھی چپکے سے وہ پھل اُٹھا کر کھا لیا۔ ریچھ نے اپنی راہ لی۔ سادھو دم بخود بیٹھا رہا تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہے کہ اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال جھڑنے شروع ہوگئے۔ اب تو یہ بہت پریشان ہوا کہ جانور کے اشارہ سے یہ کیا نادانی کر بیٹھا۔ یہ اسی سوچ اور پریشانی میں تھا کہ اس کو اپنے جسم میں ایک بجلی کی سی لہر دوڑتی ہوئی معلوم ہوئی۔ سر اور داڑھی کے بال دوبارہ بالکل سیاہ نکلنے لگے۔ دانت جو برسوں کے ٹوٹے ہوئے تھے نمودار ہونے شروع ہوگئے۔ تمام جسم کی جھریاں ایک لخت دور ہوگئیں اب سادھو نے اپنے تیئں ایک نوجوان شخص پایا۔ اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ وہ سیدھا اس درخت کے پاس پہنچا۔ اور ان پھلوں کو تلاش کرنے لگا۔ بہت ڈھونڈنے سے صرف دو پھل ملے سادھو نے ان کو توڑ کر اپنی جھولی میں رکھا۔ اور سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ اب وہ طاقتور ہو گیا تھا درختوں پر آسانی سے چڑھ سکتا تھا۔ تیسرے چوتھے روز اپنی منزل مقصود پر جا پہنچا۔" نواب صاحب ہکا بکا مرزا جی کی شکل دیکھ رہے تھے۔ آنکھیں معمول سے زیادہ کھلی ہوئی تھیں اور ساتھ ہی منہ بھی کھولے ہوئے تھے پان کی گلوری آدھی گلے میں تھی اور آدھی باہر نکلی ہوئی تھی۔ مرزا جی نے کہا حضور یہ قصہ سادھو نے مجھ سے بیان کیا تھا۔ واللہ اعلم کہاں تک صحیح ہے میر صاحب نے کہا ہمیں تو یقین آتا نہیں۔" نواب صاحب نے کہا ارے میاں خدا کی خدائی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہمارے بچپن میں ایک شاہ صاحب آیا کرتے تھے۔ انکی تمام عمر سیاحی میں گزری تھی۔ وہ فرماتے تھے کہ ایکمرتبہ ریگستان میں انکو ایک فقیر ملے جو

بارہ سال سے کسی شے کی تلاش میں تھے ان کا یہی کام تھا کہ دس دس قدم پر مٹی اُٹھا کر سونگھا کرتے تھے۔ ہمارے شاہ صاحب بھی اُن کے ساتھ ہو لیے کہ جو خدمت مجھ سے ہو سکے گی انجام دونگا۔ عرصہ تک یہ انکے ساتھ رہے ایک روز بزرگوار نے ایک جگہ کی مٹی سونگھ کر فرمایا۔ "بابا اِس جگہ کی مٹی کھودنا شروع کرو۔ دونوں نے مل کر کھدائی شروع کر دی جب پانچ چھ گز گہرا گڑھا کھودا گیا تو وہ بزرگ خود اُس کے اندر اتر گئے۔ اور ایک جانور مچھلی کی قسم کا باہر نکال کر لائے اُس کے بعد آگ جلا کر اُس کو انھوں نے بھونا اور نمک مرچ چھڑک کر خوب مزے سے کھا گئے ہمارے شاہ صاحب کہتے تھے کہ اُن بزرگ کے بازوؤں میں سے پہلے تو چٹ چٹ آواز آنی شروع ہوئی تھوڑی دیر میں کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے دونوں بازوؤں پر پر نکل آئے اور وہ ایک پرند کی طرح پرواز کر گئے۔ شاہ صاحب بیچارے تکتے کے تکتے رہ گئے جب انکی حیرانی ذرا کم ہوئی۔ تو انھوں نے وہاں ڈھونڈنا شروع کیا کہ شاید کوئی ریزہ مجھے بھی ملجائے۔ دو چار چھچھڑے جو اس بزرگ نے تھوک دیئے تھے۔ اُن کو پڑے ہوئے ملے انہوں نے انکو اُٹھا کر کھا لیا۔ اس کا اثر اتنا ہوا تھا۔ کہ شاہ صاحب بھی بڑھاپے کے عالم میں چار پانچ گز کی جست بھرنے لگے تھے ہم نے اپنی آنکھوں سے اُن کو جست لگاتے دیکھا تھا۔ مرزا جی نے میر صاحب کی طرف دیکھ کر کہا۔ "سنا آپ نے اب تو میرا یقین کیجئے گا۔ سادھو کو جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ تھا؟ نواب صاحب نے کہا بھئی میر صاحب! تم اپنا پہاڑ پر جانا ملتوی کرو۔ مرزا جی کے ساتھ اُس سادھو کے پاس جا کر واقعات دریافت کرو اور یہ پوچھو کہ یہ پھل اِس کے پاس اب بھی ہے یا نہیں" مرزا جی نے کہا حضور میں پہلے ہی دریافت کر چکا ہوں۔ سادھو کہتا تھا اُس نے

اُن پھلوں کو خشک کر کے اُن کا سفوف بنا لیا تھا۔ اب صرف ایک خوراک باقی ہے۔ قیمت میں نے پوچھی تو اُس نے ہنسکر کہا کہ بابا ابتک تو میں ضرورت مندوں کو مفت ہی دیتا رہا۔ لیکن یہ آخری خوراک ہے کسی نواب یا رئیس کو دیکر انعام لونگا تاکہ باقی زندگی آرام سے بسر کروں۔" نواب صاحب نے کہا بھئی مرزا تمھیں جناب امیر کا واسطہ جلدی کرو کہیں وہ آخری خوراک ختم نہ ہو جائے۔ ہمارا نام لیکر کہنا سادھو کی منہ مانگی قیمت دیں گے۔ اور تم لوگوں کو بھی خوش کر دینگے۔ بھلا ایسا نایاب نسخہ تو جالینوس کے پاس بھی نہ ہوگا۔ تم اتنے دن سے کہاں سو رہے تھے جو ہم سے ذکر تک نہیں کیا۔" مرزا جی نے جواب دیا۔ "بات یہ ہے۔ کہ میں حضور کے مزاج سے واقف ہوں وہ اگر یہاں منہ پھیلاتا۔ اور حضور اس کے کہنے میں آکر ہزاروں کا نقصان کر دیتے۔ تمام عمر نمک کھایا ہے۔ رتی رتی حال مجھے معلوم ہے۔" نواب صاحب بولے۔۔۔۔ "ارے بھئی اب تو ہزاروں نقد اور ہزاروں کا زیور مل رہا ہے۔ میں سب کچھ جوانی کے اوپر قربان کر دوں گا۔ کل صبح ہی لالہ مولچند کو بلا کر روپیہ کا انتظام کرتا ہوں۔ تم سادھو کو لے کر آنا۔"

نواب صاحب کھڑے ہو گئے۔ میر صاحب اور مرزا جی نے نہایت ادب سے جھک کر آداب کیا اور اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ راستہ میں مرزا جی نے کہا واہ میر صاحب بڈھے ہو گئے پر عقل نہ آئی ایک کمبل اور کوٹ لیکر پہاڑ پر چلے تھے۔ اجی روز روز ایسے موقعے کہاں پیش آتے ہیں۔ کیوں نہ بھرپور ہاتھ ماریں میر صاحب نے کہا یہ سمجھ لو کہ آدھے کا ساجھا ہے گا ورنہ بھانڈا پھوڑ دوں گا۔" مرزا جی نے جواب دیا۔ "میں نے تو تمھیں پہلے ہی آنکھ کا اشارہ کیا تھا۔ کل تو رہو غائب۔ کہدیں گے سادھو کو ڈھونڈنے میں دیر لگی۔

پرسوں چل کر دوا کی قیمت دو ہزار بتلائیں گے۔ بڑھاپے میں شادی کے شوق میں پاگل بن رہا ہے۔ دوسرے سمجھتا ہے بہت سی دولت ہاتھ آئے گی۔ اور اب چاہتا ہے جوانی بھی واپس آجائے۔" میر صاحب نے کہا سب کچھ تو ہے۔ مگر دوا کہاں سے لاؤ گے؟ مرزا جی نے کہا دوا کی بھی ایک ہی رہی۔ دیدیں گے کچھ الابلا۔ اجی تم دیکھنا میں سادھو کو خود نواب صاحب کے سامنے لیجا کر کھڑا کر دوں گا۔ تاکہ ہمارے اوپر کوئی الزام نہ آوے۔" میر صاحب نے کہا۔ سادھو کو کہاں سے لاؤ گے؟ مرزا جی نے کہا۔ "میں اپنے لڑکے کو سادھو بنا دوں گا۔ روپیہ بھی اسی کو دلواؤں گا۔ ہم لوگ کچھ انعام اکرام نہیں لیں گے تاکہ نواب کو ہماری نیک نیتی اور خیر خواہی پر بھروسہ رہے۔" میر صاحب نے کہا۔ ترکیب تو اچھی سوچی ہے۔ کارگر ہو جائے۔ عجب بات ہے مرزا جی نے کہا۔ "کارگر ایسی ہوگی کہ آپ دیکھا کیجئے گا۔ سوائے میرے اور آپ کے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے اس کا خیال رکھئے گا۔" میر صاحب نے کہا۔ "اجی استغفراللہ میں کسی سے کیوں کہنے لگا۔ ایک ہزار روپیہ آتا کسی کو برا لگتا ہے اور پھر ہلدی لگے نہ پھٹکڑی رنگ چوکھا۔ مگر بھئی مرزا دوا میں تاثیر کہاں سے پیدا کرو گے۔ دو چار روز میں بھانڈا پھوٹ جائیگا۔ مرزا جی نے کہا۔ آپ تو قیامت سے پہلے گریبان چاک کرنے لگے۔ آپ دیکھئے گا کیسا چکمہ دیتا ہوں میر صاحب نے کہا "ہمیں کیا مطلب مردہ دوزخ میں جائے یا بہشت میں ہمیں تو اپنے حلوے مانڈے سے کام۔ مرزا جی بولے "بس تم تو ہاں میں ہاں ملائے جانا۔" میر صاحب نے کہا "اجی میں اور گل پھول لگا دوں گا تم نے مجھے کیا سمجھا ہے۔ نواب کو باتوں میں ملانا تو بائیں ہاتھ کا کرتب ہے" مرزا جی کا مکان آگیا اور میر صاحب سے رخصت ہو کر اپنے گھر میں چلے گئے۔

نواں باب

نجم الزماں اپنے گول کمرے میں نہایت خاموش اور رنجیدہ بیٹھے ہیں۔ انکے دو تین دوست بھی موجود ہیں۔ سروپ کمار ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ.. برجموہن ڈپٹی کلکٹر اور ظفر احمد بیرسٹر مختلف قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ مگر نجمی کو ان لوگوں کی گفتگو میں ذرا بھی دلچسپی نہیں معلوم ہوتی۔ وہ برابر سگرٹ کے... دھوئیں کو ٹکٹکی باندھے اوپر کی طرف جاتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔

رعنا کے ڈوبنے کی خبر معلوم ہوئے پندرہ دن سے زیادہ گذر چکے ہیں مگر نجمی کے دل پر جو اس اچانک حادثہ کا اثر ہوا ہے۔ وہ کسی طرح کم نہیں ہوتا اُن کا ہنستا ہوا خوشحال چہرہ اب اُداس اور غمگین نظر آتا ہے وہ اکثر رات کی تنہائی میں اپنے بستر پر پڑے پڑے آنسو بہایا کرتے ہیں۔ اُن کا وہ نایاب موتی جس کو وہ بچپن سے اپنے گلے کا ہار سمجھتے تھے۔ سمندر کی تہہ میں جا پہنچا اب وہ کنارے پر خالی ہاتھ کھڑے حسرت سے دیکھ رہے ہیں۔ ان کی بارہ برس کی اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔

نجمی اسوقت بھی انہیں خیالات میں غوطے کھا رہے ہیں۔ سروپ کمار نے نجمی کی طرف اشارہ کرکے ظفر سے کہا۔ بیچارے کیسے معصوم بچوں کی طرح دھوئیں کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔" ظفر نے نجمی سے کہا۔ "میرا خیال ہے تم کچھ دن کی رخصت لیکر گھر چلے آؤ۔ مجھے اندیشہ ہے۔ اس طرح تنہائی میں تمھاری صحت پر خراب اثر نہ پڑے پندرہ بیس روز میں تم نے اپنی کیا حالت بنالی ؟" سروپ کمار نے کہا۔ "مجھے سخت تعجب ہے۔ نجمی کو رنج

کس کا ہے۔" نہ کبھی انھوں نے اپنی بیوی کو دیکھا نہ اُس بیچاری سے بات چیت کرنے کا موقع ملا۔ یہ بھی کوئی شادی تھی۔ محض سنی سنائی خبر پہ بیٹھے ماتم کر رہے ہیں۔ میں تو اُن کو ایسا کم عقل نہیں سمجھتا تھا۔ عجب کمزور طبیعت کے آدمی ہیں۔ ظفر نے کہا نہیں بھئی یہ تو ایک قدرتی بات ہے۔ اُن کے دل پہ اثر ہونا ضروری ہے۔ وہ لڑکی کوئی غیر تو تھی نہیں اُن کے سگے چچا کی بیٹی تھی۔ اگر نکاح نہ بھی ہوا ہوتا تب بھی اِن کو رنج ہونا لازمی تھا۔ علاوہ بریں موت بھی کیسے افسوس ناک طریقہ پہ ہوئی ...... مگر کہاں تک اب تو اس خبر کو سنے ہوئے بہت روز گزر گئے انھوں نے ہر جگہ آنا جانا ترک کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ کلب بھی نہیں جاتے اِن باتوں سے کیا فائدہ "

سروپ کمار نے ظفر سے کہا تم بھی ناسمجھی کی باتیں کرتے ہو کلب جا کے اُن کو اور زیادہ قلق ہوگا" ظفر نے پوچھا کس وجہ سے" سروپ کمار نے کہا مسز ظفر کو تمہارے ساتھ دیکھ کر نجمی کے دل پر سانپ لوٹیں گے۔" برجموہن نے مسکرا کر کہا اگر نجمی کی بیوی یہاں ہوتیں اور نجمی کے ساتھ کلب جاتی ہوتیں تو شاید اس موقعہ پر ظفر کے ساتھ مسز ظفر کو دیکھ کر اِن کے دل میں کچھ خیال آتا مگر اِن بیچارے کو یہ دن کہاں نصیب ہوا تھا۔" سروپ کمار نے نجمی سے کہا۔ "میں پوچھتا ہوں تمہیں اپنی بیوی کی کونسی بات یاد آتی ہے۔ چار سال کے بچے تو اکثر انگوٹھا چوسا کرتے ہیں میرے خیال میں تو اس بیچاری کی شکل بھی اچھی طرح تمہیں یاد نہ ہوگی۔ یہ سب ہوا نگ تم نے مسز ظفر کو دکھانے کے لئے بھرا ہے وہ ہی نئی ہندوستان آئی ہیں۔ باقی یہاں کی سب عورتیں تو جانتی ہی ہیں۔ کہ ہندوستان کے مرد خدا کے فضل سے پوتا پوتی نواسہ نواسی والے ہو کر بھی بیوی کا کفن میلا ہونے سے پہلے ہی اپنا گھر آباد کر لیتے ہیں "

نجمی نے کہا۔ "تمہاری اس قسم کی مہمل باتیں مجھے پسند نہیں۔ خاموش بیٹھو" سروپ
کمار نے کہا۔ "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے میں یہاں بات چیت کرنے اور اپنا دل
بہلانے آتا ہوں خاموش کیسے بیٹھوں" نجمی نے کہا "اچھا تو آپ کی تفریح کا کوئی
سامان نہیں ہے تشریف لیجائیے۔" سروپ کمار نے کہا۔ "آج تو میں کلب میں
بیڑا اٹھا کر آیا ہوں کہ جب تک تم اپنی پہلی حالت پر نہ آجاؤ گی میں یہاں سے جانے
والا نہیں۔ مجھے تمہاری یہ سنجیدگی اور خاموشی کاٹنے کو دوڑ رہی ہے۔ جو شخص
ہر وقت پھول کی طرح کھلا رہتا ہو وہ ایک بے بنیاد بات پر ایسا گم سم ہو جائے۔
آخر دیکھنے والے کیا کہیں گے؟" نجمی نے جواب دیا "دیکھنے والوں کو مطلب نہیں
خود اسی وجہ سے کہیں آتا جاتا نہیں۔ تم کیوں خواہ مخواہ میرا دماغ چاٹتے جاتے
ہو؟" سروپ کمار نے کہا "مجھے یہاں آنے سے کون روک سکتا ہے۔ پہلے ایک
وقت آتا تھا اب دو وقت آیا کرونگا۔ اور اگر تم نے اپنی حالت کو درست
نہیں کیا تو اپنا سامان یہیں اٹھا لاؤں گا۔ معلوم ہوتا ہے۔ بیچارے بیوہ ہو گئے
ہیں۔ اور شوہر کے سوگ میں عدت کریں گے۔ کیا چار مہینے تک گھر سے باہر قدم
نہیں نکالو گے؟" نجمی نے کہا "تم اپنی بکواس بند کرو۔ مجھے ایسی باتوں سے تکلیف
ہوتی ہے۔ بے موقعہ مذاق اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ عقل تو گویا تمہارے سمجھنے
میں آتی ہی نہیں جو بات کرتے ہو بے تکی" سروپ کمار نے کہا۔ "کہو تو تک
بندی کروں۔ شاعری کروں۔ بھجن گاؤں۔ ڈانس کروں مگر مسٹر ظفر تو یہاں
ہیں ہی نہیں مجھے سب کچھ آتا ہے" نجمی نے کہا۔ "بس اس وقت تو تم خاموش
ہی بیٹھے رہو یا پھر ظفر سے باتیں کرو۔ موہن بیٹھے ہیں ان سے بولو میں تمہیں منع
نہیں کرتا۔ لیکن میرا پیچھا چھوڑ دو" سروپ کمار نے کہا۔ "ظفر اور موہن بھی کوئی
آدمی ہیں۔ جن سے بات کیجائے میرے ساتھی تو تم ایک ہی ہو۔ جب تمہاری

بھی یہ حالت ہو جائے تو بتاؤ میں کیا کروں سوچتا ہوں اب یہاں سے اپنا تبادلہ
کرالوں۔ مگر جہاں جاؤں گا تمہارے بغیر چین نہیں آئیگا۔ ظفر نے کہا اِس
میں شک نہیں۔ کہ بغیر نجمی کے زندگی اُداس ہو جائے گی۔" سروپ کمار نے کہا۔
اگر واقعی تمہاری بھی یہ حالت ہے۔ تو ایک ترکیب بتاؤں اُن کا علاج تمہارے
ہاتھ میں ہے۔ کل تک ٹھیک نہ ہو جائیں۔ تو میرا ذمہ۔ وعدہ کرو تو ایک مجرب منتر
بتاؤں۔ ظفر نے کہا۔ "میں خوشی سے وعدہ کرتا ہوں۔" نجمی نے مسکرا کر کہا۔
دیکھو ظفر یہ کوئی بیہودگی کی بات نہیں مجھے۔" سروپ کمار نے کہا۔ "ابھی منتر
نہیں بتایا ہے۔ مگر نجمی کے چہرے پر خود بخود مسکراہٹ آگئی ہے۔ اگر تم نے
وہ ترکیب کر لی تو دیکھنا کیسا اچھا اثر ہوگا۔ ظفر نے کہا۔ میں کہہ تو رہا ہوں۔
تیار ہوں منتر تو بتاؤ۔ سروپ کمار نے کہا سنو بھئی ایک شخص کی بیوی کا انتقال
ہو گیا۔ اُس کو اسقدر رنج ہوا کہ ہر جگہ کا آنا جانا۔ کھانا پینا۔ غرض یہ کہ دنیا
کا ہر کام ترک کر دیا دن رات رویا کرتا تھا۔ دوست احباب سمجھاتے سمجھاتے
عاجز آگئے۔ مگر کسی طرح اُس کی حالت میں فرق نہیں ہوا۔ جب پندرہ بیس
روز اسی حالت میں گذر گئے تو محلہ کی ایک بڑھیا عورت نے اُس کے پاس
جا کر بڑے پیار اور محبّت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا "بیٹا میں تیرے
صدقے ہو جاؤں تو نے اپنا کیا حال کر رکھا ہے۔ بیویاں سب کی مرتی ہیں۔ مگر
تیری طرح کسی کو غم کرتے نہیں دیکھا۔ کچھ تو اپنے دل کی بات بتا۔" اُس شخص
نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا بڑی بی کیا بتاؤں جب میری ماں کا انتقال ہوا تھا
تو محلہ کی بڑی بوڑھیاں میرے پاس آکر تسلی دیتی تھیں۔ کہ بیٹا تو کیوں اسقدر
رنج کرتا ہے۔ دنیا میں یہ ہوتی آئی ہے۔ ہزاروں بن ماں کے بچے موجود ہیں۔
اگر تیری ماں مر گئی تو کوئی نئی بات نہیں۔ تو ہمیں اپنی ماں سمجھ۔ ہم تیری دیکھ بھال

رکھیں گے میرے دل کو تقویت ہو گئی - جب میری بہن کا انتقال ہوا تو محلہ کی لڑکیوں نے سمجھایا - کہ بھیا تم رو رو کر ہلکان ہوتے ہو ہمیں اپنی بہن سمجھو ہم تمہارے دکھ درد میں شریک ہو جائیں گے" میرا دل کھڑا ہو گیا -- اب جب سے میری بیوی کا انتقال ہوا ہے - کسی عورت نے آکر مجھ سے یہ نہیں کہا کہ ہمیں تم اپنی بیوی سمجھو" برجموہن نے ایک زبردست قہقہہ لگایا - ظفر نے جھینپ کر کہا - "اس لطیفہ سے تمہارا کیا مطلب ہے" برجموہن نے کہا کیا تم اس کا مطلب نہیں سمجھتے؟ سروپ کمار نے کہا خیر میں سمجھائے دیتا ہوں - مطلب میرا یہ ہے - کہ مسز ظفر سے بہتر نجمی کی دلجوئی کرنے والا کوئی نہیں مل سکتا؟ نجمی نے ہنستے ہوئے کہا - "بڑے بیہودہ ہو سروپ تم" سروپ کمار نے جواب دیا - "اس میں بیہودگی کی کوئی بات نہیں ہے -- دیکھو ابھی تو میں نے منتر بتایا ہی ہے - تمہیں ہنسی آ گئی اگر مسز ظفر اس منتر کو پڑھ کر تمہارے اوپر پھونک دیں - تو دیکھنا کل ہی تمہارا سارا غم دور ہو جائے -"

برجموہن نے کہا - "ترکیب تو بہت اچھی ہے - سروپ کمار نے کہا مسز ظفر کا انتخاب بھی کیسا لاجواب کیا ہے - اب ظفر کو تیار ہو جانا چاہیئے -" ظفر نے کہا - کیا میں ہی رہ گیا ہوں - تم لوگ خود کیوں نہیں اس ترکیب کو عمل میں لاتے تمہاری بیوی بھی تو موجود ہیں سروپ کمار نے کہا - "ارے بھئی ہمیں تو کوئی عذر نہیں تھا - نجمی کو خوش کرنے کیلئے ہر طرح کی قربانی کرنے کو تیار ہیں - مگر تم جانتے ہو کہ ہماری بیوی بیچاری کو ان سب باتوں کا سلیقہ کہاں - علاوہ اسکے اور راضی بھی نہیں ہو گی مسز ظفر کو اشارہ کافی ہے - وہ خود ہی معاملہ کی نزاکت کو سمجھ کر کارروائی . . . - برجموہن کی تو ابھی شادی نہیں ہوئی - ورنہ یہ بھی کچھ مدد کرتے - ظفر نے کہا - "اچھا ان فضول باتوں کو چھوڑو کوئی دوسرا ذکر کرو -" سروپ نے کہا - "میری ان فضول باتوں ہی سے نجمی کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی ہے - تم خود بھی بسورتے رہتے تھے اور اُن کو بھی رُلاتے تھے - یہ بھی کوئی طریقہ ہے - کیا اچھی غمگساری کر رہے تھے بیچاری مسز ظفر کی زندگی تو تمہارے ساتھ کیسی تلخ گذرتی ہو گی" برجموہن نے کہا اسی وجہ سے وہ کلب میں ایک ایک

کو حسرت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔" سروپ کمار نے کہا اور خاص کر نجمی پر تو بہت ہی للچائی نظریں پڑتی ہیں۔" برجموہن نے کہا۔ "صورت بھی تو ان کی بڑی شاندار ہے۔" سروپ کمار نے کہا۔ "وہ تو عورت ہیں میں مرد ہو کر اپنا دل کھو بیٹھا ہوں۔ ظفر نے کہا۔ "یہ کیا لغو باتیں کر رہے ہو۔" نجمی نے کہا۔ "وہ بھی بار بار میری بیوی کا ذکر نہ کرو۔ ایک کھیل تھا جو ختم ہو گیا سروپ کمار نے کہا۔ "ہاں دیکھو تو اب تم نے عقلمندی کی بات کہی ہے۔ میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ تمہارے بزرگوں نے ایک چینی کی گڑیا سے تمہاری شادی کر دی تھی۔ اب یہ سمجھ لو کہ وہ گڑیا ٹوٹ گئی۔" نجمی نے کہا۔ "مگر میں تو چینی کا گڈا نہیں تھا۔ انسان ہوں اپنے کھلونے کے ٹوٹنے کا بچوں کو بھی رنج ہوتا ہے۔" سروپ کمار نے کہا۔

"ہاں ہاں رنج ہونا لازمی ہے۔ مگر ایک حد تک یہ نہیں کہ اپنی صحت خراب کرو" نجمی نے کہا مجھے تو صرف اس بات کا ملال ہے۔ کہ اس غریب کی زندگی بڑی پر حسرت اور ناکام گزری۔ چار برس کی عمر میں اسکی ماں مر گئی۔ باپ نے دوسری عورت رکھ لی ایک بھائی تھا اس کو بچپن ہی میں علیحدہ کر دیا گیا۔ کوئی شفیق اور ہمدرد اس کے پاس نہیں تھا۔ سب عزیز و اقارب سے دور ایک اندھے کنوئیں میں لیجا کر اس کو قید کر دیا گیا تھا۔ جب بارہ سال کی لمبی مدت گزر گئی اور اس کی آزادی کا وقت آیا تو ظالم موت نے اپنا پنجہ بڑھا دیا۔ برجموہن نے کہا اگر انگلستان سے واپس آتے ہی تم ان کو یہاں لے آتے تو اس وقت پچھتانا نہیں پڑتا۔" نجمی نے کہا موت کو تو یہاں بھی کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ لیکن کچھ تو زندگی کا لطف وہ بھی اٹھا لیتی مجھے تمام عمر اس کا رنج رہیگا ؎ کشتی عمر رواں کب آ کے طوفانی ہوئی۔

سروپ کمار نے کہا۔ "اب اس قسم کے خیالات اپنے دل سے نکال دو۔ اچھا ہوا جو تم نے انکو نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ اور زیادہ بیقرار ہوتے۔" نجمی نے کہا اچھا ہو یا برا ہو میرے لئے کچھ دنوں کے واسطے دنیا کی دلچسپیاں ختم ہو گئیں تم لوگ مذاق کر رہے ہو مگر میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ میرا دل یہ چاہتا ہے۔ سب سے الگ کسی تنہا مقام پر خاموش زندگی گزاروں۔" سروپ کمار نے کہا۔ "پہلے تو کبھی تمہاری زبان

سے کوئی لفظ ایسا نہیں سُنا تھا جس سے، یہ معلوم ہو کہ تمہیں اپنی بیوی سے اسقدر محبت ہے بلکہ تمہیں اکثر یہ کہتے سنا تھا کہ تمہارے والدین نے تمہارے ساتھ ... زیادتی کی۔ بڑوں کا مقولہ ٹھیک ہے دنیا مردہ پسند ہے۔"

ظفر نے کہا نجمی تم کچھ دنوں کی چھٹی لے کر گھر چلے جاؤ۔ تنہائی میں پڑے پڑے یہی سوچا کرتے ہو۔ میں تمہارے والد کو کل ہی خط لکھتا ہوں۔ وہ تمہیں بلالیں۔ سروپ کمار نے کہا نہیں جی چھٹی لیکر کیا کریں گے میں کل سے اپنا سامان لیکر آجاؤنگا۔ اور تم بھی معہ ظفر کے یہیں رہا کرو۔ دو چار دن میں ٹھیک ہو جائینگے" نجمی نے کہا چھٹی تو میں خود نہیں لینا چاہتا فاروق کو بلایا ہے اگر وہ آگئے تو ذرا طبیعت بہل جائے گی۔" برجموہن نے ظفر سے کہا۔ نجمی کی والدہ کو بھی یہاں آنا چاہیئے۔ سروپ کمار نے کہا۔

ہاں بھئی اِن کا آنا تو ضروری ہے۔" اب نجمی کے واسطے دوسرا انتظام ہونا چاہیئے۔ میں نے سنا ہے ڈپٹی صاحب کو اپنی لڑکی کی شادی کی بہت فکر ہے۔ ہم نجمی کیلئے اُن کے ہاں کوشش کریں گے۔" برجموہن نے پوچھا کون سے ڈپٹی صاحب سروپ کمار نے جواب دیا۔ "وہی مولوی عنایت علی صاحب ظفر نے کہا۔ وہ انکی لڑکی تو ابھی چھوٹی سی ہے۔" برجموہن نے پوچھا کیا عمر ہوگی؟ ظفر نے کہا۔ وہ کوئی نو دس برس کی ہوگی۔ سروپ کمار نے کہا۔ "وہ اِس سے کیا ہوتا ہے بھئی وہ لڑکی شادی کے قابل ہے۔ ڈپٹی صاحب بیچارے بہت پریشان رہتے ہیں۔ پوچھ لو

نجمی سے کئی مرتبہ اسکے لئے کہہ چکے ہیں۔ اُنھوں نے وعدہ بھی کیا تھا کہ کوئی لڑکا ہوگا تو میں خیال رکھونگا۔ میری رائے میں تو لڑکی اچھی ہے۔ بڑی فیشن ایبل ہے اکثر اپنے باپ کی کلائی کی گھڑی چھوٹے سے چمڑے کے ہاتھ پر باندھے رہتی ہے فراک تو ایسی بڑھیا پہنتی ہے۔ کہ آج تک میں نے کسی کو پہنتے نہیں دیکھا۔ سنہری روپہلی چمکتے ہوئے شیشے کی نلکیوں کی جھالر لگی ہوتی ہے۔ اِن سب باتوں کے علاوہ نجمی کو اِس سے خاص دلچسپی ہے۔ جس دن ڈپٹی صاحب کے ساتھ وہ کلب آجاتی ہے اِن کے کئی روپے خرچ ہوتے ہیں۔ بیبنے پلنے کا اُسے ابھی سے بڑا ...

شوق ہے۔ نجمی اس کے لئے گلاس پر گلاس منگواتے ہیں۔ نجمی نے مسکرا کر کہا۔ تم بڑے بدمعاش ہو۔ ظفر نے نجمی سے پوچھا۔ ڈپٹی صاحب تمھارے پاس آئے تو ضرور ہوں گے۔" نجمی نے کہا۔ وہ ہاں بیچارے۔ روز صبح کو آتے ہیں۔" سروپ کمار نے کہا۔ وہ کیا لڑکی کو بھی لاتے ہیں؟" نجمی نے مسکرا کر کہا۔ وہ ہاں کبھی کبھی لاتے ہیں۔" برجموہن نے زور کا قہقہہ لگایا۔ ظفر نے کہا بھئی حد ہو گئی۔ ایسے ایسے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں۔" سروپ کمار نے کہا۔ وہ کیا کہا تھا میں نے اُن کی تو پہلے ہی اُنکے اوپر نگاہ تھی۔ اب دیکھ لینا ان کے پھندے میں پھنسے یہ۔" نجمی نے کہا تم کچھ پاگل ہو گئے ہو۔" سروپ کمار نے کہا۔" میں ایمان سے کہتا ہوں۔۔۔ تمھارے مزاج میں مروّت بہت ہے اگر ڈپٹی صاحب نے خود پیغام دیدیا تو تم سے انکار نہیں ہو سکیگا۔" نجمی نے جل کر کہا۔ قسم خدا کی مجھے اس لڑکی کی صورت سے پہلے ہی نفرت تھی اب تمھاری ان باتوں سے میں ڈپٹی صاحب سے بھی ملنا چھوڑ دوں گا۔" برجموہن نے کہا۔" نجمی کیلئے لڑکیوں کی کوئی کمی ہے۔" ظفر بولے ایک لڑکی تو ہمارے خاندان میں ایسی ہے کہ اگر نجمی آج کہیں تو کل شادی ہو جائے اُن کی بہن نے بھی اس کو بہت پسند کیا ہے۔" نجمی نے کہا۔ خیر اب ان باتوں کو چھوڑو۔ ظفر نے اپنی گھڑی دیکھ کر سروپ کمار سے کہا۔ نو بج گئے ہیں چلوگے یا نہیں؟" برجموہن نے کہا۔ وہ ہاں بھئی چلو بڑی دیر ہو گئی" تینوں کھڑے ہو گئے۔ نجمی باہر تک پہنچانے آئے کھانا میز پر چنا ہوا تھا۔ نوکر انتظار میں تھے۔ نجمی نے کھانے سے انکار کر دیا۔ سیدھے اپنے سونے کے کمرے میں جاکر مسہری پر لیٹ گئے۔ ایک گھنٹے تک کروٹیں بدلتے رہے نیند کا کہیں کوسوں پتہ نہ تھا۔ کبھی آنکھیں بند کر لیتے تھے۔ کبھی کھول دیتے تھے۔ رعنا کی خیالی صورتیں اُن کے دماغ میں بن بن کر بگڑ رہی تھیں۔ کبھی کبھی اُن کی زبان پر یہ شعر آتا تھا

بنتے بنتے تری تصویر بگڑ جاتی ہے
یاس میں آہ تصوّر بھی تو آزاد نہیں

کمرے کے سب دروازے بند تھے کھڑکیاں سب کھلی ہوئی تھیں ٹھنڈی روشنی کا لیمپ جل رہا تھا۔ باہر برآمدے میں بڈھا نوکر رحمت اللہ حقہ گڑگڑا رہا تھا۔

نجمی کے کان میں کسی کی باتوں کی آواز آئی۔ اُنھوں نے نوکر سے پوچھا رحمت اللہ کون ہے؟
رحمت اللہ نے کھڑکی کے پاس آکر کہا۔ "حضور ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"
نجمی نے تعجب سے کہا۔ "اس وقت دس بجے رات کو سردی میں کون صاحب آئے ہیں۔"
رحمت اللہ نے کہا۔ "یہ تو خبر نہیں۔" نجمی نے کہا۔ تم نے نام نہیں پوچھا؟ رحمت اللہ
نے کہا۔ کوئی شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" نجمی نے جھنجلا کر کہا عجیب بیوقوف آدمی
ہو۔" جاؤ نام پوچھکر آؤ۔" رحمت اللہ نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں آکر کہا میاں وہ تو...
یوسف صاحب ہیں۔ وہ تانگے والے وہ اُس دن رات والے۔"
نجمی فوراً اپنے بستر سے کھڑے ہو گئے کمرہ کا دروازہ کھول کر اُنھوں نے
رحمت اللہ سے کہا یہیں بلا لاؤ۔ رحمت اللہ نے اپنی عادت کے مُطابق نجمی کو ٹوکا
میاں یہ سلیپنگ سوٹ یہ سونے کا کمرہ کہئے تو گول کمرہ کھول دوں۔ نجمی نے جھڑک
دیا۔ تم سے کہہ تو دیا یہیں لے آؤ۔ رحمت اللہ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ اپنی شان دکھاتی
تو آتی ہی نہیں۔ ذرا ٹھاٹ سے گول کمرہ میں سگرٹ منہ میں دبا کر بیٹھتے۔ پورا...
سوٹ نہیں تو خالی پتلون ہی پہن لیتے۔ ایک جھولا سا پہنے کھڑے ہیں۔ واہ۔ وا
واہ کوئی دیکھتا ہوا بھی کیا کہے گا۔"
نجمی نے لیمپ کی بتی تیز کر دی۔ ان کا چہرہ اس وقت دمک رہا تھا۔ وہ پر شوق
نگاہوں سے دروازہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔"

یوسف نے کمرہ میں داخل ہو کر بہت دھیمی آواز سے سلام کیا نجمی نے آگے
بڑھکر یوسف سے ہاتھ ملاتے ہوئے نہایت محبت آمیز لہجہ میں کہا۔ آؤ بھئی آؤ
یوسف میں تو تمھاری تلاش میں تھا۔ تم کہاں غائب ہو گئے تھے۔ نجمی نے خود ہی ایک
کرسی اُٹھا کر یوسف کو دی۔ دوسری کرسی کھینچکر اپنے آپ بیٹھ گئے۔ یوسف نے شکریہ
ادا کرتے ہوئے کہا۔ میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں چھ مہینے ہونے کو آئے لیکن آپکو
کوئی اطلاع نہیں دے سکا۔ میرا ارادہ خود ہی آپ کے پاس آنیکا تھا مگر موقع نہیں ملا
آپکا پتہ وغیرہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے آپکو خط بھی نہ لکھ سکا۔ اُمید ہے آپ

مُعاف فرمائیں گے نجمی نے کہا۔" واہ بھئی مجھ سے اُلٹی معافی کیوں مانگتے ہو شرمندہ تو مَیں ہوں تم سے مجھے مُعافی مانگنی چاہیئے۔ یہ تو بتاؤ تمھاری والدہ کی کیا حالت رہی انکی مجھے اب تک اُلجھن ہے۔" یوسف نے کہا والدہ کا اِنتقال تو اس حادثہ کے تیسرے ہی روز ہوگیا تھا۔" نجمی نے افسوس کے لہجہ میں کہا۔ "اُن بیچاری کے متعلق میں نے اُڑتی ہوئی خبر سُنی تھی۔ مگر تحقیق نہ کرسکا۔ میں تم سے سخت شرمندہ ہوں کہ اس موقعہ پہ تمھاری کوئی مدد نہیں کرسکا۔ تم ضرور خیال کرتے ہوگے کہ میں دانستہ منہ چھپا کر بیٹھ گیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے۔ کہ تمھارے گھر سے واپس آتے ہی مجھے اور میرے نوکر کو ایسا سخت بخار چڑھا کہ پانچ روز تک ہوش ہی نہیں آیا۔ میں تم سے قسمیّہ کہتا ہوں جس وقت مجھے ہوش آیا۔ میں نے سب سے پہلے چپڑاسی کو تمھارے مکان پر بھیجا مگر اُس نے آکر جواب دیا مکان میں قفل پڑا ہے۔ مجھے سخت تعجب ہوا میں نے اُسی وقت ہسپتال آدمی بھیجا مگر وہاں بھی کوئی نہیں ملا میں خود اُسی حال میں موٹر میں گیا۔ ہر جگہ تلاش کیا۔ مگر کسی کا پتہ نہیں چلا۔ جمال پور میں صرف اِتنا معلوم ہوا کہ تم سب لوگ لاری پر کہیں... چلے گئے مجھے بہت افسوس ہوا کئی روز برابر تمھارے مکان کے چکر لگاتا رہا آخر مجبور ہوکر ایک چوکیدار مقرّر کردیا ہے۔ چوتھے پانچویں روز میں خود اِس اُمید پر جاتا ہوں کہ شاید تم سے ملاقات ہوجائے۔ آخر تم لوگ چلے کہاں گئے تھے؟

یوسف نے کہا صبح کو جب والدہ کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو میں نے اپنی خالہ کو تار دیدیا۔ وُہ لوگ رات کو آگئے۔ دوسرے دن صبح والدہ کا اِنتقال ہوگیا۔ خالہ وغیرہ اُن کی لاش کو لاری سے لے گئیں۔ وہاں پہنچکر کئی روز اسی پریشانی میں گُذر گئے۔ پھر چھٹیاں ختم ہوگئیں تھیں۔ مکان واپس آنے کا موقع نہیں ملا۔ جب تک والدہ ہوشیار رہیں۔ برابر آپ کو پوچھتی رہیں اور مجھے تو چلتے چلتے آپ کا انتظار رہا۔ نجمی نے کہا۔ بیشک رہا ہوگا۔ مجھے بھی مہینوں تم لوگوں کا تصور رہا۔ اور آجتک تھا۔ یوسف نے کہا۔ "اُس روز رات کو پریشانی میں مجھ سے ایسی بیوقوفی ہوئی کہ آپ کا نام اور پتہ بھی نہیں پُوچھا اس وجہ سے آپ کو کوئی خط بھی نہ بھیج سکا۔ آپ نے

اُس بیکسی کی حالت میں جو سلوک میرے ساتھ کیا تھا میں تمام عمر نہیں بھول سکتا نجمی
نے کہا مجھے تو یہی افسوس ہے کہ اِس موقعہ پر تمہارے ساتھ کچھ ہمدردی کر سکا نہ تمہاری
والدہ کی کوئی خدمت مجھ سے ہو سکی۔ میں تم سے بہت نادم ہوں۔ زندگی بھر اُس حادثہ
کا مجھے قلق رہیگا۔ اور شاید خدا کے ہاں بھی خون ناحق کی سزا بھگتنی پڑے۔ درحقیقت
تمہاری والدہ کی موت کا سبب میں ہی ہوں۔" یوسف نے کہا۔ "جی نہیں یہ خیال..
آپ اپنے دل سے نکال دیجئے۔ ان کی قضا آگئی تھی۔ آپ کی موٹر سے تو کسی قسم کی
چوٹ نہیں آئی تھی۔ غلطی تانگہ والے کی تھی۔ دوسرے والدہ پہلے ہی سے کمزور تھیں۔
اُن کے پھیپھڑے خراب ہو چکے تھے۔ دائمی کھانسی تھی۔ ذرا سی چوٹ برداشت نہیں
کر سکیں۔ اُن سے زیادہ میرے چوٹ آئی تھی۔ مگر کچھ بھی نہیں ہوا۔ آپ فضول اِس بات
کا خیال کرتے ہیں۔" نجمی نے کہا۔ "خیال تو ہمیشہ رہیگا۔ میری طبیعت ہی اس قسم کی ہے۔
اور وہ واقعہ تو ایسا ہوا ہے جو سنتا ہے افسوس کرتا ہے۔ یہ بات دوسری ہے
کہ تم نے اپنی شرافت اور نیکی سے کچھ اہمیت نہیں دی۔ مجھے اور میرے تمام
گھر والوں کو تمہارے ساتھ بیحد ہمدردی ہے۔ میں تمہاری ہر طرح کی خدمت کرنے
کو تیار ہوں۔ جس کام کی ضرورت ہو بلا تامل مجھ سے بیان کر دینا۔ ہاں یہ تو میں
پوچھنا بھول ہی گیا تمہاری بہن کہاں ہیں؟" یوسف ہکا بکا ہو کر نجمی کی طرف دیکھنے
لگے۔ نجمی نے غور سے یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم نے اُس روز کہا تھا..
تمہاری بہن بھی ہیں۔" یوسف نے جلدی سے کہا۔ "جی ہاں ہیں۔" نجمی نے کہا۔
"پھر وہ آجکل کہاں ہیں؟" یوسف نے کہا خالہ کے پاس۔ "تم بھی وہیں رہتی ہو" نجمی نے پوچھا۔ یوسف نے کہا "میں بکفرود
میں پڑھتا ہوں۔ نجمی نے پوچھا کس کلاس میں ہو؟ یوسف نے کہا سکینڈ ایر میں نجمی نے کہا مجھے بڑی خوشی ہوئی
تمہاری عمر تو بہت کم معلوم ہوتی ہے۔" یوسف نے کہا۔ میری حاضریاں اِس سال بہت
کم ہو گئی ہیں مشکل سے اس وقت آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ ایک ضروری کام تھا۔
آپ میرے محسن ہیں۔ مجھے قوی اُمید ہے کہ آپ میرا یہ کام کر دیں گے۔" نجمی نے کہا۔
"ہاں ہاں بڑی خوشی سے میں تمہارا ہر کام کرنے کو تیار ہوں۔" یوسف نے کہا "اور تو میرے پاس

وقت نہیں ہے۔ دوسرے رات کو اُس راستہ اور مکان کا خیال کر کے مجھے دہشت سی
آ گئی ورنہ میں خود ہی اسوقت چلا جاتا۔ نجمی نے پوچھا۔ "کیا اُس مکان میں کوئی کام ہے؟"
یوسف نے کہا۔ "جی ہاں" نجمی نے کہا۔ "میں تمھیں اسوقت جلنے کی کیا ضرورت ہے۔
میں ابھی آدمی کو بھیج دیتا ہوں یوسف نے کہا "جی نہیں جلدی کا کوئی کام نہیں ہے۔ کسی
دن اطمینان سے آپ وہ کام کر دیجئیے گا۔" نجمی نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ بتائیے کیا کام
ہے۔" یوسف نے کہا "کچھ پرانے کاغذات دیکھتے پر والدہ کے ہاتھ کا ایک پرچہ
مجھے ملا ہے اُس میں انھوں نے وصیت کے طور پر ایک بکس کے متعلق لکھا ہے۔
ہم لوگوں کو اس کی خبر نہیں تھی۔ جو چیزیں ہمارے علم میں تھیں جن کا چھوڑنا تنہا مکان میں
مناسب نہیں تھا۔ وہ سب اپنے ساتھ لاری پر لے گئے تھے۔ باقی گھر کا سامان
اور بڑے بڑے صندوق وہیں چھوڑ دیے تھے۔ آپ مہربانی فرماکر کسی فرصت کے
وقت اس مکان کو کھلوا کر وہ بکس نکلوا لیجئیے گا۔ ایک سب سے بڑا صندوق ہے...
اُس میں سیاہ رنگ کا ٹرنک ہے۔ اُس کے قفل پر کپڑا سلا ہوا ہے۔ آپ وہ ٹرنک
اپنے پاس لاکر رکھ لیجئیے گا۔ میں کوشش کروں گا کہ چھٹی میں آکر وہ بکس کھول کر دیکھوں
شاید کچھ زیور وغیرہ بہن کا ہوگا۔" نجمی نے پوچھا "تمھیں بالکل خبر نہیں کہ اُس میں کیا ہے۔"
یوسف نے کہا۔ "جی نہیں مجھے بالکل خبر نہیں۔" نجمی نے کہا۔ "تمھاری بہن کو تو معلوم
ہوگا۔" یوسف نے کہا۔ "میں نے خط لکھ کر پوچھوا لیا ہے۔ انکو بھی نہیں معلوم۔" نجمی
نے کہا "خیر میں تمھارا کام کر دوں گا۔ تم اطمینان رکھو۔ مگر پھر بھی احتیاط اچھی چیز ہے۔ تم
ایک کاغذ پر دو سطریں لکھ کر مجھے دیدو" یوسف نے کہا۔ "جو مضمون آپ بتائیں وہ لکھ دوں"
نجمی نے کہا۔ "تم صرف یہ لکھ دو کہ میں اپنا بکس آپ کے پاس رکھوا رہا ہوں۔ اور اپنا نام
وغیرہ لکھ دو۔" یوسف نے کہا۔ "آپ کے متعلق کیا لکھوں تب مجھے نام کی خبر نہ تھی"
نجمی نے مسکرا کر کہا۔ "تم ابھی تک میرا نام نہیں جانتے؟"
یوسف نے کہا۔ "جی نہیں مجھے کیسے معلوم ہوتا۔" نجمی نے اپنا نام اور پتہ یوسف کو
بتا کر پوچھا "تم بغیر نام اور پتے کے یہاں تک کیسے آ گئے؟" یوسف نے کہا "میں تو اس خیال

سے چلا تھا کہ سیدھا اپنے مکان پر جاؤں گا۔ مگر اتفاق سے اسٹیشن پر وہی تانگہ والا مل گیا۔ میں نے آپکے متعلق دریافت کیا کہ وہ صاحب کون تھے جن کی موٹر تمھارے تانگہ سے ٹکرائی تھی۔" اُس نے کہا۔ "وہ جنٹ صاحب تھے۔" اسی پتہ پر میں نے یہاں آنے کی جرأت کی۔" نجمی نے کہا۔ "تم نے بہت اچھا کیا آج میرے دل کا خلجان دور ہو گیا۔ میں اسوقت بہت خوش ہوا۔ اگر تم نے کھانا نہ کھایا ہو تو منگواؤں؟" یوسف نے شکریہ کے ساتھ کہا۔ "کھانا تو میں نے اسٹیشن پر کھا لیا تھا۔"

نجمی نے رحمت اللہ کو بلا کر کہا۔ "کافی بنوا کر لاؤ۔" یوسف نے بہت انکار کیا۔ مگر نجمی نے کہا "سردی زیادہ ہے ہم بھی پئیں گے۔" یوسف نے کہا۔ "مہربانی فرما کر یہ بتا دیجئے کہ وقت کیا ہے۔ مجھے ابھی واپس جانا ہے۔" نجمی نے کہا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آج یہیں رہو۔"

یوسف خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگے۔ وہ بار بار نجمی کی طرف دیکھتے تھے۔ گویا کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ نجمی نے پوچھا۔ "کیا بات ہے تم کچھ پریشان معلوم ہوتے ہو؟" یوسف نے کہا۔ "میں نے ابھی آپ سے عرض کیا تھا میری حاضریاں کم ہیں۔ اب ایک دن کی بھی غیر حاضری کی گنجائش نہیں۔" نجمی نے کہا "اسوقت سردی بہت ہے کہاں جاؤ گے جہاں اتنی حاضریاں کم ہیں وہاں ایک اور سہی میں بڑھوا دوں گا۔"

یوسف پھر خاموش ہو کر نجمی کی طرف دیکھنے لگے۔ نجمی نے کہا۔ "میں تمھیں مجبور نہیں کرتا۔" یوسف نے کہا۔ "میں آپ سے دست بستہ معافی چاہتا ہوں۔ مجھے جانے دیجئے تانگہ کھڑا ہوا ہے۔ میں اب جلدی ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہونگا۔" نجمی نے رحمت اللہ کو بلا کر کہا۔ "تانگہ واپس کر دو۔" یوسف نے گھبرا کر کہا "تانگہ رہنے دیجئے۔" نجمی نے کہا "تم گھبراؤ نہیں۔ میں موٹر پر اسٹیشن پر پہنچا دوں گا۔" یوسف نے کہا۔۔۔

"آپ تکلیف نہ کیجئے۔ میں تانگہ ہی پر چلا جاتا میرے ساتھ کا آدمی بھی تانگہ ہی پر بیٹھا ہے۔" نجمی نے کہا۔ "تمہارا آدمی باہر بیٹھ جائیگا۔ گاڑی کتنے بجے جاتی ہے؟" یوسف نے کہا۔ "گاڑیاں دو جاتی ہیں۔" نجمی نے کہا "ابھی بہت وقت ہے

اسٹیشن پر پہلے سے جاکر کیا کروگے ابھی تو گیارہ بجے ہیں۔ بارہ بج کر پچاس پر گاڑی جاتی ہے"۔ یوسف نے کہا۔ "اب مجھے جانے ہی دیجئے آپ کے سونے کا وقت ہے۔ میں نے آپکو بہت تکلیف دی۔" نجمی نے کہا۔ "مجھے کچھ تکلیف نہیں ہوئی بلکہ تمہارے آجانے سے میرا وقت اچھا گزر گیا۔ یوسف نے پوچھا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" نجمی نے کہا۔ "طبیعت تو ٹھیک ہے۔ مگر ایک ناگہانی حادثہ نے میری یہ حالت کر دی ہے۔" یوسف نے پوچھا کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں؟ نجمی نے مختصراً حال اپنی بیوی کے مرنے کا بیان کیا تھوڑی دیر تک یوسف بالکل خاموش بیٹھے کچھ سوچتے رہے۔ نجمی نے پوچھا۔ "تم کس سوچ میں پڑ گئے؟" یوسف نے شرمندہ ہو کر کہا۔ "جی کچھ نہیں مجھے اسوقت بہت ندامت ہوئی آپ کو ایسی پریشانی کی حالت میں میں نے تکلیف دی۔ آپکی بیوی کے انتقال کا حال معلوم ہو کر بہت رنج ہوا۔ نجمی نے کہا۔ "نہیں بھئی تکلیف کی کیا بات ہے۔ میری شادی عام لوگوں کی طرح نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ میں دس برس کا تھا اور میری بیوی چار سال کی اس کے بعد وہ اپنے والد کے ساتھ جاپان چلی گئی۔ اب چھ ماہ ہوئے وہ لوگ واپس آئے ہیں۔ مگر میری بیوی وہاں سے واپس آتے وقت سمندر میں ڈوب گئی۔ میں نے اس کو دیکھا بھی نہیں یہ تھا میری شادی کا واقعہ۔ یوسف نے کافی کی پیالی میز پر رکھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "اب مجھے اجازت دیجئے"۔ نجمی نے کہا۔ "لو سگریٹ پیو۔" یوسف نے مسکرا کر کہا جی نہیں میں سگریٹ نہیں پیتا۔" نجمی نے کہا۔ "اس زمانے میں تمہاری عمر کے اکثر لڑکے سگریٹ پیتے ہیں تکلف نہ کرو۔" میں آپ سے سچ کہتا ہوں میں نے کبھی سگریٹ کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔" نجمی نے اپنی طلائی کی سنہری گھڑی یوسف کے ہاتھ پر باندھتے ہوئے کہا شاباش تم بہت اچھے لڑکے ہو۔ سگریٹ بہت خراب چیز ہے۔ خاصکر اٹھتی ہوئی عمر کے لڑکوں کے لئے ہم نے تو اب ملازمت کے بعد شروع کی ہے۔" یوسف نے گھڑی لینے سے انکار کیا۔" نجمی نے کہا۔ "میں تمہیں اپنے چھوٹے بھائی کی برابر سمجھتا ہوں اگر گھڑی واپس کرو گے۔ تو مجھے

بہت رنج ہوگا۔" یوسف خاموش ہو گئے۔ نجمی بھی کچھ دیر خاموش کھڑے یوسف کو دیکھتے رہے۔ پھر انھوں نے یوسف کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تمھاری بہن تم سے چھوٹی ہیں۔ یا بڑی؟ یوسف نے کہا بڑی۔ نجمی نے کہا۔ "شادی تو ہو گئی ہوگی؟ یوسف نے جواب دیا۔ "ابھی تو نہیں ہوئی۔ نجمی نے کہا۔ "اس روز رات کو میں نے تمھارے ہاں ایک تصویر لگی ہوئی دیکھی تھی وہ کس کی تھی۔" یوسف نے کچھ سوچ کر مسکرا کر کہا شاید بہن کی ہوگی۔" نجمی اب کچھ نہیں بولے۔ موٹر تک یوسف کو پہنچانے آئے اور اپنا کمبل یوسف کے اوپر یہ کہتے ہوئے ڈال دیا۔ "سردی بہت ہے۔ جاؤ خدا حافظ۔ اب تو میرا نام اور پتہ معلوم ہو گیا ہے۔ خط ضرور لکھنا۔ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ اس وقت تم کو دیکھ کر بڑی طبیعت خوش ہوئی۔ میں اپنا آدھا غم بھول گیا۔" یوسف نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "آپ اس بکس کے متعلق کسی سے تذکرہ نہ کیجیے گا۔ صرف آپ ہی کو اس معاملہ کی خبر ہے۔" نجمی نے یوسف کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا میں احتیاط رکھوں گا موٹر روانہ ہو گئی۔"

نجمی روشنی گل کر کے اپنی مسہری پر آ کر لیٹ گئے۔ یوسف کے آنے سے ان کے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق ہو گیا وہ سوچنے لگے۔

یوسف کس قدر حسین لڑکا ہے میں نے تو کوئی ایسا لڑکا دیکھا نہیں فاروق بھی حسین ہیں مگر جو معصومیت یوسف کے چہرہ پر ہے فاروق کے نہیں وہ انسان نہیں فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ "آخر یہ حسن ہے کیا چیز؟ عام طور پر وہی گورا رنگ کشادہ پیشانی پتلی پتلی بھویں بڑی بڑی آنکھیں گھنی پلکیں۔ پتلی ستواں ناک چھوٹا دہانہ پتلے پتلے ہونٹ چھوٹے چھوٹے برابر برابر جڑے دانت تقریباً ہر خوبصورت آدمی کی یہی تعریف بیان کی جاتی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ البتہ سانچے میں.. ذرا سی تبدیلی ہوتی ہے۔ یا کسی کے چہرے پر جلا زیادہ ہوتی ہے۔ کسی کے کم مگر یہ تو کوئی فرق نہ ہوا۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ہر خوبصورت آدمی کی طرف دل مائل نہیں ہو جاتا۔ فاروق اور یوسف کی صورت میں بھی وہی فرق ہے جو حسین آدمیوں میں ایک دوسرے سے ہوتا ہے۔ مگر جو کشش یوسف میں ہے۔ وہ فاروق میں نہیں

میرا دل خود بخود اسکی طرف کھنچا جاتا ہے۔ اسکی بہن بھی ضرور ایسی ہی ہوگی تصویر تو میں دیکھ چکا ہوں۔ بہت اپنے بھائی میں ملتی ہے" نجمی نے کروٹ بدلی پھر خیال کرنے لگے۔ "میں نے اسوقت بڑی حماقت کی یوسف سے تصویر کے متعلق ناحق پوچھا۔ وہ لڑکا اپنے دل میں کیا کہتا ہوگا کسی کی ماں، بہن کی تصویر کے متعلق اس طرح پوچھ بیٹھنا بڑی بدتہذیبی کی بات ہے اور ساتھ ہی اس کی بہن کی شادی کا بھی پوچھ لیا۔ وہ مسکرایا بھی تھا۔ شاید میرے ارادہ کو سمجھ گیا ہوگا۔ یہ باتیں پوچھنے کا میرا ارادہ تو نہیں تھا۔ کچھ بیساختہ زبان سے نکل ہی گیا۔ خیر کچھ ہرج کی بات نہیں ہے۔ اگر میں اسکی بہن سے شادی کر لوں، بظاہر اچھے خاندان کا لڑکا معلوم ہوتا ہے۔ اگر کسی معزز عہدیدار یا رئیس کی لڑکی سے میری شادی نہ ہوگی تو کیا نقصان ہے۔ مجھے بیوی کی شہرت اور دولت کی ضرورت نہیں ابا جان کو بھی کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے۔ ان دونوں بہن بھائیوں کی تباہی اور بربادی کا باعث میں ہی ہوں۔ وہ اپنے گھر میں نہایت آرام اور اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ سب سے زیادہ اپنی ماں کی شفقت اور محبت سے محروم ہوئے یہ سب کچھ میری ہی وجہ سے ہوا۔ آخر اس کا بھی تو معاوضہ میری طرف سے ملنا چاہیئے۔ بس یہی بات ٹھیک ہے۔ مجھے اس لڑکی سے شادی کرنی چاہیئے۔ یوسف کو بھی میں اپنے ہی پاس رکھونگا بڑا مہذب اور شائستہ لڑکا ہے۔ انگریزی اتنی اچھی بولتا ہے۔ کہیں آئی۔سی۔ایس ہو کر بھی اس کا منہ تکتا رہتا ہوں۔ شاید کسی انگریزی اسکول میں پڑھتا ہے۔ اس کی بہن بھی ضرور تعلیمیافتہ ہوگی معلوم ہوتا ہے۔ یوسف کی ماں بہت قابل عورت تھیں۔ اُن کے گھر سے ہی معلوم ہوتا تھا۔

نجمی نے پھر کروٹ بدلی اور اپنی حالت پر غور کر کے وہ اپنے کو ملامت کرنے لگے۔ "میں بھی کسقدر کمزور اور متلون مزاج واقع ہوا ہوں دو گھنٹے پہلے فاروق کی صورت میں ملتی جلتی سینکڑوں ہی صورتیں میں نے رعنا کی بنا ڈالیں۔ اب یوسف کی صورت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور اس کی بہن کی تصویر کے تصور میں کھویا ہوا ہوں۔ ابھی کچھ دیر نہیں ہوئی رعنا غریب کا خیال بھی اپنے دل سے نکال دیا۔ میں تو سمجھتا تھا۔ بارہ برس کے نقش ہیں۔

بڑی مشکل سے میں نے مگر وہ تو ایک اشارہ میں صاف ہوتے گئے - دنیا میں کیا کوئی کسی سے توقع رکھے" - شام کو سروپ کمار کی باتیں تیر کی طرح میرے دل میں لگ رہی تھیں مگر وہ سچ کہہ رہا تھا - جب سے رعنا کے ڈوبنے کا سنا تھا میں نے اپنے دل میں پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ اب تمام عمر شادی نہیں کرونگا - میری دنیا ...... اور اسکی دلچسپیاں سب سمندر میں غرق ہو گئیں لیکن دو گھنٹے کے اندر اندر خیالات نے کیسا پلٹا کھایا ہے - انسان کا دل خدا نے عجیب طرح کا بنایا ہے - ذراسی تکلیف اور مصیبت میں ایسا مایوس ہو جاتا ہے - گویا دنیا ہی لٹ گئی ہے - ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے - مگر جہاں وہ تکلیف اور مصیبت دور ہوئی پھر وہی دنیا کی رنگینیاں اور دلچسپیاں سامنے جگمگانے لگتی ہیں - وہی مرصّع خواب نظر آنے لگتے ہیں - آج مجھے پورا تجربہ ہو گیا - تمی انہیں خیالات میں غرق ... کروٹیں بدلتے ہوئے سو گئے -

---

دسواں باب

تصویر ایک بیجان چیز ہے - لیکن انسان کے اوپر غالب پانے کی قوت اس میں حد درجہ کمال تک پہنچی ہوئی ہے - بڑے بڑے مستقل مزاج بڑے سے بڑے پہلوان ایک ایسے حس و حرکت تصویر کی بدولت اپنا دماغی اور جسمانی توازن قائم نہیں رکھ سکتے -

گزشتہ زمانہ کے قصے کہانیوں میں اکثر ایک کاغذی تصویر کے عشق میں .... بادشاہوں اور شہزادوں نے اپنی دولت اور سلطنت تک کی پرواہ نہیں کی اور سر بصحرا نکل گئے موجودہ زمانہ کی تصویر کے کرشموں نے انسان کو محو حیرت کر دیا ہے - سینکڑوں مفلسوں اور بے روزگاروں کو لکھپتی کر دیا - اور ہزاروں رئیسوں اور ... سرمایہ داروں کو دو دو دانوں کا محتاج بنا دیا - اسکی بدولت کسی کی معلومات اور تجربات میں اضافہ ہوتا ہے - کوئی اپنی عقل و حواس کھو بیٹھتا ہے - دنیا میں ایک تہلکہ سا

مچا ہوا ہے۔

نجمی بھی آج کل ایک تصویر کے تصور میں اپنی تمام دلچسپیاں قربان کئے ہوئے ہیں۔ ان کے دوست احباب ابھی تک اسی خیال میں ہیں کہ ان کو اپنی بیوی کے مرنے کا غم ہے۔ وہ ہر ممکن کوشش انکے دل بہلانے کی کرتے ہیں۔ نجمی خود بھی اسی فکر میں رہتے ہیں کہ اُن کی حالت کسی پر نہ ظاہر ہونے پائے۔ وہ پہلے سے زیادہ ہر کھیل اور تفریح میں سب کے ساتھ شریک رہتے ہیں۔ مگر طبیعت کی اُلجھن اور غلجان کو کیا کریں۔ کسی بات میں لطف نہیں آتا بس ایک خیال ہے جو چوبیس گھنٹے انکے دل اور دماغ میں چکر لگایا کرتا ہے۔ اگر کوئی راز دار ہے تو اُن کا بڈّھا نوکر رحمت اللہ مگر وہ بالکل احمق اور بے مصرف آدمی ہے۔

رحمت اللہ بہت پرانا اور خیر خواہ نوکر ہے۔ پہلے وہ نجمی کے چچا پروفیسر رفیق الزماں کے پاس تھا۔ لیکن مروزی کی بدسلوکی اور بدزبانی کی وجہ سے وہاں سے چلا آیا اور نجمی کے والد کے ہاں رہا۔ نجمی کے ملازم ہونے کے بعد بیرسٹر عتیق الزماں نے اُس کو نجمی کے پاس بھیجدیا۔ رحمت اللہ کی عجیب وغریب حرکتیں تھیں کبھی تو نجمی اس کی صورت سے بیزار ہو جاتے تھے اور کبھی بغیر رحمت اللہ کے اُنھیں چین نہیں آتا تھا۔ یہ آدمی تھا تو بڈّھا مگر مسخرہ اور لطیفہ گو حد درجہ کا تھا۔ یہی بات اس کی نجمی کو پسند تھی۔ رحمت اللہ کی باتوں میں اُنہیں بہت لطف آتا تھا۔ وہ اُسے چھیڑ چھیڑ کر باتیں سُنتے تھے۔ اسوجہ سے وہ ذرا گستاخ ہو گیا تھا۔ البتہ اس کی بیوقوفی اور بے جا خیر خواہی پر بعض وقت نجمی جھلّا اُٹھتے تھے۔

یوسف کو نجمی کے پاس آئے پندرہ بیس روز گذر چکے ہیں۔ مگر اُنھوں نے کوئی خط نہیں بھیجا۔ نجمی کو سخت تعجب اور انتظار ہے۔ انکے دلمیں مختلف خیالات آتے ہیں۔ کبھی اس بکس کی طرف سے بدگمانی ہونے لگتی ہے۔ جو یوسف نے ان کے پاس رکھنے کو کہا تھا۔ کبھی اس خیال سے افسوس ہوتا ہے۔ کہ انھوں نے یوسف سے اس کی بہن کی تصویر کے متعلق کیوں دریافت کیا تھا۔ شاید اُس نے بُرا سمجھا ہو۔

غرض اسی قسم کے وسوسے اُن کے دل میں ہر وقت آیا کرتے ہیں۔

اس وقت شام کے سات بجے ہونگے۔ نجمی کلب سے واپس آکر ابھی کھڑے ہی ہوئے تھے کہ ایک بند موٹر برساتی میں آکر رُکی نجمی نے اپنے کمرے کی کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ موٹر کے شیشوں پر باریک نیلے ریشمی پردے لگے ہوئے تھے۔ انھوں نے نوکر سے کہا ایسی گاڑی تو یہاں کسی کے پاس نہیں ہے۔ دیکھو کون آیا ہے نوکر نے واپس آکر کہا حضور کوئی میم صاحب آپکے پاس آئی ہیں۔ نجمی نے... تعجب سے کہا کہ میم صاحب کہاں سے آئی ہیں؟ کیا کام ہے اپنا کارڈ نہیں دیا؟ نوکر نے جوابدیا حضور کارڈ تو کوئی نہیں دیا الہ آباد سے آئی ہیں۔ آپ سے ملنا چاہتی ہیں" نجمی نے تعجب سے پوچھا الہ آباد سے؟ نوکر نے کہا۔ "جی حضور" نجمی نے کہا جاؤ نام اور پتہ پوچھکر آؤ۔ اور یہ بھی پوچھنا کہ کیا کام ہے" نوکر نے پھر آکر کہا حضور وُہ کہتی ہیں ہم خود ہی سب کچھ بتائیں گی۔ نجمی نے رحمت اللہ کو بلاکر کہا گول کمرہ کھول کر میم صاحب کو بٹھاؤ۔ میں کپڑے بدل کر آتا ہوں تعجب ہے میرے پاس الہ آباد سے کون خاتون آئی ہیں۔ تم ذرا دیکھ کر بتاؤ کیسی ہیں۔ یورپین ہیں یا ہندوستانی؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کون ہیں۔ شاید کسی کی سفارش وغیرہ لیکر آئی ہونگی۔ بہر حال تم کھانے کا انتظام رکھنا شاید بات چیت میں دیر ہو جائے اور کھانے پر بٹھانا پڑے"۔ رحمت اللہ نے کہا کھانے کا جھگڑا اپنے پیچھے مت لگالینا۔ ....

.... روز کھانے کے وقت آجایا کریں گی" نجمی نے کہا بڑے بیوقوف آدمی ہو۔ وہ الہ آباد سے تو آئی ہیں کھانے کے وقت روز کہاں سے آجایا کریں گی۔ جاؤ بڑی دیر سے موٹر میں بیٹھی ہیں۔" رحمت اللہ منہ ہی منہ میں کہتا ہوا چلا گیا جان نہ پہچان بڑی خالہ سلام ایسے ایسے بہت سے آیا کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں رحمت اللہ نے واپس آکر کہا۔ میاں ہیں تو ہندوستانی ہی مگر جوان اور ٹھاٹھ دار بہت ہیں۔ نجمی کپڑے پہن کر گول کمرے میں آئے آنے والی خاتون کرسی پر سے کھڑی ہو گئیں اور خود ہی مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھایا ان کا رنگ، سانولا تھا۔ لیکن آنکھ ناک درست چہرہ پر

نمک بھی تھا۔ اس کے علاوہ مصنوعی اشیاء کا استعمال نہایت ہوشیاری اور صفائی سے کیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے چہرہ پر ملاحت آگئی تھی۔ نجمی نے ایک سرسری نظر سے انکو دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا میں دریافت کرسکتا ہوں۔ آپ نے اسوقت کیسے تکلیف فرمائی ؟" آئینوالی خاتون نے نجمی کو غور سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "میں معافی چاہتی ہوں۔ بغیر کسی اطلاع کے آپ کو تکلیف دی"۔ نجمی نے کہا جی نہیں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی البتہ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اسوقت کیوں تکلیف فرمائی"۔ خاتون نے کہا ایک خاص ضرورت مجھے اسوقت آپکے پاس کھینچ لائی۔ نجمی نے کہا کوئی ہرج نہیں ہے۔ بہت اچھا کیا آپ مجھے ہر طرح کی مدد کیلئے تیار پائیں گی لیکن کم از کم آپ کا نام تو مجھے معلوم ہونا چاہیئے" خاتون نے کہا۔ "میں ایک گمنام اور لاپتہ ہستی ہوں اور آنیکا میرا مطلب یہی ہے۔ کہ شاید آپ کی توجہ سے لوگوں کو میرے نام سے واقفیت ہو جائے"۔

ان آئینوالی خاتون کی آواز دلکش ضرور تھی۔ لیکن اس کے ساتھ تصنع بہت زیادہ تھا۔ حرکات و سکنات سے معلوم ہوتا تھا کوئی فلم ایکٹریس ہیں۔ نجمی نے حیران ہو کر کہا میں آپکی اس گفتگو کا مطلب بالکل نہیں سمجھا" خاتون نے کہا۔ "میں ابھی آپکو سب حال بتاتی ہوں۔ لیکن آپ پہلے میرے ایک سوال کا صحیح جواب دیدیجیئے" نجمی نے کہا۔ "بشرطیکہ آپ کا سوال قابل جواب ہو۔ میں گورنمنٹ کا ملازم ہوں اور ایک ذمہ دار شخص ہوں۔ خلاف قانون آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ خاتون نے مسکرا کر کہا آپ اندیشہ نہ کیجئے میں کوئی اس قسم کا سوال آپ سے نہیں کرونگی۔ وہ تو صرف خانگی معاملات ہیں۔ قانون سے کوئی تعلق نہیں"۔ نجمی نے کہا فرمائیے" خاتون نے کہا میں نے سنا ہے۔ آپ کی شادی بچپن میں آپکے چچا کی لڑکی سے ہو گئی تھی پھر آپ کے چچا معہ لڑکی کے جاپان چلے گئے۔ بارہ سال کے بعد واپس آئے۔ اور واپسی میں آپکی بیوی سمندر میں ڈوب گئیں۔" نجمی نے کہا۔ "جی ہاں یہ سب ٹھیک ہے۔" خاتون نے کہا اور یہ بھی سنا ہے۔ کہ آپکو اپنی بیوی کے مرنے کا بیحد غم ہے" نجمی نے کہا۔ "جی ہاں یہ بھی

درست ہے۔" خاتون نے کہا کیا واقعی آپکو اپنی بیوی کے مرنے کا بہت رنج ہے۔
"جی ہاں" نجمی نے جواب دیا۔ خاتون نے کہا آپ کو رنج کیوں ہے۔ جب آپ نے اپنی بیوی کو دیکھا نہیں۔
وہ کبھی آپکے پاس کبھی رہی نہیں۔ آپ نے اُن کو کبھی خط تک نہ لکھا پھر یہ رنج کیسا"
خطاب کے تمام پر نجمی نے چونک کر کہا "آپکو خط کے متعلق کس طرح معلوم ہوا" خاتون نے
کہا آپکی بیوی مجھ سے ہر بات کہا کرتی تھیں۔ نجمی نے گھبرا کر پوچھا کیا آپ بھی جاپان
میں تھیں۔" خاتون نے کہا جی ہاں میں بھی وہیں تھی۔ مجھے سخت تعجب اور افسوس
ہے۔ کہ نہ آپ نے کبھی اپنی بیوی کو خط لکھا نہ یہاں بلانے کا خیال ظاہر کیا"۔
نجمی نے کچھ شرمندگی کے لہجہ میں کہا۔ "ہاں یہ آپ ٹھیک کہتی ہیں لیکن پہلے
تو میں اپنی تعلیم میں مصروف رہا۔ پھر انگلستان چلا گیا۔ اس کے بعد ملازمت مل گئی تھی۔
اب ارادہ تھا کہ میں خود جا کر لے آؤنگا۔ افسوس اس کا موقعہ ہی نہ آنے پایا۔ اور
اسکو موت آ گئی۔ آپ بھی انہی لوگوں کیساتھ جاپان سے آئی ہونگی آپکو پوری کیفیت رضا
کے ڈوبنے کی معلوم ہوگی۔ مہربانی فرما کر مجھے اس کا سب حال بتلائیے۔ خاتون نے
مسکرا کر کہا۔ "آپکو اپنی بیوی کے مرنے کا یقین کیسے آیا؟
نجمی نے کہا۔ "یقین کیسے نہ آتا میری بیوی کے بھائی فاروق نے خود
بیان کیا ہے" خاتون نے کہا فاروق تو اس وقت وہاں موجود نہیں تھے"۔ نجمی کے
چہرے پر گھبراہٹ نمایاں تھی۔ اُنھوں نے کہا میرے چچا نے سب حال اپنے لڑکے
کو بتا دیا تھا۔" خاتون نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا آپکے چچا بیچارے کا دماغ تو ایک
سال سے خراب ہو گیا ہے۔ ان کی بات کا کوئی کیا اعتبار کرے" نجمی نے پریشانی کے
لہجہ میں کہا۔ "کیا واقعی چچا جان کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" خاتون نے ذرا دھیمی آواز
میں کہا "جی ہاں۔" نجمی نے کہا تو آپ ہی صحیح واقعات بتائیے آپکو تو سب کچھ معلوم ہوگا"
خاتون نے ذرا مسکرا کر نجمی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا آپ میرے کہنے کو یقین کریں گے؟
نجمی سنبھل کر کرسی پر بیٹھ گئے اور خاتون کو سگریٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔ یقین کیسے نہ کرونگا۔
آپ ضرور بتائیے میں اسوقت عجیب کشمکش و رنج میں ہوں۔ خاتون نے مسکرا کر کہا آپ

کوکسی شش و پنج میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں ہے میں تو صرف سچے سچے واقعات بتلانے آئی ہوں اس سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو خیالات آپ کے دل سے نکل چکے ہیں اُن کو واپس لانیکی کوشش کریں۔" نجمی نے پریشان ہو کر کہا "آپکی یہ باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں مہربانی فرما کر پہلے رعنا کا حال بتادیجیے۔ . . .

خاتون نے کہا اگر میں یہ کہوں کہ آپ کی بیوی زندہ ہیں تو آپ یقین کرلیں گے؟ نجمی نے کہا جس طرح اُس کے مرنے کا یقین کرلیا تھا۔ اسی طرح اس کی زندگی کا بھی یقین کرلونگا۔" خاتون نے کہا۔ "اچھا تو سُنیئے کوئی ایکسال گزرا آپکی بیوی رعنا ایک مہلک بیماری میں مبتلا ہوئی وہ بیماری جاپان ہی میں ہوتی ہے۔ ایک زہریلی قسم کا بخار جس سے تمام جسم میں آبلے پڑجاتے ہیں۔ زندگی کی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی تھی۔ روزی نے اسکو ہسپتال میں داخل کردیا۔ وہاں چار مہینے وہ رہی ڈاکٹروں کی توجہ اور نرسوں کی دیکھ بھال سے وہ تندرست تو ہوگئی لیکن افسوس اُس کا حُسن اور رعنائی بالکل جاتی رہی۔ نہ وہ آنکھ ناک رہی نہ وہ رنگ روپ غرض اس کی صورت بالکل ہی بدل گئی۔" نجمی بڑے غور سے بت کے جیسے سُن رہے تھے۔ اُنہوں نے ایک دبا ہوا ٹھنڈا سانس لیا۔ خاتون نے اپنی باتوں کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا رعنا کی بیماری سے اُس کے باپ کے دماغ پر اتنا اثر ہوا کہ وہ قریب قریب پاگل ہوگئے جب لڑکی تندرست ہوکر ہسپتال سے واپس آئی تو انہوں نے اس کو بالکل نہیں پہچانا۔ اور درحقیقت اسکی وہ صورت ہی نہیں تھی روزی کے لئے یہ موقع اچھا تھا اُس نے کہا رعنا کا تو انتقال ہوگیا ہے۔ ہسپتال والوں نے یہ لاوارث لڑکی ہمارے سر منڈھ دی۔" رعنا بیچاری نے ہرچند اپنے باپ کو یقین دلانیکی کوشش کی کہ وہ انہی کی لڑکی ہے۔ مگر اُس کے باپ کا دماغ تو پہلے خراب ہوچکا تھا۔ انھوں نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا وہ برابر یہی کہتے تھے کہ میں ایسی بدشکل لڑکی کو اپنے ساتھ ہندوستان نہیں لے جاؤنگا وہ لوگ کیا کہیں گے۔"

خاتون تھوڑی دیر خاموش ہوکر نجمی کے چہرے کا اُتار چڑھاؤ دیکھتی رہیں۔

نجمی نے گھبرا کر کہا آپ خاموش کیوں ہو گئیں؟ کیا رعنا کو جاپان ہی میں چھوڑ دیا؟...
خاتون نے مسکرا کر کہا۔ "وہ اس کا وہ رنگ و روپ تو رہا ہی نہ تھا۔ آپ کے کس کام کی تھی؟" نجمی نے سنجیدگی سے کہا یہ آپ نے کیا کہا؟ میں تو اس کو بغیر رنگ و روپ دیکھے ہی اُس کو اپنی بیوی سمجھتا تھا۔" خاتون نے پھر اپنی باتوں کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے کہا رعنا کو ہندوستان آنیکی بہت خوشی تھی۔ اُس نے روزی کی منت خوشامد کی اس موقعہ پر روزی نے اس کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کیا۔ اسکے باپ سے چھپا کر اُس کو اپنے ساتھ لیکر آئیں۔ یہاں پہنچکر رعنا کے باپ نے اپنے بیٹے کو تار دیکر بلایا اور ان سے کہا کہ رعنا سمندر میں ڈوب گئی"۔ نجمی نے کہا کیا رعنا فاروق سے بھی نہیں ملی؟" خاتون نے کہا ہندوستان واپس آتے وقت روزی نے رعنا سے وعدہ لے لیا تھا کہ اپنے بھائی یا اور کسی عزیز سے اپنے متعلق ایک لفظ بھی کہا یا کسی کو لکھا تو تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ اب تمہیں وہاں کوئی نہیں پوچھیگا۔ نجمی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انھوں نے پوچھا روزی نے رعنا کو یہاں لا کر کہاں رکھا ہے؟

خاتون نے جوابدیا اپنے بھائی چارلی کے یہاں رکھا ہے وہاں رعنا کے اوپر سخت نگرانی ہے کل اتفاق سے رعنا کے باپ کے ہاں کا ڈرائیور چارلی کے ہاں کسی کام سے گیا اس کو رعنا کے ساتھ بہت ہمدردی ہے رعنا نے اسکی خوشامد کر کے اس بات پر راضی کیا کہ وہ اس کو یہاں تک موٹر پہنچا دے۔ نجمی کا سانس تیز تیز چلنے لگا۔ انھوں نے گھبرا کر پوچھا کیا تم ہی رعنا ہو؟ لڑکی نے گردن جھکا کر کہا اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ میں کون ہوں۔ اب مجھے کہنا تو نہیں چاہیئے کیونکہ اب کوئی بھی مجھے رعنا... نہیں کہیگا۔"

نجمی کے ہاتھ پیر کانپنے لگے ان کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکال سکتے تھے۔ بالکل سکتے کے عالم میں اس لڑکی کی.. صورت دیکھ رہے تھے کوئی پانچ منٹ تک خاموشی رہی لڑکی نے گردن اٹھا کر نجمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ اسقدر پریشان کیوں ہوتے ہیں میں تو صرف

آپکو واقعات سے آگاہ کرنے آئی ہوں۔ یہ تو میں پہلے ہی جانتی تھی کہ اب میری صورت اس قابل نہیں کہ آپ مجھے پسند کریں" نجمی نے بہت ہی نرم لہجہ میں کہا۔ نہیں میں بالکل پریشان نہیں ہوں۔ تم اپنے دل میں ہرگز کچھ خیال نہ کرنا۔ جو واقعات تم نے بیان کئے ہیں۔ انھوں نے مجھے حیرت میں ڈالدیا ہے۔ میری عقل اسوقت کام نہیں دیتی اگر درحقیقت تم رضا ہی ہو تو اس سے زیادہ کونسا خوشی کا موقع میرے لئے ہو سکتا ہے۔ میری مری ہوئی بیوی زندہ ہو گئی"۔ لڑکی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا میں تو اپنے آپکو اس لائق نہیں سمجھتی کہ آپ جیسے خوبصورت شخص کی بیوی کہلاؤں۔

نجمی نے بہت ہمدردی کے لہجہ میں کہا تم اسقدر رنج کیوں کرتی ہو؟ مجھے تو تمھاری صورت میں کوئی برائی نظر نہیں آتی تمھاری صورت بہت اچھی ہے اور واقعی تم بدشکل ہو جاتیں یا خدانخواستہ کوئی عیب تمھاری صورت میں ہو جاتا تب بھی میں تمھیں قدر کی نگاہ سے دیکھتا"۔ لڑکی نے کہا میں اس بات کو کیسے گوارا کروں۔ کہ میری وجہ سے آپکی زندگی برباد ہو۔ میں ہرگز اس راز کو افشا نہ کرتی جب میرے والد ہی مجھے بھول گئے تو اور لوگوں کو یاد رکھنے کے لئے میں کیوں مجبور کروں۔ میں تو آپ کے پاس صرف اس غرض سے آئی ہوں کہ ایسا نہ ہو روزی زبردستی مجھے کسی....کے پھندے میں پھنسا دیں میرے اوپر اُن کا بڑا احسان ہے۔ وہ اپنے ساتھ....

ہندوستان لائیں میں اُن کے کہنے کے خلاف کیسے کر سکونگی۔ اور وہ میری بات کیوں چلنے دیں گی"۔ نجمی نے لڑکی کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں نہیں کبھی نہیں۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا اب تو مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ روزی کی کیا مجال ہے جو تم کو یہاں سے لیجا سکے میں کل ہی خادم وق کو تار دیکر بلاتا ہوں۔ تم کیوں گھبراتی ہو۔ لڑکی نے کانپ کر کہا۔ "آپ ابھی اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کیجئے۔ آپ نہیں جانتے روزی کسقدر خطرناک ہیں اُف بارہ برس تک جو جو سختیاں اور مصیبتیں میں نے برداشت کی ہیں وہ میں کس کو سناؤں۔ سب مجھے بھول گئے ہیں۔

میں اپنے بھائی کی صورت دیکھنے کو تڑپ رہی ہوں.... اتنا کہہ کر لڑکی نے اپنے

مُنہ پر رومال رکھ لیا ! ۔ رضو نے کے بازو پر اپنا سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ۔ اول تو نجمی خود ہی نرم دل تھے ۔ ۔ وہ کسی کو روتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے کجا "رعنا" جس کے تصور میں ایک مہینہ پہلے وہ اپنی ہستی کو بھولے ہوئے تھے ۔ دنیا اُن کو تاریک نظر آتی تھی ۔ ۔ حالانکہ اب واقعات دوسرا رنگ بدل چکے تھے ۔ اور نجمی کسی اور ہی خیال میں تھے ۔ مگر بچپن کی محبت جو اُن کو رعنا کے نام سے تھی ۔ اس وقت بھی بغیر اپنا اثر دکھلائے نہیں رہ سکی ان کا دل تڑپ گیا وہ اپنی کرسی سے اُٹھ کر صوفے پر لڑکی کے قریب آکر بیٹھ گئے اور اُس کے منہ پر سے رومال ہٹا کر نہایت محبت آمیز لہجہ میں کہا تم سب اگلی باتیں بھول جاؤ ڈرو نہیں میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے ۔ اب تم میرے پاس آگئیں یہ تمہارا گھر ہے ۔ یہاں سے تمہیں کوئی نہیں لے جا سکتا جس وقت کہو گی میں تمہارے بھائی کو بلا کر تم سے ملوا دوں گا ۔"

رحمت اللہ تمام باتیں پردے کے پیچھے کھڑا ہوا سُن رہا تھا اُس لڑکی کو نجمی کے قریب بیٹھے ہوئے دیکھ کر وہ بہت گھبرایا اس کی چھوٹی چھوٹی گول گول آنکھیں معمول سے زیادہ کھل گئیں بغیر کچھ سوچے سمجھے وہ زور زور سے کھانسنے لگا ۔ نجمی نے پوچھا کون ہے ؟ رحمت اللہ نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا میاں ذرا جلدی آئیے ۔"

نجمی فوراً کھڑے ہو گئے انھوں نے رحمت اللہ کے پاس آکر پوچھا کیا بات ہے ؟ رحمت اللہ نے اُسی گھبراہٹ کے لہجہ میں کہا ۔ "ظفر صاحب بہت پریشان آئے ہیں بڑا ضروری کام ہے ۔" نجمی نے کہا خیریت تو ہے ؟ رحمت اللہ نے کہا ۔ جی نہیں ۔" نجمی نے کہا ۔ "کیا بکتے ہو کچھ بتاؤ تو ؟ رحمت اللہ نے کہا آپ آئیے تو سہی "

نجمی نے تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے دوسرے کمرے میں پہنچے اور پوچھا کہاں ہیں ظفر ؟ رحمت اللہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا میری خطا معاف کر دیجئے ۔ میں نے آپ کو بہانہ سے بلایا ہے ۔" نجمی نے غصہ سے کہا کیوں کیا کام ہے ؟ رحمت اللہ نے پوچھا یہ کون بیگم صاحبہ آئی ہیں ؟ نجمی نے تیوری چڑھا کر سخت لہجہ میں کہا بڈھے آدمی ہو ۔ ورنہ ایک تھپڑ ایسا مارتا کہ ہوش ٹھکانے ہو جاتے ۔" رحمت اللہ نے کہا ۔ "خیر صاحب

مار لیجئے یہ موقعہ ہی ایسا ہے مگر بتائیے تو سہی یہ ہیں کون ؟

نجمی نے جھلا کر کہا "تمھیں کیا مطلب ؟" رحمت اللہ نے کہا "ارے میاں مطلب ہے۔ جب ہی تو پوچھ رہا ہوں۔" نجمی نے کہا "تمھیں شرم نہیں آتی پردے کے پاس کھڑے ہو کر باتیں سنتے ہو آخر تم نوکر ہو یا میرے اتالیق بنے ہو۔ جاؤ میرے ہاں تمھارا کوئی کام نہیں۔" رحمت اللہ نے کہا۔ "جو آپ کا دل چاہے کہہ لیجئے۔ مگر یہ بتا دیجئے کہ آپ انکو کیا سمجھ رہے ہیں ؟ نجمی نے کہا۔ "تم بڑے بے حیا ہو ایکمرتبہ کہہ تو دیا تمھیں کوئی مطلب نہیں جاؤ یہاں سے۔" رحمت اللہ نے کہا۔ خیر میاں میں تو چلا جاؤں گا۔ مگر آپ دھوکا کھا رہے ہیں میں خوب پہچانتا ہوں یہ لالی ہے۔ نجمی نے تیوری چڑھا کر پوچھا "لالی کون ؟" رحمت اللہ نے منہ بچھلا کر آہستہ سے کہا "روزی کی بیٹی ہے اس کا نام لالی ہے۔" ... نجمی کو باوجود سخت غصہ کے بھی مسکراہٹ آگئی۔ انھوں نے کہا "روزی کی لڑکی کا نام للی ہے تمھیں نام لینا بھی نہیں آتا۔" رحمت اللہ نے لاپروائی سے کہا۔ "سب اُسے لالی ہی کہتے تھے اس کے باپ کا نام بھی لالو تھا۔" نجمی کو رحمت اللہ کی شکل دیکھ کر ہنسی آگئی۔ انھوں نے پوچھا "تم نے یہ کیسے جانا یہ للی ہے ؟" رحمت اللہ نے کہا "اس وقت موٹر سے اتروا تے وقت میں نے اچھی طرح دیکھا نہیں تھا۔ وہ تو اب ماسٹر کو دیکھ کر میں سمجھا۔" نجمی نے پوچھا ماسٹر کون ؟

رحمت اللہ نے کہا وہ چھیدی جوتے والے کا جو ہے چارلی۔" نجمی نے کہا۔ "عجیب اوندھی باتیں کرتے ہو۔ میں کیا جانوں کون چھیدی جوتے والا۔" رحمت اللہ نے کہا۔ "ہاں صاحب مجھے خیال نہیں رہا۔ آپ اُسے کیا جانیں مگر روزی کے بھائی چارلی کا تو نام تو سنا ہوگا۔ یہ لالی کا ماموں ہے۔ موٹر وہی ہانک کر لایا ہے۔" نجمی اپنے اوپر کے دانتوں سے نیچے کا ہونٹ دبا کر کچھ سوچنے لگے۔ تھوڑی دیر تک وہ رحمت اللہ کو غور سے دیکھتے رہے پھر انھوں نے کہا "مجھے تمھارے کہنے کا یقین نہیں آتا وہ تو اپنے آپکو رعنا بتا رہی ہے۔ اور جو کچھ واقعات اُس نے بیان کئے ہیں وہ بالکل صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ ایسا جھوٹ کوئی نہیں گھڑ سکتا۔ تھوڑی دیر کیلئے نجمی سوچ میں پڑ گئے۔

اور انھوں نے گردن ہلا کر کہا نہیں تم غلط کہتے ہو۔ اس نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ وہ بالکل
ٹھیک ہے۔ رحمت اللہ نے کہا۔ "میاں وہ آپکو اپنے پھندے میں پھنسانا چاہتی ہے
میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کئے آپ ابھی بچہ ہیں اسکی باتوں میں آ گئے۔ اگر ایک
دن بھی اس کو آپ نے ٹھہرا لیا تو بڑا غضب ہو جائیگا۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ ہمیشہ کے واسطے
یہ بلا آپکے پیچھے پڑی۔" نجمی نے کہا۔ "تم کیا بکتے ہو وہ تو روزی کی سختیاں اور مظالم کا
ذکر کر کے رو رہی ہے۔ بی کو ایسی باتیں کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ اپنی ماں کی برائی
کیوں کرتی۔" رحمت اللہ نے کہا ارے میاں ان قیلھائیوں کو سب کچھ آتا ہے۔ آپ
ہی خصم کرا دیں اور آپ ہی تھانہ میں رپٹ لکھانے جائیں۔ آپ نہیں جانتے اسکی ماں نے
اپنی انہی باتوں سے آپ کے چچا جان کا دل موہ لیا تھا۔ کہیں شریف زادیوں کو ایسی باتیں آتی
ہیں۔ آپ نے یہ خیال نہیں کیا کہ وہ کیسا سنگھار کر کے آئی ہے۔ خوشبو کی لپٹیں یہاں تک
چلی آ رہی ہیں۔ ہماری رضا بی بی کبھی اس طرح سے آپکے پاس نہیں آتیں وہ تو آپ کی
اماں جان کے پاس جاتیں۔ نجمی نے کہا یہ سب تمھاری فضول باتیں ہیں۔ میں نہیں مان سکتا۔
رحمت اللہ نے کہا ارے میاں اسکی نگاہ خراب ہے۔ نجمی نے کہا بکو مت۔ رحمت اللہ
نے کہا۔ "اچھا صاحب ایک بات تو میری مان لیجئے اب کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔
میں کھانا لگواتا ہوں۔ آپ انکو کھانے پر بلا لیجئے آج میں خود کھانا کھلواؤں گا۔ آپ
انکے سامنے ذرا میرا ذکر تو کیجئے۔ اسوقت انھوں نے بھی مجھے اچھی طرح نہیں دیکھا تھا
یا پہچانا نہ ہوگا۔ پہلے میں داڑھی منڈواتا تھا۔ اور پہلوانی بھی کرتا تھا۔ اب تو سوکھ کر آم چچور
کی پھانک ہو گیا ہوں۔ اور میاں ذرا کھلانے پر ایک بات کا خیال رکھیئے گا کلائی کے اوپر ..
ہاتھ پر روپے کے برابر نشان ہے۔ جل گئی تھی۔ وہ بھی دیکھ لیجئے گا۔" نجمی نے کہا وہ تمھیں
کیا جانے رحمت اللہ نے کہا میاں وہ تو اس کا دل جانتا ہوگا۔ میں نے ہی اس کا ہاتھ جلایا
تھا۔ خط پر مہر لگا رہا تھا ہاتھ گھسائے جاتی تھی۔ میں نے گرم گرم لاکھ اس کے ہاتھ پر چپکا
دی۔ بہت دن تک بلکتا رہا۔ نجمی نے کہا تم بڑے ظالم آدمی ہو۔ رحمت اللہ نے جواب
دیا۔ ظالم کی کیا بات ہے۔ میرا دل جلا ہوا تھا۔ ایک ایک کی دس دس اپنی ماں سے

جوتی تھی سیانی تھی گیارہ برس کی یہ آپ سے بڑی ہے۔

نجمی خاموش ہو کر کچھ سوچتے ہوئے واپس چلے گئے۔ کھانے کی میز پر نجمی نے لڑکی کو مخاطب کر کے کہا تم نے رحمت اللہ کو دیکھا یہ آدمی پہلے تمہارے ہی یہاں نوکر تھا۔ امی نے تمھیں بچپن میں پالا تھا۔ اس کی بیوی تمہاری انا تھی۔ رحمتی نے اسکو نکال دیا تھا پہلے ہمارے اباجان کے پاس تھا اب میرے ہاں رہتا ہے۔ اس کو بھی تمہارے مرنے کا سن کر بہت رنج ہوا تھا۔ رحمت اللہ کا نام سن کر لڑکی کچھ.. گھبرا سی گئی۔ اس نے غور سے رحمت اللہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ مجھے تو اس زمانہ کی کوئی بھی بات، یاد نہیں۔ رحمت اللہ نے کہا جی ہاں آپ تو چھوٹی تھیں بھول گئی ہوں گی مگر مجھے تو سب باتیں رتی رتی یاد ہیں۔ لڑکی نے کہا میری صورت تو بالکل بدل گئی ہے۔ کوئی بھی نہیں پہچان سکتا۔ رحمت اللہ نے کہا۔ "نہیں بیوی آپکی صورت میں کوئی فرق نہیں ہوا بالکل ویسی ہی ہیں۔ جیسے پہلے تھیں میں نے تو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ ماشاء اللہ رنگ بھی اب صاف ہو گیا۔ نجمی نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے رحمت اللہ سے کہا تم ہمیشہ الٹی بات بولتے ہو یوں نہیں کہتے رنگ کم ہو گیا

رحمت اللہ نے کہا۔ "جی ہاں خیال نہیں رہا۔ ایک ہی بات ہے۔" نجمی نے کہا دیکھو ان کے ڈرائیور کو کھانا کھلوانا۔ بھول نہ جانا۔ رحمت اللہ نے کہا۔ "نہیں حضور اتنے دن بعد تو ماسٹر سے ملاقات ہوئی ہے۔ میں خود انکو اپنے ساتھ کھانا کھلاؤنگا۔ بڑے اچھے آدمی ہیں۔ میری انکی پرانی دوستی ہے۔

نجمی کے مزاج میں مروت زیادہ تھی انھوں نے سوچا اگر رحمت اللہ کی بات کا جواب دیا تو فوراً بھانڈا پھوٹ دیگا اس لئے بات کا رخ بدل دیا۔ رحمت اللہ برابر ہاتھ کے لقمان کی طرف اشارہ کئے جارہا تھا۔

کھانے کے بعد نجمی پھر لڑکی کو لیکر ملاقاتی کمرے میں آگئے اب ان کے دل میں بھی شک پیدا ہو گیا تھا۔ وہ اس فکر میں تھے کہ کسی طرح اس لڑکی سے پیچھا چھڑایا جائے

ادھر رحمت اللہ نے کھانے پر ڈرائیور سے باتیں شروع کیں۔ کہو ماسٹر کیا حال

چال ہیں۔ بہت دن بعد ملاقات ہوئی۔ آپا جی اور بچے تو مزے میں ہیں۔ لونڈا تو اب سیانا ہو گیا ہوگا۔ کہیں نوکر چاکر ہے۔ یا اپنے ہی ساتھ کام پر لگا لیا ہے۔ ڈرائیور نے انجان بن کر جواب دیا۔ بڑے میاں تم کسی اور دھوکے میں ہو۔ میں تو تمہیں جانتا نہیں۔

رحمت اللہ نے کہا ارے یار کیا باتیں کرتے ہو۔ یہ چکمہ کسی اور کو دینا۔ اپنے لنگوٹیے یار رحمت اللہ کو بھی بھول گئے۔ ڈرائیور نے کچھ سوچ کر کہا نام تو یاد پڑتا ہے کبھی سنا تھا۔ رحمت اللہ نے ڈرائیور کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر ٹھٹھا لگا کر کہا ارے میرا یار کیسا انجان بن رہا ہے۔ ڈرائیور نے مسکرا کر کہا کچھ پتہ تو دو۔ رحمت اللہ نے کہا "وہ الہ آباد کا یاد کرو۔ جب میں پروفیسر صاحب کے ہاں ڈرائیور تھا اور تم جوتے بنا کر لایا کرتے تھے۔ کیا بڑھیا جوتے تمہارے ہاتھ کے ہوتے تھے۔ کہ سالوں نہیں ٹوٹتے تھے۔" ڈرائیور نے کچھ جھینپ کر کہا۔ "تم نے خوب پہچانا میں تو بالکل بھول گیا تھا۔"

رحمت اللہ نے ٹھنڈا سانس لیکر کہا۔ "ہاں بھائی دنیا کا یہی ڈھنگ ہے۔ تم اب بڑے آدمی ہو گئے ہو ہم وہی رحمت اللہ خدمتگار ہیں۔ آج ہماری بھی کوئی بہن بھانجی ہوتی تو بڑے آدمیوں سے رشتہ جوڑ لیتے۔" ڈرائیور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ رحمت اللہ نے کہا ماسٹر اب تمہاری کیا خاطر کریں۔ تاڑی، داڑی تو کچھ ہے نہیں۔ یہ حقہ موجود ہے۔

ڈرائیور نے کہا جی کیا باتیں کرتے ہو میں تاڑی نہیں پیتا۔ رحمت اللہ نے کہا ہاں اب تاڑی کاہے کو پیو گے اب تو برانڈی کی بوتلیں چڑھاتے ہو گے۔ پروفیسر صاحب کا روپیہ حلال ہو رہا ہے۔ موج ہی موج ہے۔" ڈرائیور نے تیوری چڑھا کر کہا۔ "ہیں پروفیسر صاحب کے روپیہ سے کیا مطلب۔ ہماری اپنی تین چار سو روپے مہینے کی آمدنی ہے۔ ٹیکا کا الگ ہمارا ملکیٹ چکر ہو گیا ہے۔ ہمیں کسی کے روپیہ کی کیا پرواہ ہے۔"

رحمت اللہ نے کہا۔ ارے یار بھیا پھر بھی اچھی ہوتی ہے۔ تم تو اپنی بہن کی روٹیوں پر پڑے تھے۔" ڈرائیور نے کہا دیکھو جی تم الٹی سیدھی باتیں نہ کرو۔"

رحمت اللہ نے کہا۔ "اب پتہ کی کہدی تو مرچیں لگ گئیں جس کو خبر نہ ہو اس کے آگے شیخی بگھارنا۔ ہم تمہاری سات پشت تک جانتے ہیں۔" ڈرائیور نے غصہ سے کہا زیادہ بکواس

مت کرو۔" رحمت اللہ نے کہا "دیکھو منہ سنبھال کر بات کرو نہیں تو ابھی مزا چکھا دونگا۔"
ڈرائیور نے کہا۔ "ابے جلے بڑھے ایک دھکا دوں تو چار لڑھکنیاں کھائے ٹکے کا آدمی
اور ہمارے منہ لگتا ہے۔"

رحمت اللہ ایک تو پہلے ہی جلا ہوا تھا۔ اُس پر ڈرائیور کی سخت کلامی نے اُسے
آپے سے باہر کر دیا۔ اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک تھپڑ ڈرائیور کے منہ پر رسید کیا۔ اُس
نے بھی جھلا کر ایک لات ایسی ماری کہ رحمت اللہ دُور جا پڑا۔ دھماکے کی آواز سُن کر بیرا
خانساماں دوڑے۔ اِن لوگوں کو آتا دیکھ کر ڈرائیور چپکے سے موٹر میں جا بیٹھا۔

رحمت اللہ بھی اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا اُس کے پیچھے دوڑا قبل اس کے کہ
ڈرائیور موٹر اسٹارٹ کرے اِن لوگوں نے اِسے گھیر لیا۔ غل شور کی آواز سن کر نجمی کمرے
سے باہر نکل آئے۔ رحمت اللہ نے کہا "حضور یہ چارنی موٹر لے کر بھاگا جا رہا ہے۔" نجمی
پہلے ہی سے تاؤ پیچ کھا رہے تھے۔ انہوں نے ڈانٹ کر کہا۔ "اتارو اس کے ہاتھ پکڑ کر۔"
رحمت اللہ کو اشارہ کافی تھا۔ وہ موٹر کی طرف بڑھا نجمی نے کمرے میں آکر لڑکی سے کہا۔
"مہربانی فرما کر آپ تشریف لیجائیے میں خود الہ آباد آکر تحقیق کرونگا۔" لڑکی نہایت
خاموشی سے نجمی سے ہاتھ ملا کر موٹر میں بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر تک نجمی برآمدہ میں کھڑے
کچھ سوچتے رہے جب موٹر کوٹھی کے پھاٹک سے باہر نکل گئی تو رحمت اللہ کو لیکر کمرے
میں گئے اور پوچھا یہ ڈرائیور موٹر لیکر کیوں جا رہا تھا؟ رحمت اللہ نے کہا حضور باتوں
باتوں میں لگا وہ شیخی بگھارنے میں نے بھی اس کے ایک ہاتھ دھر دیا۔ بس اسی بات پہ وہ موٹر
لیکر جانے لگا۔ نجمی نے کہا۔ "تم نے اُسے مارا کیوں؟" رحمت اللہ نے جواب دیا "صاحب
وہ بلے پیر کی اڑا رہا تھا۔ مجھے غصہ آگیا۔ وہ تو یہ کہئے کہ خانساماں اور غفور
آگئے۔ نہیں تو اِس وقت اسکی لاش پھڑک گئی ہوتی۔" نجمی نے کہا۔ "مجھے خبر بھی نہیں
اور تم اُس سے فوجداری کرنے لگے مگر وہ تو تگڑا آدمی ہے۔ تم سے پٹ کیسے
گیا۔" رحمت اللہ نے کہا۔ "وہ تگڑا کیا ہے شراب پی پی کر کُپا بنا ہوا ہے۔ اس میں
دم تھوڑی ہے۔ ایک تھپڑ میں سانس پھول گیا بھاگتے ہی بن پڑی۔" نجمی نے کہا

تم نہایت بیوقوف آدمی ہو۔ اگر اسکے زیادہ چوٹ لگ جاتی تو کیا ہوتا؟" رحمت اللہ نے کہا نہیں صاحب چوٹ کیسے لگ جاتی وہ مجھ سے ڈرتا ہے۔" نجمی نے کہا "ابھی تو تم کہہ رہے تھے۔ اُس میں دم نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ تم خود۔۔ پٹ گئے۔" رحمت اللہ نے کہا خیر صاحب مجھے اپنے پٹنے کا تو رنج نہیں۔ مگر اللہ نے میری لاج رکھ لی۔" نجمی نے کہا ایک چمار کے ہاتھ سے مار تو کھائی پھر کیا عزت رہ گئی۔؟ رحمت اللہ نے جواب دیا۔ "نہیں صاحب یہ تو معمولی بات تھی البتہ لالی اگر یہاں رہ جاتی تو میں کہیں کا نہیں رہتا بڑے سرکار تو کوڑے اُستر سے میرا سر منڈوا کر لاپتہ کر تے۔" نجمی نے کہا اچھا خیر اب تو جاؤ۔ میں فاروق کو کانپور بلا کر اِس معاملہ کی تحقیق کروں گا۔"

یہ واقعہ ایسا عجیب و غریب پیش آیا کہ نجم الزماں دو چار روز کیلئے تمام پچھلی باتیں بھول گئے۔ انھوں نے اپنے کسی دوست سے بھی اسکا ذکر نہیں کیا کیونکہ جو سنتا انھیں کو احمق بناتا۔ وہ اپنی بہن کے ہاں کانپور رحمت اللہ کو ساتھ لیکر گئے اور فاروق کو بھی بلا لیا۔ ابھی تک وہ لڑکی کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکے تھے۔ رحمت اللہ کی بات کا کچھ اعتبار نہیں تھا۔

سلطانہ اور انور زماں کی موجودگی میں نجمی نے اس لڑکی کی گفتگو لفظ بلفظ سنائی اور رحمت اللہ کی کارروائی بھی بیان کی رحمت اللہ نے فاروق سے کہا۔ میاں خدا نے ہمارے جنٹ صاحب بہادر کو بال بال بچا لیا اگر میں نہ ہوتا۔ تو وہ اپنا داؤں کھیل گئی تھی۔" فاروق نے کہا واقعی تم نے انعام کے لائق کام کیا ہے۔ اگر میں کہیں کا رئیس ہوتا تو آدھی ریاست تمھیں دیدیتا۔" رحمت اللہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا میاں اس سے بڑھکر کیا انعام ہوگا۔ کہ آج آپ کو منہ دکھانے کے لائق رہا نہیں تو کسی کنوئیں میں ڈوب مرتا۔" فاروق نے پوچھا۔ تم نے اسے پہچانا کیسے؟ وہ تو بڑی صفائی سے اپنے چہرہ کو پینٹ کرتی ہے۔ رحمت اللہ نے کہا جی ہاں۔" پہلے تو میں نے بالکل نہیں پہچانا۔ جب چارلی کو دیکھا تو میں گھبرایا اور پردے میں سے جاکر جھانکا تو قلعی کھلی کہ آخاہ آپ ہیں ارے میاں ایسا سنگھاڑ کیا تھا۔ کہیں آپ سے کیا کہوں ہونٹ

تو ایسے لال تھے۔ کہ معلوم ہوتا تھا بلّی نے کبوتر کھا لیا ہے۔ اور انگلیوں کے ناخن جیسے
چیل کے پنجے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں کو کاجل لگا کر بڑا کیا تھا۔ اور صاحب ہاتھ ہاتھ بھر کے
بُندے پہنے تھی۔ چوڑیاں تو اُس نے کہنیوں تک پہن رکھی تھیں اور میاں سُرخ انگارا بنارسی۔
ساڑھی اور اب آپ ہی کیا کہوں کیسا ننگا پہناوا وہ پہنتے تھی اُس پر طرّہ یہ کہ اپنے آپ کو
ڈھانکتی تک نہیں تھی ہیں تو دیکھ کر زمین میں گڑ گیا" انور زماں نے کہا تم یہ تو بتاؤ۔۔ نجمی
کے ساتھ اس کی کیا بات چیت رہی۔" رحمت اللہ نے کہا سب باتیں صاحب نے خود ہی
بتا دیں ایک آدھ بات ایسی ہے۔ جس کو میں کہوں گا تو میاں شرما جائیں گے" نجمی نے کہا۔
تم بہت بیہودہ آدمی ہو جاؤ یہاں سے"

انور زماں نے ہنس کر کہا اوہو یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ کچھ بتاؤ تو سہی رحمت اللہ
نے کہا۔ وہ صاحب بات یہ ہے۔ کہ ہمارے میاں کا دل بہت نرم ہے۔۔ اُس کے منہ پر رومال
رکھ کر جو ٹسوے بہانے شروع کئے تو بھلا میاں کیسے گوارا کرتے جھٹ اپنی کرسی سے
اُٹھ کر اس کے پاس کوچ پر جا بیٹھے۔ آپ جانتے ہیں وہ کس بلا کی بیٹی ہے۔ میاں کو اپنے
پاس بیٹھا دیکھ کر ہچکی سسکیاں بھرتے اُن کو ایسی باتوں کی تاب کہاں گھبرا کر اس نے منہ پر سے
رومال ہٹانے کی کوشش کرنے لگے" نجمی نے جھینپ کر کہا کیا فضول باتیں کرنے لگے ہو"

انور زماں نے قہقہہ لگا کر کہا ہاں رحمت اللہ آگے کیا ہوا؟" رحمت اللہ نے کہا۔ "حضور
کیا میں چھ گننے والا تھا۔ پردے کے پیچھے سے یہ کہا فسانا شروع کیا" انور زماں نے کہا کیوں
نجمی تمہیں تو رحمت اللہ پر بہت غصہ آیا ہوگا" نجمی نے کہا انور بھائی! یہ تو ہیں بدتمیز آدمی
ذرا آپ خود انصاف کیجئے کہ رعنا کا خیال کرتے ہوئے میں اس کی مصیبت اور تکلیف پر
اتنی بھی ہمدردی نہ کرتا اگر اس کا حق خدا نے کسی وجہ سے چھین لیا تھا تو کیا میں بھی
آنکھیں پھیر لیتا۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں اگر اس کی ایک آنکھ بھی ہوتی جب بھی میں اس سے
بے رخی کا برتاؤ نہ کرتا۔ فاروق نے کہا۔ "رعنا ہوتی جب تو" نجمی نے کہا واقعی میں تو رعنا ہی سمجھ
رہا تھا۔ اور میں کیا اگر تم بھی ہوتے تو یہ قصہ سُن کر اُسے رعنا ہی سمجھتے"۔ سلطانہ نے کہا
اُس نے واقعات ہی ایسے بتائے کہ ہر شخص رعنا ہی سمجھتا۔ نجمی نے کہا اور مجھے تو اب

بھی شبہ ہی تھا۔ ممکن ہے اس کا کہنا صحیح ہو۔ فاروق کو اس کا علم نہ ہو چچا جان کی دماغی حالت یہ خود ٹھیک نہیں بتاتے"۔ فاروق نے کہا ٹھیک نہ ہونے کے یہ معنی تھوڑے ہی ہیں۔ کہ خدانخواستہ وہ پاگل ہو گئے ہیں۔ اس حال پر بھی وہ ہم سے زیادہ عقلمند ہیں۔

علاوہ اس کے بلی دو روز غائب رہی معہ موٹر کے۔ وہاں یہ مشہور تھا کہ کسی کی شادی میں کانپور گئی ہے۔ انور زماں نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے۔ نجمی پر اس کا جادو چل گیا۔" فاروق نے کہا اگر انہیں پسند آ گئی ہے تو اس کے ساتھ شادی کر لیں۔ آخرکار کہیں نہ کہیں تو شادی کریں گے اچھا ہے۔ اسی گھر کی بیٹی آئے۔" نجمی نے کہا "نہیں فاروق تم کیا باتیں کرتے ہو۔ میں ایمان سے کہتا ہوں مجھے وہ ہرگز پسند نہیں آئی۔ تم میری طرف سے ایسی بدگمانی نہ کرنا مجھے ان دونوں ماں بیٹیوں کے نام سے نفرت ہے۔ میرا تو صرف یہ خیال تھا کہ کہیں واقعی وہ رعنا نہ ہو۔" فاروق نے کہا ہرگز نہیں تم اس غلط فہمی میں نہ رہنا میں نے تو کسی سے ذکر نہیں کیا تھا پہلا وار میرے ہی اوپر ہوا تھا۔ بڑی بڑی ترکیبیں دونوں ماں بیٹیوں نے کیں بڑی خوشامد بھی کی خود بلی نے اظہار محبت کیا مگر کسی طرح کامیابی نہ ہوئی تو انھوں نے تمھیں پھانسنا چاہا اگر پاپا سے کہتا ہوں تو وہ نہ معلوم کیا کر گزریں گے آج کل روزی سے بہت بیزار ہیں اور اس کی لڑکی سے تو گویا انہیں عداوت ہو گئی ہے میں عجیب مشکل میں گرفتار ہوں اب یہ نیا شگوفہ کھلا۔ نجمی نے کہا چچا جان کو خبر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس خاموش ہو جاؤ۔" انور زماں نے بھی یہی کہا ہاں بھئی اب معاملہ کو بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے"۔ بیچارے ماموں جان کے زخموں پر نمک پاشی کرنے سے کیا فائدہ جب دسمبر کی چھٹیوں میں ان کے پاس گیا تھا۔ تو انھوں نے تمام باتیں مجھ سے کہی تھیں۔ وہ تو اب برسوں سے روزی سے بیزار ہیں کہتے۔ بس اپنی بات پر نباہ رہے ہیں۔" سلطانہ نے کہا جب یہی بات ہے تو اپنے گھر میں کیوں رکھ چھوڑا ہے نکال کر باہر کریں۔" انور زماں نے کہا "دنیا کیا کہے گی۔" سلطانہ نے جواب دیا دنیا تو پہلے کہہ چکی اب کیا ڈر ہے "دنیا کا" انور زماں بولے" اب تو وہ ان کی بیوی کہلاتی ہے کس طرح نکال سکتے ہیں۔" سلطانہ نے کہا "عجیب ہیں کیا مطلب وہ

تو جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ مگر نجمی کے ساتھ جو اتنا بڑا فریب کیا ہے۔ اس کی بھی کوئی سزا نہیں ملیگی۔ میرا تو خون کھول رہا ہے۔ خدا رحمت اللہ کا بھلا کرے نہیں تو نجمی بھی ہاتھ سے گئے تھے۔ میں نے تو ایسی مکاری کی باتیں کبھی سنی نہیں تھیں روزی نے تو حد ہی کر دی شاید رضا غریب کو اس نے جان بوجھ کر سمندر میں دھکا دیا خدا غارت کرے۔" انور زمان نے کہا روزی پر کیا منحصر ہے۔ ہر شخص کی یہی کوشش ہوتی ہے۔ کہ جو چیز اس کے حق میں مضر ہو وہ کسی نہ کسی طرح دنیا سے نیست و نابود ہو جائے یہاں تک کہ آب و ہوا بھی وہ اپنے ہی موافق چاہتا ہے۔ دنیا میں زیادہ تر لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو اپنی بہتری کیواسطے دوسروں کے نقصان کا خیال نہیں کرتے وہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق سب کچھ حاصل کریں۔ طاقتور اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ کمزور کو ناکامی کا منہ... دیکھنا پڑتا ہے۔ قدرت کے انتظامات بھی کچھ اس قسم کے واقع ہوئے ہیں۔ بڑے درخت کے قریب چھوٹا پودا کبھی سرسبز و شاداب نہیں ہو سکتا کیونکہ اسکی تمام قوت بڑا درخت چوس لیتا ہے۔ ہزاروں مثالیں دنیا میں موجود ہیں۔ خاصکر عورت کی فطرت میں یہ بات مرد سے کہیں زیادہ پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے مخالف کو نقصان پہنچانے میں نہایت ہوشیاری اور خاموشی سے اپنا وار کیا کرتی ہے۔ اور ایسی کاری ضرب لگاتی ہے۔ کہ بڑے بڑے بہادر اس کا لوہا مان گئے ہیں۔" سلطانہ نے جواب دیا۔ "یہ تو آپ بالکل غلط کہتے ہیں۔ لاکھوں میں کوئی ایک عورت ایسی ہوتی ہوگی۔ کیا مرد اپنے دشمن سے انتقام نہیں لیتے؟ عورت تو پھر بھی صبر کر کے خاموش ہو جاتی ہے۔ لیکن مرد تو فوراً مارنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ سینکڑوں عورتیں ایسی ہیں جو اپنے اوپر جبر کر کے شوہروں اور ان کی دوسری عورتوں کے بیجا مظالم برداشت کرتے کرتے اپنی زندگی ختم کر دیتی ہیں۔ اور اپنی زبان سے اُف نہیں نکالتیں کیا کوئی مرد اتنا حوصلہ کر سکتا ہے؟ وہ تو اگر اپنی بیوی کو کسی غیر مرد سے ہنس کر بات کرتے ہوئے دیکھ لے تو بغیر جان لئے نہ چھوڑے۔" انور زمان نے کہا "یہ تو تمہارا کہنا ٹھیک ہے۔ عورت متحمل مزاج اور صابر ضرور ہوتی ہے۔ مگر اپنے دشمن کے لئے خطرناک بھی بہت ہے۔"

سلطانہ نے کہا معاف کیجئے گا عورتوں کے دشمن کم ہوتے ہیں۔ یہ عادت تو مردوں
ہی میں ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر ایجاد دشمن پیدا کر لیتے ہیں۔" انور زماں نے کہا فرض کرو اگر کسی
عورت کا کوئی دشمن ہو جائے تو وہ کیا کرے سلطانہ نے کہا "شریف اور پارسا عورت کیلئے
سوکن سے زیادہ کوئی دشمن نہیں ہو سکتا۔ مگر وہ اس کڑوے گھونٹ کو بھی صبر کے ساتھ...
آنکھیں بند کر کے پی جاتی ہے۔" انور نے جواب دیا وہ مجبوری کی حالت میں ایسا کرتی ہے
لیکن ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتی ہے۔ اور چپکے چپکے تدبیریں سوچا کرتی ہے مرد کی طرح
نہیں کہ جس وقت غصہ آ گیا علانیہ ایک عمارت کو برباد کرنے کیلئے کدال پھاوڑا ہاتھ میں
لیکر کھڑا ہو گیا اور غصہ ختم کیا لیکن عورت وہ اندر اندر ایک عظیم الشان قلعہ میں سُرنگ...
بنا کر اس کی بنیادیں کمزور کر کے آخر ایک دن مسمار کر دیتی ہے۔ مرد اپنے دشمن پر قابو
حاصل کر کے مجمع عام میں ہلاک کر دیتا ہے۔ وہ اپنی جان کا خیال نہیں کرتا۔ مگر عورت
اپنے دشمن پر قبضہ کرنے کے بعد وہی حال کرے گی جو روزی نے رحمٰنا کے ساتھ کیا اور
اپنی بے گناہی کا ثبوت پیش کرنے کے لئے خود ماتم کرنے بیٹھ جائے گی۔" سلطانہ نے کہا
کیا سوتیلے بچوں کے ساتھ سب عورتیں ایسا ہی سلوک کرتی ہیں"؟

یہ تو آپ بڑی بے انصافی کی بات کہہ رہے ہیں۔ ہزاروں بچے ایسے ہیں۔ جن
کی مائیں ننھا منا سا چھوڑ کر مر جاتی ہیں۔ اور سوتیلی مائیں انکو اپنے بچوں سے زیادہ کلیجہ سے
لگا کر رکھتی ہیں۔" انور نے کہا یہ بات میں تمہاری کبھی نہیں مانوں گا۔ اگر کوئی عورت ایسا
کرتی ہے۔ تو محض اپنے شوہر پر قابو حاصل کرنے کیلئے یا اس کے خوف سے یا پھر اپنی
تعریف کے واسطے اُس کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے! اسمیں بُرا ماننے کی کیا بات ہے۔ یہ
تو قدرتی اصول ہیں۔ تم کیسے بدل سکتی ہو۔ تاریخ اُٹھا کر دیکھ لو۔ بیسیوں واقعات ایسے
ملیں گے اور ہندوستان کا تو بچہ بچہ جانتا ہے۔ ہر سال رام لیلا کا تہوار اسکی شہادت دیتا
ہے۔ سلطانہ نے کہا تاریخ بنانے والے بھی تو آپ ہی جیسے مرد تھے۔ کیا خبر ہے صحیح
ہے یا غلط انور نے ہنسکر کہا تاریخ تو مردوں نے غلط بنالی لیکن ہر سال کا جج بھی
تو اسی بات کی تصدیق کرتا ہے۔" سلطانہ نے کہا عورتوں پر کیا منحصر ہے۔ جلن

اور تعصب کا مادہ مردوں میں بھی کچھ کم نہیں ہے۔ حضرت یوسف کے بھائیوں کا قصہ یاد کیجئے۔" نجمی نے کہا۔ "خدا کے واسطے اپنی بحث بند کیجئے میرا دل گھبرا گیا ہے۔" فاروق بولے "اسوقت تو خاصی لڑائی ہو گئی اگر معاملہ زیادہ طول پکڑ جاتا تو میں سلطانہ آپا کی طرف ہو جاتا اور شاید نجمی بھی اُنہیں کا ساتھ دیتے۔" انور نے کہا "کیوں صاحب آپ سلطانہ کی طرف کیسے ہو جاتے میں تو آپ ہی دونوں کی نمائندگی کر رہا تھا۔ مجھے نہ اپنی بیوی سے کوئی شکایت نہ ماں سے۔ بیوی کو تو میں سب سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں ماں سے قسم لیکر پوچھ لو کبھی اُن کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرتا ہوں۔ اور اماں کو خدا بخشے وہ میرے واسطے نعمت اور رحمت ہی ثابت ہوئیں بہن بیچاری میرے اوپر جان چھڑکتی ہے۔ مجھے عورت سے شکایت کرنے یا اُسے بُرا کہنے کا کیا حق ہے۔" رحمت اللہ بھی ایک کونے میں بیٹھا سب کی باتیں سُن رہا تھا کہنے لگا "صاحب عورت کی ذات ہی ایسی ہوتی ہے۔ اماں حوا نے باوا آدم کو جنت سے نکلوایا تھا۔" انور نے زور سے قہقہہ لگایا۔ سلطانہ نے بگڑ کر کہا۔ "اے واہ واہ یہ بھی بیچارے اپنے کو کچھ سمجھنے لگے۔ نجمی تم نے ان کو بہت سر چڑھا لیا ہے۔ مجھے یہ باتیں نوکروں کی اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔" انور نے مسکرا کر آہستہ سے کہا۔ "رحمت اللہ نے سلطانہ کو ہرا دیا۔" سلطانہ نے جل کر کہا "آپ ہی لوگوں نے تو گستاخ کر دیا ہے"

انور نے کہا "اچھا یہ سب باتیں تو ہو گئیں اب نجمی کی شادی کی فکر ہونی چاہئے۔"

رحمت اللہ پھر بولا۔ "میاں لڑکیوں کی کمی ہے۔ بیسیوں کا نام تو میں بتا دوں مگر جیسی لڑکی ہم چاہتے ہیں وہ تو ڈھونڈے ہی سے ملے گی" فاروق نے ہنس کر کہا۔ "یہ ہم کی بھی ایک ہی رہی" سلطانہ نے مسکرا کر تیوری چڑھاتے ہوئے پوچھا "تم کیسی چاہتے ہو کوئی کوہ قاف کی پری آئیگی؟" رحمت اللہ نے ٹھنڈا سانس لیکر کہا۔ "ارے بیوی پریوں کو بھی دیکھ لیا ہے۔ آپ کی چچی جان کسی پری سے کم نہیں تھیں لیکن آپ کو تو یاد نہیں رہی ہونگی۔ انور میاں سے پوچھئے۔ مگر کیا کیا جائے۔ ایک چڑیل نے پروفیسر صاحب پر اپنا قبضہ جما لیا۔ قسمت کے پھیر ہیں۔ عجب تیری

قدرت عجب تیرے کھیل پھوندہ کے سر میں چمبیلی کا تیل نجمی نے ہنسکر کہا بس رحمت اللہ
بس اب تم زیادہ باتیں نہ کرو۔" انور زماں نے سنجیدگی سے کہا بات تو رحمت اللہ نے بالکل
ٹھیک کہی ہے۔ چھوٹی ممانی جان ایسی ہی خوبصورت تھیں جن کو پری کہا جا سکتا تھا۔ نجمی نے
کہا بڑے افسوس اور تعجب کی بات ہے۔ کہ چچا جان نے انکی ایسی ناقدری کی انور نے کہا
بھئی دیکھو سچی بات تو یہ ہے۔ کہ نہ ماموں کا قصور تھا نہ ممانی جان کا۔ اصل میں ان...
دونوں کی تربیت ناقص ہوئی تھی۔ ماموں جان کی والدہ یعنی ہماری نانی اماں نے انکو بچپن
سے خود پسند بنا دیا تھا انکی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔ پڑھنے میں ہمیشہ تیز
رہے۔ ہر امتحان میں اول آئے ڈانٹ اور غصہ تو کجا کبھی کسی نے ٹیڑھی نگاہ سے
نہیں دیکھا۔ بہن بھائی ہر وقت انکی تعریف اور خاطر کرتے تھے اماں صدقے قربان ہوتی
تھیں کھانا اُن کے واسطے خاص طور سے الگ پکتا تھا۔ اُن کے پینے کا پانی علیحدہ رہتا
تھا۔ کوئی اسکو ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ کپڑے انگریزی دوکان پر سلتے تھے۔ غرض انکی
ہر چیز میں خصوصیت تھی مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ ان کا سجا ہوا کمرہ دیکھکر تصویروں کو
دیکھنے کو دل چاہتا تھا۔ مگر نانی اماں کو خدا بخشے فوراً ٹوکتی تھیں "بیٹا چھوٹے ماموں کے کمرے
میں نہ جانا انکی چیزیں خراب ہو جائیں گی۔" انہیں سب باتوں کی وجہ سے ان کے دماغ میں خود پسندی
پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اپنے سے زیادہ کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ ایک تو عادت ہی کم بولنے کی تھی۔
دوسرے وہ چاہتے تھے سب انہیں کی سی کہیں اپنے خلاف نہیں سننا چاہتے تھے اسی
وجہ سے انھوں نے پروفیسری پسند کی جہاں سینکڑوں لڑکے انکی بات کا یقین کریں۔
اب تمہیں بتاؤ جس شخص کی ایسی عادتیں ہوں اُس کیلئے کیسی بیوی ہونی چاہیے تھی۔"
نجمی نے جواب دیا انکی موجودہ بیوی نہایت مناسب ہیں۔ چچی جان سنا ہے۔ بہت سیدھی تھیں"
انور نے کہا۔" ان کا حال کچھ نہ پوچھو۔ معلوم ہوتا تھا بھونرے میں پرورش پائی تھی۔ انکے
نہ باپ تھے نہ کوئی بھائی تھا وہ مرد کی اونچی آواز سے سہم جاتی تھیں۔ بڑی نازونعم میں پلی
ہوئی تھیں اور ساتھ ہی خودداری یا ضد انہیں کافی تھی۔ اس کے علاوہ نانی اماں نے
شادی ہوتے ہی اپنے بیٹے کا خوف انکے دل میں بٹھا دیا تھا۔ وہ میاں کو ہوا سمجھنے لگی تھیں۔

سال بھر بعد ماموں جان ولایت چلے گئے۔ بس ساری خرابی تو یہ ہوئی۔ دو تین سال
کے بعد وہ وہاں سے پورے صاحب بہادر بن کر آئے اور ممانی جان بیچاری ساس
کے نقش قدم پر چلنے لگیں۔ نجمی نے کہا۔ "ہندوستان کی عورتیں نوے فی صدی اپنے
لڑکوں کے گھر خود برباد کرتی ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ بہوئیں انکی مرضی پہ چلیں ناتجربہ کار اور
بیوقوف لڑکیاں اسمیں اپنی تعریف سمجھتی ہیں۔ اور شوہروں سے مخالفت پیدا کر لیتی ہیں
فاروق بولے۔ "تم ٹھیک کہتے ہو میں بھی اسی نتیجہ پہ پہنچا ہوں۔ کہ پاپا کا زیادہ قصور
نہیں تھا ہماری اماں جان بہت سیدھی تھیں" رحمت اللہ نے کہا "ارے میاں کیا
پوچھتے ہو۔ وہ بالکل اللہ میاں کی گائے تھیں۔" نجمی نے کہا معلوم ہوتا ہے۔ تمہاری
زبان میں کوئی بیماری ہے بولے بغیر چین ہی نہیں آتا۔ رحمت اللہ نے کہا میاں کیا کہوں
میرے اوپر تو وہی کہاوت اصل ہوگئی۔ ایک جولاہا تھا آگے کیا ہوا؟ رحمت اللہ نے کہا اس
جولاہے کی عادت تھی کہ ہر بات میں بے فضول بولا کرتا تھا۔ مگر صاحب اپنے کام میں
استاد تھا۔ ایک دفعہ اس نے ایک کپڑے کا تھان ایسا تیار کیا۔ جو کبھی کسی نے خواب میں
بھی نہ دیکھا تھا۔ لوگوں نے جولاہے کو مشورہ دیا۔ کہ بھئی یہ تھان تو بادشاہ کی پوشاک کے
لائق ہے۔ اگر دربار میں بیچا تو بہت سا انعام پاؤ گے مگر کسی بات میں بولنا نہیں۔
اپنا تھان بادشاہ کے حضور میں پیش کر کے چپکے بیٹھے رہنا۔" جولاہے نے کان پکڑ کر
کہا کبھی ایسی گستاخی نہ ہوگی۔ مجھے بادشاہ کے دربار میں پہنچا دو۔" میاں پہلے زمانہ کے لوگ
غریبوں کی بہت مدد کرتے تھے۔ سب نے اسکو ہاتھوں ہاتھ بادشاہ کے محل میں پہنچا دیا۔
دربار بھرا ہوا تھا۔ لوگ اپنی اپنی جگہ قاعدے سے ہاتھ باندھے ہوئے تھے۔
جولاہا بھی اپنے کپڑے کا تھان بغل میں دبائے پہنچا۔ چوبدار نے بادشاہ کے حضور میں وہ تھان
پیش کیا۔ بادشاہ سلامت کو بہت پسند آیا سامنے وزیروں مشیروں سے صلاح پوچھی
کہ اس کپڑے کا کیا بنانا چاہیئے۔ کسی نے کہا حضور اس کا جبا بہت اچھا رہیگا۔
کسی نے کہا انگرکھا بہت زیب دیگا۔ اسی طرح سب نے اپنی
اپنی رائے پیش کی۔ بھلا جولاہا کیسے چپکا رہتا اس کا پیٹ پھولنے لگا۔ آگے

بڑھ کر ہاتھ جوڑ کر کہا حضور اس کا تو کفن بہت نورانی بنے گا۔" انور وغیرہ ہنسی کے مارے لوٹ گئے۔" نجمی نے کہا۔ "واہ واہ۔ کیا اچھی مثال تم نے اپنے بیٹے پیش کی ہے" فاروق نے پوچھا۔ "پھر اُس جولاہے کا کیا حشر ہوا۔ کسی نے کہا وہ تو ظاہر ہے جوتے پڑے ہونگے۔" سلطانہ نے کہا بس باتیں بہت ہو چکیں چلو کھانے کو دیر ہو رہی ہے۔ سب لوگ گھر رخصت ہو گئے۔

گیارہواں باب

نواب چمن کی ہماوج سکینہ بیگم آج کل بہت پریشان نظر آتی ہیں۔ وہ اپنی بہن کے ہاں اس اُمید پر گئی تھیں کہ لڑکی کی شادی ظفر احمد کے ساتھ ہو جائے۔ لیکن وہاں سے ناکام واپس آ گئیں۔ نواب کے تقاضوں اور دھمکیوں سے اُنھوں نے بظاہر اپنی رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ لیکن دراصل وہ اس رشتے کو پسند نہیں کرتی تھیں۔ انکی صلاح کار یا مشیر جو کچھ بھی کہا جائے مغلانی نادری خانم تھیں اکثر بیگمات جن کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا اپنی ماماؤں اور مغلانیوں کی مٹھی میں ہوتی ہیں یہی حال سکینہ بیگم کا تھا۔ نادری خانم ان کے اوپر پوری طرح حاوی تھیں بغیر اس کے مشورے کے وہ کوئی کام نہیں کرتیں تھیں۔ گھر کا سارا انتظام انہی کے سپرد تھا۔ کنجی قفل لینا دینا غرض ہر چیز کی مختار وہی تھی۔ بیگم صاحب انکے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنی ہوئی تھیں۔

ایک روز ظفر کی والدہ کا خط سکینہ بیگم کے نام آیا انھوں نے نجم الزماں کی بیوی کے مرنے کا خط لکھا تھا اور یہ بھی لکھا تھا ظفر پوچھتے ہیں اگر آپ کی لڑکی کی شادی نجم الزماں سے ٹھہرانی چاہتے تو کیسا ہے۔"

اس خط کو پڑھ کر بیگم صاحبہ کی باچھیں کھِل گئیں گویا بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا اُنھوں نے فوراً نادری خانم کو بلا کر خط کا مضمون سنایا مغلانی نے گود پھیلا کر کہا

الٰہی تیرا شکر ہے۔ تو نے غیب سے ہماری مدد کی۔ بس بیگم صاحب اللہ کا نام لیکر حامی بھر لیجیے ایسا لڑکا تو چراغ لیکر ڈھونڈیں گے جب بھی نہیں ملے گا۔ ظفر صاحب کی اماں کسقدر تعریف کرتی تھیں۔ مجھ نگوڑی کو کیا خبر تھی نہیں تو میں بھی جھانک کر دیکھتی" سکینہ بیگم نے کہا۔ "ان کی بہن کو تو دیکھا ہے۔ کلکٹر صاحب کی بیوی جن کا... نام... سلطانہ بیگم ہے۔"

مغلانی نے کہا۔ "جی ہاں بڑی دیر تک تو آپکے پاس بیٹھی رہی تھیں کیسی لائق لائق بیوی ہیں صورت سے ریاست ٹپکتی ہے۔" سکینہ بیگم نے کہا "ابھی چپ رہو منہ سے بے جا بات نہ نکالنا۔ جانتی ہو بنن صاحب کے مخبر لگے ہوئے ہیں۔" نکلی ہونٹوں چڑھی کوٹھوں" مغلانی نے کہا۔ "بھلا بیگم صاحب میں کیا پاگل ہوئی ہوں جو کسی سے کہوں گی"

سکینہ بیگم نے کہا۔ "ذرا بوا مریم کو باتوں باتوں میں سنا دینا۔" مغلانی نے کہا۔ "مرزا جی کہتے تھے دو تین روز میں نواب صاحب آپ کے پاس شادی کی تاریخ ٹھہرانے آئیں گے آپ پہلے ہی سے اس کے لئے سوچ رکھئے"

بیگم صاحب نے کہا "یہ تو تم نے بری بات سنائی پھر کیا ترکیب کرنی چاہیئے۔ مرزا جی کو بلاؤ ان سے کچھ صلاح پوچھوں۔"

مغلانی بھی اپنے میاں کی طرح چلتا پرزہ عورت تھی فوراً ڈولی کر کے گھر پہنچی۔ اور مرزا کو ساتھ لیکر آئی گھر میں پردہ کرایا گیا۔ بیگم صاحب پردہ کے پیچھے کرسی پر بیٹھیں۔ مرزا نے بہت مودبانہ آداب عرض کیا۔" بیگم صاحب نے کہا۔ "مرزا جی میں نے تمہیں ایک ضروری کام کے لئے بلایا ہے مغلانی نے کہا ہی ہوگا۔" مرزا جی نے جواب دیا "نہیں حضور مغلانی نے تو مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ بس گھر میں ڈولی گئیں۔ اور مجھے ساتھ لیکر چلی آئیں۔ حضور فرمائیں جو خدمت میرے لائق ہوگی سر آنکھوں سے حاضر ہوں۔ اب تو ماشاءاللہ شادی ہی کا کوئی کام ہوگا۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "ہاں یہ بھی پوچھنا تھا کہ بنن صاحب کے یہاں کا کیا رنگ ہے" مرزا نے جواب دیا "حضور وہاں کا رنگ کیا پوچھتی ہیں۔ وہی رفتار بے ڈھنگی جو پہلے تھی۔

سو اب بھی ہے۔ البتہ شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں دونہی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک وہ
میر صاحب دُنیا بھر کا عطر لُٹ رہا گیا ہے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے۔ ہم تو چپکے
بیٹھے تماشا دیکھتے ہیں۔ اب میں رہا ہوں کل آپ کے پاس تاریخ مقرر کرنے خود آئیں گے۔"
بیگم صاحب نے کہا یہ تو سب باتیں ہیں۔ مگر میں نے اسوقت تمھیں دوسرے کام کیواسطے بلایا
ہے۔ تم جانتے ہو میرے اوپر بڑی ذمہ داری ہے بھلا خیال کرو کہاں لڑکی کی عمر اور
کہاں ببن صاحب کی بالکل جوڑ نہیں ہے مجھے اس کا بہت رنج ہے۔ دوسرے
لڑکی کی طرف سے اندیشہ ہے۔ کوئی ایسی ویسی بات نہ کر بیٹھے میں نے تو ابھی تک
بوا مریم کے سامنے بھی ببن صاحب کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اسی فکر میں ہوں کہ کیا تدبیر کروں؟"
مرزا نے کہا۔ "حضور کیا عرض کروں دل کے ٹکڑے ہوتے ہیں ایک تو نواب صاحب
کا سن دوسرے دو دو بیویاں موجود علاوہ اس کے نواب صاحب کے پاس رکھا ہی کیا
ہے۔ بس نام ہی نام ہے۔ وہ تو آپکے روپیہ کے لالچ میں یہ شادی کر رہے ہیں۔ سمجھتے ہیں
آپ کے پاس نقد روپیہ اور زیور بہت ہے۔ وہ کسی طرح اُن کو مل جائے۔" بیگم صاحب
نے کہا۔ "وہ میں سب سمجھ رہی ہوں لوگوں نے انہیں پٹی پڑھا رکھی ہے۔ مگر تم جانتے ہو۔ بڑے
نواب کو خدا بخشے انکا کیا شاہی خرچ تھا نقدی کے نام تو ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ چھوڑی۔"
مرزا نے کہا۔ "خدا جنت نصیب کرے مرحوم اپنے وقت کے حاتم تھے پیسہ پاس
رکھنا تو جانتے ہی نہیں تھے۔ صبح سے شام تک ضرورتمندوں کا ایک میلہ سا لگا رہتا تھا۔ لینے
والے تھک جاتے تھے۔ مگر خدا اُن کو کروٹ کروٹ بہشت عطا کرے۔ وہ دینے والے
نہیں تھکتے تھے۔" بیگم صاحب نے کہا اب تمھیں بتاؤ میرے پاس روپیہ کہاں سے
آیا۔ زیور بھی کوئی لاکھوں کا نہیں دس پانچ ہزار کی کیا حقیقت ہے۔" مرزا نے کہا۔
"حضور میری ناقص رائے تو یہ ہے۔ کہ اپنے زیورات میں سے ایک چیز بھی آپ
نہ دیجئے گا۔ ببن صاحب کا کیا ٹھکانا ہے۔ سارا علاقہ کچھ دنوں میں نیلام ہونے
والا ہے۔ کل ہی مہاجن ڈگری دے رہا تھا سود در سود تک نوبت پہنچ گئی ہے۔"
بیگم صاحب نے کہا۔ "مجھے سب حال معلوم ہے۔ ماہ لقا بیگم سُنہ دتی رتی حال

مجھے بتایا ہے۔ اسی وجہ سے میں زیادہ پریشان ہوں۔ آج میری بہن کا خط آیا ہے۔
اسی کے متعلق تم سے مشورہ کرنا ہے۔"

بیگم صاحب نے مرزا کو خط کا مضمون سنایا اور کہا اس سے بہتر کوئی نسبت نہیں مل سکتی میری بہن ان کے خاندان سے اچھی طرح واقف ہے۔ بلکہ عزیزداری کے تعلقات ہیں اگر ایسا ہو جائے تو میں ایک بڑی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں گی۔
مرزا نے کچھ سوچ کر اپنی بیوی مغلانی نادری خانم سے آنکھوں آنکھوں میں اشارے کئے۔ پھر بیگم صاحب سے راز دارانہ طریقہ میں گھنٹوں آہستہ آہستہ باتیں کرتا رہا وہ بھی چپکے چپکے اس کی باتوں کا جواب دیتی رہیں چلتے وقت مرزا نے کہا۔ "میں آج ہی رات کو سب انتظام کئے دیتا ہوں۔ آپ تیاری کر لیجئے۔"

بیگم صاحب کو مرزا کا مشورہ بہت پسند آیا انھوں نے مغلانی سے کہا کوٹھے پر جا کر دلہا بیگم کو سب واقعات بتاؤ ان سے کہو ضروری سامان اپنے ساتھ رکھ لیں۔ باقی پھر جانا رہے گا۔"

کوٹھے پر ایک کمرہ پرانی وضع سے آراستہ تھا آسمانی رنگ کی بدرنگ چھت گیری تنی ہوئی تھی۔ جو شاید عرصہ سے نہیں بدلی گئی تھی۔ رنگ برنگے شیشوں کے جھاڑ اور فانوس لٹکے ہوئے تھے۔ دیواروں پر بیسیوں چوکھٹے تصویروں کے لگے تھے۔ کوئی تصویر جہانگیر اور ملکہ نورجہاں کی تھی۔ کوئی ممتاز محل اور شاہجہاں بادشاہ کی۔ کوئی کنگ جارج اور کوئین میری کی۔ غرضیکہ ایک ایک فٹ پر ایک ایک تصویر تھی۔ دری۔ چاندنی اور قالین کا فرش تھا۔ ایک طرف چاندی کے پایوں کا اونچا پلنگ بچھا ہوا تھا۔ اس پر ایک لڑکی زرد رنگ کی اونی شال اوڑھے منہ ڈھانکے لیٹی تھی۔ تھوڑی دور ایک ادھیڑ عمر کی عورت... سفید کپڑے پہنے چھالیہ کتر رہی تھی۔

مغلانی نادری خانم کمرے میں داخل ہوئیں پہلے انھوں نے لڑکی کو دیکھا پھر اس عورت کے قریب جا کر بیٹھ گئیں اور بڑی دیر تک چپکے چپکے باتیں کرتی رہیں دوسری عورت کے چہرے سے کچھ گھبراہٹ اور پریشانی برس رہی تھی۔ کبھی تو وہ انکاری گردن ہلاتی تھی اور کبھی اقراری

لڑکی بار بار منہ کھول کر انکو دیکھ لیتی تھی اور انکی باتیں سننے کی کوشش کرتی تھی۔ مغلانی اچھی طرح سمجھا کر پیچھے چلی گئیں۔ لڑکی نے منہ کھول کر کہا "بوا مریم یہاں آؤ۔۔۔ یہ مغلانی تم سے کیا باتیں کر رہی تھیں۔" بوا مریم نے جواب دیا۔ "بیوی کیا بتاؤں میرے تو ہوش ٹھکانے نہیں ہیں۔" لڑکی نے کہا "اب کیا نیا شگوفہ کھلا کچھ بتاؤ تو سہی تمہارے کہنے میں آکر میری جان مصیبت میں آگئی ہے۔" بوا مریم نے کہا۔ "وہ مغلانی مجھ سے یہ کہنے آئی تھیں کہ شام تک آپکا سب سامان ٹھیک کر دوں رات کو یہاں سے جانا ہے۔" لڑکی نے تعجب سے پوچھا "کہاں جانا ہے۔ کیا ڈاکہ پڑنے والا ہے۔؟" بوا مریم نے کہا "نہیں، بیوی ڈاکہ واکہ کیسا کل نجمن صاحب شادی کی تاریخ ٹھہرانے بیٹھیں گے۔ بیگم صاحب نے کہا ہے۔ کہ آپ کو اپنے کسی عزیز کے ہاں" لڑکی نے بات کاٹ کر کہا۔ "دیکھو میں تم سے کتنے دنوں سے کہہ رہی ہوں مگر تم نے میرا کہنا نہ مانا۔ خیر آج میں خود اس کا انتظام کرتی ہوں۔ نواب صاحب کو ایسی سزا ملیگی۔ کہ وہ بھی یاد کرینگے۔ اب تک تم نے مجھے روک روک کر رکھا۔ اگر ماہ رخ سے تمام واقعات کہہ دیتی تو یہاں تک نوبت نہ پہنچتی ماہ لقا بیگم میری پوری مدد کرتیں۔" بوا مریم نے کہا۔ "مغلانی کہتی تھیں۔ لڑکی نے پھر بات کاٹ کر کہا۔ "مغلانی کا نام میرے سامنے مت لو۔ مجھے ان سے اللہی بغض ہے۔" بوا مریم نے کہا۔ "آپ سنئے تو وہ کہتی تھیں آج بیگم صاحب کی بہن کا خط آیا ہے۔ انھوں نے ایک بڑی اچھی نسبت کے لئے لکھا ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "وہ کیسی نسبت میرے سامنے اس قسم کی فضول باتیں نہ کرو۔" بوا مریم نے کہا۔ "بیوی وہ جو ظفر صاحب کے دوست ہیں۔ اجنٹ صاحب" لڑکی فوراً بیٹھ گئی اور تیوری پر بل ڈال کر بوا مریم سے پوچھا کون اجنٹ صاحب؟ بوا مریم نے چپکے سے کہا۔ "وہی نجم الزماں صاحب" لڑکی نے جلدی سے پوچھا ان کا کیا ذکر ہے؟ بوا مریم نے کہا۔ "انہیں سے تو ظفر صاحب آپ کی شادی ٹھہرانا چاہتے ہیں۔"

لڑکی کے چہرے پر ایک دم سرخی آگئی اس نے کچھ سوچ کر بوا مریم سے پوچھا "پھر خالہ کی کیا رائے ہے۔؟" بوا مریم نے کہا "اجی ویسے تو وہ آپکو یہاں بھیج رہی ہیں۔"

لڑکی نے پوچھا۔ "کیا ظفر کی والدہ کے یہاں بھیجیں گی؟ بوا مریم نے کہا۔ "نہیں وہاں سے تو نواب صاحب کو پتہ چل جائیگا مغلانی کہتی تھیں کہیں دیہات میں بیگم کی کوئی ملنے والی رہتی ہیں وہاں بھیجیں گی" لڑکی نے پوچھا کیا خالہ جان خود نہیں جائینگی؟ بوا مریم نے کہا وہ ابھی چالیس دن تک کہیں نہیں جائیں گی لڑکی نے کہا چالیس دن کی قید کیوں لگائی ہے؟ بوا مریم نے جواب دیا مغلانی کہتی تھیں مرزاجی نے بیگم صاحب کو یہ رائے دی ہے۔ کہ دور پار آپکے دشمنوں کی کچھ ایسی ویسی مشہور کر دیں۔ اور چالیسواں کر کے پھر کا نیورہ جا کر چپکے سے شادی کر دیں۔" لڑکی نے کہا کیا میری قبر بھی گھر کے اندر ہی بنالیں گے۔" بوا مریم نے کہا خدا نہ کرے آپکے دشمنوں کی قبر بنے۔" لڑکی نے کہا۔ آخر تم ہی بتاؤ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔؟ بوا مریم نے کہا۔ "بیوی آپ کو کیا مطلب انھوں نے کچھ سوچ ہی لیا ہوگا۔ میں تو اب تیاری شروع کرتی ہوں مغلانی کہہ گئی ہیں رات کو ۹ بجے لاری سے جانا ہوگا۔ جو کچھ آپ کا زیور ہے۔ وہ بھی ساتھ لیجانے کو کہہ گئی ہیں۔ لڑکی نے کہا زیور ساتھ لیجا کر میں اپنے آپکو چوری کے الزام میں گرفتار کرانا نہیں چاہتی"

بوا مریم نے کہا چوری کس بات کی اپنی چیز ہے۔ بیگم صاحب ساتھ بھیج رہی ہیں۔ لڑکی نے کہا۔ "بوا تم بیوقوفوں کی سی باتیں کرتی ہو زیور خالہ جان خود اپنے ساتھ لیکر جاسکتی ہیں بغیر جگہ جانا ہے کیا خبر کیا واقعات پیش آئیں۔ مجھے ان مغلانی اور مرزاجی کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ میں ہرگز اسوقت نہ جاتی مگر یہ سوچتی ہوں۔ اس قید خانہ سے اسوقت نکل جانا ہی بہتر ہے۔ وہاں کچھ تو آزادی ملے گی۔ یہاں تو ہر وقت نادری خانم سر پر سوار رہتی ہے۔ اگر ماہ لقا بیگم میرے ساتھ اتنی ہمدردی کا برتاؤ نہ کرتیں تو اب تک میں زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔ بیچاری روزانہ شام کو اپنی لڑکی کو میرے پاس بھیجدیتی ہیں۔ میرا دل چاہتا تھا۔ ماہ رخ سے ملکر جاؤں۔" بوا مریم نے کہا نہیں بیوی اسوقت موقع کہاں ہے مغلانی تو کہتی تھیں۔ کہ ماہ لقا بیگم کے کان میں اس بات کی بھنک بھی نہیں پہنچنی چاہیے۔ وہ جھٹ اپنی لڑکی کے واسطے کوشش شروع کردیں گی۔" لڑکی نے کہا تم بھی مغلانی کی باتوں میں آجاتی ہو خیر میں اطمینان سے

ماہ رخ کو خط لکھوں گی۔"

رات کو سکینہ بیگم نے بوا مریم اور لڑکی کو سب باتیں سمجھا کر اور دونوں کو اطمینان دلا کر موٹر میں سوار کرا دیا۔"

بارھواں باب

اس وقت صبح کے ۹ بجے ہونگے۔ پروفیسر رفیق الزماں کی کوٹھی کے ایک آراستہ کمرے میں للی معمولی سفید ساڑھی باندھے کچھ غمگین انداز میں وائلن بجا رہی ہے اور دھیمے سروں میں یہ غزل گا رہی ہے!

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے ٭ کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے
میں بلاتا تو ہوں اسکو مگر اے جذبۂ دل ٭ اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے
بوجھ وہ سر پہ گرا ہے۔ کہ اٹھائے نہ اٹھے ٭ کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

للی کی آواز بہت سریلی اور دلکش ہے۔ گانے میں بھی کافی مہارت ہے۔ نقل وہ بہت اچھی کر لیتی ہے۔ زیادہ تر اپنا وقت وہ اسی مشغلہ میں گزارتی ہے۔ تعلیم برائے نام پائی ہے۔ مگر انگریزی خاصی بولتی ہے۔ آزادی اور فیشن میں اس کا نمبر سب سے آگے ہے۔ ہندوستان واپس آئے ابھی چھ مہینے ہی گذرے ہیں۔ لیکن اس کی ملاقات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جو رات کو ۹ بجے سے پہلے کلب سے واپس آئے۔ گھر پر بھی اکثر اس کے دوست۔ بارہ بارہ بجے رات تک تاش وغیرہ کھیلا کرتے ہیں۔ ہفتہ میں دو روز سینما کے لئے وقف ہیں۔ روزی خاص الہ آباد کی رہنے والی ہے اس وجہ سے اس کے رشتہ کے لوگ بھی یہاں موجود ہیں۔ چارلی۔ روزی کا بھائی اور سائمن: روزی کا بھتیجہ زیادہ تر یہاں رہتے ہیں۔ پروفیسر صاحب کو اب گھر سے کچھ مطلب ہی نہیں رہا تھا۔ وہ اپنا تمام وقت باہر گذارتے تھے۔

کھانے ناشتے پر بھی وہ بہت کمزوری سے بات چیت کرتے تھے۔ فاروق مصلحتاً
گھر کے معاملات میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ روزی نہایت ہوشیار اور
جہاں دیدہ عورت تھی۔ وہ تمام حالات اور پروفیسر کے برتاؤ کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔
لیکن بظاہر انجان بنی ہوئی تھی پہلے تو اس نے فاروق کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہا مگر کامیاب
نہ ہوئی پھر اس نے یہ فیصلہ کیا کہ جس طرح ہو سکے نجمی کو اپنے دام میں گرفتار کیا جائے۔
دونوں ماں بیٹیوں نے بڑی دماغ سوزی اور ہوشیاری سے نجمی کو قابو میں لانے . . کی
ترکیب سوچی تھی مگر رحمت اللہ کی وجہ سے بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔"

للی بہت رنجیدہ نجمی کے پاس سے واپس آئی تھی اس وقت بھی وہ نہایت . .
افسردگی کے ساتھ یہ غزل گا رہی تھی۔ فاروق خلاف معمول اس وقت للی کے کمرے
میں آئے انھوں نے چلمن کے پاس آکر پوچھا "میں آسکتا ہوں؟" للی نے وائلن ایک . .
طرف رکھ کر کہا۔ "آجائیے۔" فاروق نے کہا۔ "معاف کرنا میں تمہاری دلچسپیوں میں
مخل ہوا۔ تمھیں ناگوار تو نہیں گزرا؟" للی نے جواب دیا "نہیں بلکہ اپنی خوش قسمتی سمجھتی ہوں آج
آپ نے میرے کمرے میں آنے کی تکلیف کیسے گوارا فرمائی؟" فاروق نے کہا۔ "بات
یہ ہے۔ کہ صبح کو تو مجھے فرصت نہیں ہوتی شام کو تم کلب چلی جاتی ہو اور میں بھی کہیں
ادھر ادھر گھومنے نکل جاتا ہوں رات کو تم دیر سے آتی ہو۔ اکثر کھانے پر بھی نظر نہیں
آتیں۔ پھر تمہارے دوستوں کا مجمع رہتا ہے میں کس وقت تمہارے پاس آؤں؟"
للی نے جواب دیا "اگر آپ کہیں تو میں اپنے پروگرام میں تبدیلی کردوں تنہائی میں طبیعت
گھبراتی ہے۔ اس وجہ سے دو چار ملنے والوں کو بلا لیتی ہوں اگر آپ یہاں بیٹھنا
پسند کریں تو میں ان لوگوں کو منع کر دوں۔" فاروق نے کہا "نہیں نہیں میں کب
کہتا ہوں تم شوق سے جس کو چاہو بلاؤ جہاں چاہو جاؤ مگر مہربانی کرکے صبح کے . .
وقت وائلن دوسرے کمرے میں بجایا کرو۔ تم کو معلوم ہے۔ میں نے پریکٹس شروع
کردی ہے۔ اور اسی برابر والے کمرے میں مریضوں کو دیکھتا ہوں تمہارے گانے
اور باجے کی آواز سے ذرا دھیان بٹتا ہے۔ اور کوئی کمرہ خالی نہیں ورنہ میں

خود اسمیں چلا جاتا لِلّی نے جواب دیا کیا میرے گانے کی آواز آپ کے کمرے میں جاتی
ہے ۔میں بہت آہستہ گاتی ہوں ۔" فاروق نے کہا ۔" ہاں خوب صاف جاتی ہے
تم بہت ہی اچھا گاتی ہو اور فلمی گانوں کی نقل کرنے میں تو کمال ہی کر دیتی ہو ۔ ایک
دن تم ایکٹریس کے گانوں کی نقل کر رہی تھیں ، کیسے چھپ گئے ۔ مجھے بہت پسند آیا ۔
لِلّی نے مسکرا کر کہا ہاں وہ بیلا چٹرجی نے ہندوستان فلم میں گایا ہے ۔۔ فاروق نے کہا ۔
"اس وقت کی غزل پر تو میں پھڑک گیا ۔ خاص کر اس مصرعہ پر " کیا بنے بات جہاں بات
بنائے نہ بنے ۔" لِلّی نے پوچھا اس مصرعہ میں کیا ایسی بات تھی جو آپ کو پسند آیا ۔"
فاروق نے جواب دیا ۔ " ایک تو تم اس کو بہت اچھی طرح ادا کر رہی تھیں ۔ دوسرے
شاعر کے خیالات ایسے موزوں اور مناسب تھے کہ دل میں گھر کر گئے ۔ بعض موقع ایسا
ہوتا ہے کہ انسان کتنی ہی بات بنانی چاہے مگر نہیں بنتی ۔ لِلّی نے کہا وہ تو میں سہگل
کی نقل کر رہی تھی ۔ بہت اچھا گانے والا ہے ۔" فاروق نے کہا ۔ " تم نے نقل کو
اصل کر کے دکھا دیا ۔ لِلّی نے بات ٹالتے ہوئے کہا ۔ " آپ کی یہ خوشی ہے ۔ کہ
میں یہاں نہ گایا کروں ۔" فاروق نے جواب دیا میں گانے کو منع نہیں کرتا ۔ صرف
آٹھ بجے سے گیارہ بجے تک خاموشی چاہتا ہوں ۔ ....
...... اس کے بعد تمہیں اختیار ہے ۔" لِلّی نے کہا ۔ " دو بجے سے چار بجے تک
تو کوئی اعتراض آپکو نہ ہوگا ۔ فاروق نے جواب دیا بالکل نہیں ۔ مجھے تو تمہارا گانا بہت پسند
ہے ۔" لِلّی نے کہا ۔ " پھر یہاں آکر کیوں نہیں سنتے آپکو کس نے روکا ہے ۔" فاروق
نے کہا دور سے سننے میں زیادہ لطف آتا ہے ۔ تم زرینہ کو بھی گانا سکھا دیتیں ۔"
لِلّی نے کہا نہیں خود آتا ہوگا میں بیچاری کیا سکھا سکتی ۔ فاروق نے کہا اگر بُرا نہ مانو
تو ایک بات کہوں ۔" لِلّی نے کہا شوق سے کہئے میں آپکی کسی بات کا بھی بُرا نہیں مانتی ۔"
فاروق نے کہا بہت بہت شکریہ میں چاہتا ہوں تمہاری شادی مجھی کے ساتھ ہو جائے
اُن کو رعنا کے مرنے کا بہت رنج ہے ۔ مجھے ان کی حالت پر بہت افسوس ہوتا ہے ۔
اگر تمہاری اور ماما کی مرضی ہو تو میں کوشش کروں ۔" ۔ لِلّی نے جواب دیا ۔" ماما کی مرضی

کبھی نہیں ہو سکتی وہ مجھے اپنے سے علیحدہ نہیں کرنا چاہتیں"

فاروق نے کہا۔ "تم اپنی مرضی بتاؤ۔ ماما کا کیا ہے۔ لّلی نے کہا میں نے کبھی نجمی کو دیکھا نہیں۔ میں اُنکے متعلق کس طرح رائے قائم کر سکتی ہوں۔"

فاروق نے تعجب سے کہا۔ "ارے تم نے نجمی کو نہیں دیکھا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لّلی نے جواب دیا وُہ یہاں کب آئے۔ فاروق نے کہا۔ "ہاں ٹھیک ہے۔ مگر تم نے نجمی کی بہنوں کو تو دیکھا ہے وَیسے ہی نجمی بھی ہیں۔ لّلی نے کہا دونوں بہنیں الگ الگ صورت کی ہیں۔ کیا خبر کس کی صورت نجمی میں ملتی ہے۔" فاروق نے پوچھا تمہیں... کونسی بہن پسند آئیں۔" لّلی نے جواب دیا مجھے بڑی بہن پسند آئی ہیں۔" فاروق نے کہا بس تو پھر گویا تم نے نجمی کو پسند کر لیا۔ مگر یہ بتاؤ چھوٹی بہن میں کیا بُرائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ میرے دل سے اُتارنا چاہتی ہو۔" لّلی نے کہا واہ یہ تو آپ نے خوب کہا مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ آپ کے دل سے اُتار دوں وُہ بہن سے آپ کے دل پر چڑھی ہیں۔" فاروق نے مُسکرا کر کہا "یہ تو یہی بات مگر جو بُرائی تمہیں نظر آئی ہو وہ مجھے بھی تو بتاؤ" لّلی نے کہا بُرائی تو کوئی نہیں ہے۔ البتہ وُہ بہت خاموش ہیں نہ کسی سے ہنسیں نہ بولیں یا تو حد سے زیادہ بیوقوف ہیں۔ یا اپنی خوش قسمتی پہ مغرور ہیں۔ کسی کو مُنہ نہیں لگاتی۔ فاروق نے کہا ممکن ہے بیوقوف ہوں لیکن تمہیں انکی خوش قسمتی کا حال کیسے معلوم ہوا کچھ علم نجوم سے بھی واقفیت ہے۔ کیا ہاتھ دیکھا تھا؟ لّلی نے جواب دیا آپکی منگیتر کو اپنی خوش قسمتی پر جس قدر بھی ناز ہو کم ہے۔" فاروق نے پوچھا کس وجہ سے میں تو ابھی کسی لائق نہیں ہوں باپ اور چچا کا دست نگر ہوں۔ اس کو کس بات پہ ناز ہو سکتا ہے۔" لّلی نے جواب دیا جس لڑکی کو آپ جیسا خوبصورت شوہر ملے اسکی خوش قسمتی کا کیا ٹھکانا ہے۔ روپے پیسے کی کوئی حقیقت نہیں" فاروق نے مُسکرا کر کہا۔ "نجمی مجھ سے زیادہ اچھے ہیں۔ ان کا چہرہ ہر وقت ایک کھلے ہوئے پھول کی طرح بشاش اور چونچال رہتا ہے۔ سلطانہ سے زیادہ نجمی ہنس مکھ ہیں تمھیں بھی سلطانہ ہی پسند آئی ہیں جیسا میں بیوقوف ہوں ویسی ہی مجھے بیوی ملجائے گی۔ لّلی نے کہا آپ اپنی شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ فاروق نے کہا میرا

تو یہ عہد ہے کہ جب تک نجمی کی شادی نہ ہو جائیگی میں اپنی شادی نہیں کرونگا۔ اسی وجہ سے میں نے چاہا تھا کہ تمھاری شادی جلدی سے نجمی سے ٹھہرا دیجائے مگر تم کہتی ہو ماما کی مرضی نہیں ہے۔" للی نے کہا ماما تو میری شادی سائمن سے کرنا چاہتی ہیں۔" فاروق نے پوچھا سائمن کون ہیں؟ للی نے کہا میرے ماموں کے لڑکے ہیں۔"

- -

فاروق نے پوچھا یہی جو تمھارے ساتھ کلب جاتے ہیں۔؟ للی نے جواب دیا "ہاں" فاروق نے پوچھا کہیں نوکر چاکر بھی ہیں؟ للی نے جواب دیا ریلوے میں ملازم ہیں۔" فاروق نے کہا۔ "لیکن میں تو روز انہیں یہاں دیکھتا ہوں" للی نے کہا۔ "ماما سے ملنے وہ چھٹی لیکر آئے ہوئے ہیں۔"

فاروق نے اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا آج ماما کہاں ہیں۔ صبح سے نظر نہیں آئیں۔" للی نے کہا آج اتوار ہے ماما نماز کیلئے چرچ گئی ہیں وہاں سے چارلی ماموں کے ہاں جائیں گی۔ شاید بارہ بجے تک آئیں۔" فاروق نے کہا یہ جوتے بنانے والے چارلی تمہارے سگے ماموں ہیں۔ للی نے جواب دیا جوتے بناتے تو نہیں انکی جوتوں کی دوکان ہے۔" فاروق نے کہا۔ "ہاں میں خوب جانتا ہوں بچپن میں ہمارے جوتے وہی بنایا کرتے تھے۔ اب شاید دوکان کھول لی ہوگی۔ للی نے کہا جوتے تو کبھی بھی نہیں بناتے تھے۔ انکی تو ہمیشہ سے دوکان ہے۔ آپ کسی اور چارلی کو سمجھے ہونگے۔ فاروق نے کہا اس میں ہرج کی کیا بات ہے۔ انکی تو ذات اور پیشہ ہی یہ ہے۔" للی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فاروق آج خلافِ عادت زیادہ ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے چہرہ غیر معمولی طور پر سُرخ ہو رہا تھا۔ جیسے کوئی شخص اپنے غصہ کو ضبط کر رہا ہو۔ اُنھوں نے کمرے میں چاروں طرف دیکھا، پوچھا آج تمھارا کمرہ کچھ خالی خالی معلوم ہوتا ہے۔ پہلے تو بہت کچھ آرائش کا سامان یہاں تھا۔ للی نے جواب دیا میں نے سب قیمتی سامان اُٹھا کر رکھدیا۔ ٹوٹ پھوٹ جاتا۔ فاروق نے کہا۔ "چیز ہوتی ہے اسی لئے ۔۔ کہ استعمال کی جائے۔ رکھنے سے کیا فائدہ"۔ للی نے جواب دیا سب چیزیں بابا کی ہیں

بہت نازک اور کمزور صرف دیکھنے میں خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ فاروق تھوڑی دیر خاموش رہے۔ پھر کچھ سوچ کر انھوں نے پوچھا وہ آیا کہاں گئی جو رعنا کو کھلاتی تھی۔ کئی بار مجھے خیال آیا۔ مگر پوچھنا بھول گیا۔ اب تو بہت بوڑھی ہوگئی ہوگی۔ للی نے کہا بوڑھی تو نہیں ہوئی! اچھی خاصی صحت جاپان سے واپس آنیکے بعد میں تھی۔ رعنا کیلئے مصیبت رہتی تھی۔ فاروق نے پوچھا کیا یہیں الہ آباد میں رہتی ہیں۔ للی نے جواب دیا یہاں سے ۶ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔ وہاں رہتی ہیں۔ آپکو کیوں یاد آرہی ہے۔ فاروق نے کہا کچھ اسوقت خیال آگیا۔۔ رعنا کی اُنگلی پکڑے اسی سامنے والے باغیچے میں پھرایا کرتی تھی مجھے اکثر خیال آتا ہے۔ رام پیاری نام تھا اس کا؟ للی نے کہا۔ "ہاں" فاروق ایکطرف ٹکٹکی باندھ کر کچھ سوچنے لگے۔ انکی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فوراً گھر سے ہو گئے ابھی فاروق چلمن ہٹاکر نکلے ہی تھے کہ پچھلا دروازہ کھول کر روزی کمرے میں داخل ہوئی۔۔ فاروق کو جاتے ہوئے اس نے دیکھ لیا تھا۔ غصہ کے لہجے میں للی سے پوچھا یہ لڑکا یہاں کیوں آیا تھا۔ للی نے جواب دیا مجھ سے کہنے آئے تھے۔ کہ اس کمرے میں وائلن نہ بجایا کرو۔ روزی نے پوچھا پھر تم نے کیا جواب دیا؟ للی نے جواب دیا میں نے کہدیا اچھی بات ہے۔ دوسرے کمرے میں بجایا کرونگی۔ روزی نے کہا۔ "او۔ تم بہت بیوقوف لڑکی ہو۔ یہ نہیں جانتیں کہ ہمارے اوپر وہ حکومت کرنی چاہتا ہے اس کا باپ تو پاگل بن گیا ہے۔ لڑکے کو مختار کردیا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا ہمارے کسی پروگرام میں فرق نہیں آئیگا۔ تم اسی کمرے میں گایا بجایا کرو۔ اگر پھر کبھی اس نے تم سے کچھ کہا تو میں خود جواب دونگی اور کیا کیا باتیں کرتا رہا للی نے کہا مجھ سے کہنے لگے کہ اگر تمھاری مرضی ہو تو نجمی کے ساتھ تمھاری شادی کرادوں۔" روزی نے غصہ سے دانت پیس کر کہا۔ او۔ ڈیم۔ وہ کیا نجمی سے شادی کرائیگا۔ ہم خود کر گے۔۔ اُس کو دکھا دیتے مگر ذرا سی چوک ہوگئی ہمیں خبر نہیں تھی۔ کہ وہ الو کا پٹھا رحمت اللہ وہاں نوکر ہے۔ للی نے آنکھوں میں آنسو بھرکر کہا۔ نجمی کے برابر شریف آدمی دنیا میں نہیں مل سکتا۔ میری بدقسمتی تھی ہمیشہ روتی رہونگی۔ روزی نے کہا۔ وہ لڑکا بچپن سے

ایسا ہی ہے مجھے بہت پسند ہے۔ یہ فاروق تو شروع ہی سے گھنا ہے۔ بظاہر
بہت چاپلوس اور خوشامد خور لیکن اس کا دل سیاہ ہے خیر تمھیں رنج کرنے کی
ضرورت نہیں ہے۔ تو میرزح ہمیشہ کامیاب رہتی ہے۔ سائمن کو تمھارے ساتھ
بہت محبت ہے۔ وہ تمھارے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے۔ اب میں تمھاری شادی جلدی
اُن کے ساتھ کر دوں گی۔ زیور کا بکس تو اس وقت میں چارلی کے پاس رکھوا آئی ہوں۔
باقی سامان تم آج بند کر لینا کل پہنچادوں گی۔ تھوڑا تھوڑا روزانہ جانا چاہیئے۔ تاکہ کسی
کو شبہ نہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے۔ فاروق کو کچھ پتہ چل گیا ہے۔ وہی ٹوہ میں آیا تھا۔

ہاں آج بہت ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ مجھ سے پوچھ رہے تھے۔ تمھارے
کمرے کا سب سامان کہاں گیا۔ روزی نے کہا ارے وہ بڑا نمبری لڑکا ہے۔ آج تم ...
کھانے کے کمرے کا چاندی کا سب سامان ایک بکس میں بند کر دو۔ میں اس فاروق کے لئے
ایک چیز بھی نہیں چھوڑوں گی۔ یہ سمجھتا کیا ہے۔ للی نے کہا۔ چارلی ماموں کے متعلق کہتے
تھے۔ کہ ان کے ہاتھ کے بہت ہو چکے جوتے بہت بہتر ہیں۔" روزی نے غصہ میں کہا وہ بڑا پاجی
اور بدمعاش ہے۔ یہ نہیں کہا کہ چارلی کی بہن کے ہاتھ کے جوتے بہت کھائے ہیں میرے
سامنے بات نہیں کرتا تم کو ایک سیدھی اور بھولی لڑکی دیکھ کر شیخی بگھارنے بیٹھ گیا۔ معلوم ہوتا
ہے۔ وہ بڑی دیر سے یہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اور کیا کہتا تھا؟ للی نے کہا اور تو کچھ نہیں کہا میرے
میرے گانے کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ روزی نے پوچھا کیا تم نے گانا سنایا تھا۔؟
للی نے جواب دیا سنایا نہیں مگر وہ کہتے تھے۔ کہ تمہارے گانے کی آواز میرے کمرے
میں جاتی ہے۔ میں بہت پسند کرتا ہوں۔ روزی نے کہا وہ پسند کرنے والا کون ہوتا
ہے۔ جالنٹ آئے گی۔ تو اسکو گوا کے نچولے گی تم سے اسکو کیا مطلب۔ للی نے
کہا میں نے تو اس سے کہا تھا کہ آپ اپنی شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ کہنے لگے تمہی کی شادی
ہو جائے پھر کریں گے۔ روزی نے کہا یہ سب اس کی بناوٹی باتیں ہیں۔ ابھی بیرسٹر
خود نہیں کریں گے۔ جب تک یہ خود کمانے کے لائق نہ ہو جائے تم تو دیکھ چکی ہو۔ وہ بیرسٹر
کی لڑکی کیسی بنی ہوتی ہے۔ اور یہ فاروق بہت اس کے آگے پیچھے پھرتا تھا۔ ان

پردے والی لڑکیوں سے شیطان نے بھی پناہ مانگی ہے۔ اور وہ دوسری سلطانہ انور کی بیوی بہت اپٹوڈیٹ بننے کی کوشش کرتی ہے۔ اپنے چچا کے سامنے انگلش بولتی تھی اور انور کیسا احسان فراموش ہوگیا۔ ہماری عمر ماموں کے ٹکڑوں پر پڑا رہا۔ یہیں رہ کر تعلیم پائی اب میرے اوپر غرا غرا کر آگے دوڑتا ہے۔ جیسے بلڈنگ میں دیکھتی ہو۔ بیرسٹر کے گھر کا نقشہ ہی بدل گیا۔ پندرہ سال پیشتر ان کے ہاں کی عورتیں جانوروں سے بدتر تھیں۔ اور خدا کیسا زمانہ بدلتا ہے۔ خیر ہمیں اب ان لوگوں سے مطلب نہیں جو چیزیں ہم نے اپنے آرام اور شوق کی خواہی ہیں وہ ایک بھی یہاں نہیں چھوڑ سکتے۔"

پروفیسر رفیق الزماں کی کوٹھی کافی بڑی تھی۔ مگر فاروق کے پاس صرف ایک کمرہ تھا۔ روزی نے تمام کمرے اپنے قبضہ میں کر رکھے تھے۔ جس دن سے فاروق نے للی کو گانے کے لیے منع کیا تھا۔ اس دن سے انکی بحث میں اور زیادہ شور و غل ہوتا تھا۔ کبھی گرامو فون بجایا جاتا تھا۔ کبھی بلا ضرورت ریڈیو کھلا رہتا تھا۔ جو وقت فاروق کا مریضوں کو دیکھنے کا تھا۔ اس وقت پر قصداً کوئی نہ کوئی چیز بجا کرتی تھی۔ دو چار روز خاموشی سے فاروق سنتے رہے وہ اپنی طرف سے روزی سے جھگڑا پیدا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ایک روز دوپہر کے وقت انگریزی کے ریکارڈ ریڈیو سے سنے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک فاروق اپنے کمرے میں ٹہلتے رہے۔ آج انکو بری طرح غصہ آگیا تھا۔ وہ صبح سے سوچ میں تھے کئی بار للی کے کمرے میں جانیکا ارادہ کیا۔ مگر موقع کی تلاش میں تھے۔ ریڈیو پوری آواز سے کھلا ہوا تھا۔ فاروق ایکدم للی کے کمرے میں داخل ہوئے آج انکے قدم بھی غصہ میں بھاری پڑ رہے تھے۔ روزی اسوقت موجود تھی آرام کرسی پر پڑی ہوئی سگریٹ پی رہی تھی۔ ریکارڈ کی آواز کے ساتھ ساتھ گردن اور پیر چل رہے تھے۔ فاروق کے جوتے کی آواز سن کر اس نے مڑ کر دیکھا اور تیوری چڑھا کر پوچھا تم اسوقت یہاں کیسے آئے۔ فاروق نے بھی اسی غصہ سے جواب دیا ریکارڈ سننے روزی نے کہا تمہارے کمرے میں بھی تو آواز جاتی

ہے وہیں سے کیوں نہیں سنتے۔" فاروق نے کہا وہاں تو سوائے شور و غل کے ایک لفظ سمجھ میں نہیں آتا۔" روزی نے کہا جب کوئی لفظ ہی سمجھ میں نہیں آتا تو تم نے للی کو گانے کے واسطے کیوں منع کیا تھا؟ فاروق نے کہا اگر لفظ ہی سمجھ میں آتا تو اتنا ناگوار نہ گزرتا آخر آپکو انگریزی ریکارڈ سے ہی دلچسپی ہے۔؟ روزی نے کہا نہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ چونکہ تم نے للی کو گانے سے روکا تھا۔ اس وجہ سے اب یہاں صبح سے شام تک گانا بجانا ہوا کریگا۔ فاروق نے کہا۔ "صرف میری ضد میں"۔ روزی نے کہا۔ "ہاں تمہاری ضد میں" فاروق نے کہا میں نے گانے کو تو منع نہیں کیا تھا۔ آپ بیکار ضد کرتی ہیں۔

میں نے تو یہ کہا تھا۔ کہ دو تین گھنٹے کسی اور کمرے میں گایا کریں۔ میرا ہرج ہوتا ہے۔ روزی نے کہا اگر تمہارا ہرج ہوتا ہے۔ تو کسی دوسرے کمرے میں اپنا سامان لیجاؤ۔ میں خود لڑکی کے قریب تمہارا رہنا پسند نہیں کرتی۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔ "اوہو اب آپ کا یہ خیال ہوگیا۔ میں تو پہلے ہی یہاں رہنا نہیں چاہتا تھا آپ ہی نے یہ کمرہ میرے لئے تجویز کیا تھا۔ بلکہ یہاں تک کہا تھا کہ للی والے کمرے کو بھی میں اپنا ہی سمجھوں۔ اور کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھاؤں وغیرہ وغیرہ۔ اب جس کمرے میں آپ کہیں میں اپنا سامان لیجاؤں۔" روزی نے جواب دیا میں کیا بتاؤں اپنے فادر کے کمروں میں سے کوئی لے لو۔ فاروق نے کہا پاپا کی طرف تو کوئی کمرہ خالی نہیں ہے۔ ایک انکے پڑھنے کا ہے۔ اور ایک سونے کا۔ ایک مہمانوں کے واسطے انہیں خود ایک کمرے کی ضرورت ہے۔ آپکی طرف کئی کمرے ہیں للی والا کمرہ آپ خالی کرا دیجئے۔ ان کے ہاں رات کے بارہ بجے تک طوفان بے تمیزی مچا رہتا ہے۔ میری نیند خراب ہوتی ہے۔" روزی نے اپنی سرخ سرخ آنکھیں نکال کر فاروق کو گھورتے ہوئے کہا کیا خوب! للی کا کمرہ خالی کرانے والے تم کون ہوتے ہو ڈرائنگ روم کا فرنیچر نکلوا کر پھینکدو وہاں اپنی کونین اور کنچر کی دوکان کھولو ان کمروں میں سے کوئی کمرہ خالی نہیں ہو سکتا۔"

فاروق کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا مگر انھوں نے نہایت متانت سے مسکرا کر

کہا۔" کونین اور ٹنکچر کی دوکان ہر جگہ کھل سکتی ہے۔ وہ کوئی سڑا ہوا حمزہ نہیں ہے۔ جس کی مدد سے لوگ دور بھاگیں لیکن ملاقاتی لوگ جو آئیں گے وہ کس کے سر پر بیٹھیں گے۔" روزی نے کہا میں کیا جانوں اپنے سر پر بٹھانا یا اپنے باپ کے۔ یہ باپ کے نام پر فاروق کا خون غصہ سے کھولنے لگا۔ انھوں نے ضبط کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ انھوں نے روزی کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھ کر کہا ذرا زبان سنبھالکر بات کرو اپنی ذات پر نہ اُترآؤ اس وقت تو میں ضبط کر گیا۔ اگر دوبارہ باپ کا نام لیا اچھا نہ ہوگا۔" روزی نے آنکھیں نکال کر تم کیا کروگے ہمارا ہم تنہارہ دفعہ ہیں گے۔" فاروق نے کہا " دیکھو ایک معمولی بات کو زیادہ طول نہ دو میں کوئی رعنا نہیں ہوں جس کو تم نے سمندر میں غرق کر دیا۔ اور وہ خاموشی سے ڈوب گئی۔ میں تم جیسوں کی اسی کمرے میں قبر بنا سکتا ہوں ابھی تک میں کچھ بولا نہیں تھا۔ اس وقت تم نے خود ہی مجھے غصہ دلایا ہے۔ اچھی طرح کان کھول کر سن لو۔ اب تمہاری خیر نہیں ہے۔ اسوقت بالکل میری مٹھی میں ہو۔ تمام واقعات مجھے معلوم ہو گئے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ کسی کو اس بات کی خبر نہ ہوتے دوں پندرہ سال کا عرصہ تم کو اس گھر میں رہتے گزر گیا ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہارے ساتھ کوئی سخت کارروائی کیجائے ابھی میں نے پاپا کو بھی اس واقعہ کی خبر نہیں کی ہے۔ اگر انکے کان تک بھنک بھی پہنچ گئی بغیر جان لئے نہیں چھوڑیں گے نتیجہ چاہے کچھ بھی ہو۔ تم نے ایسا کام کیا ہے۔ کہ جس کی سزا تمھیں عدالت سے مل سکتی ہے۔ خوب سمجھ لو" روزی نے غصہ سے کہا تم کیا بک بک کر رہے ہو۔ کیا ہم نے کسی کا خون کیا ہے۔ اپنے فادر کی دھمکی کیا دیتے ہو۔ تم لوگوں کو خود ڈوب مرنے کی جگہ ہے۔ بڑے شریف کہلاتے ہیں۔ یہی شرافت ہے۔ کہ نجمی نے ہماری لڑکی کو فریب سے بلایا اگر ہم پولیس میں اطلاع کر دیتے۔۔ تو ساری ہلکڑی دھری رہ جاتی۔ وہ تو ہم اپنی عزت کے خیال سے اور لڑکی کی بدنامی کے ڈر سے خاموش ہو گئے۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ بڑے عدالت سے ڈرانے والے آئے جاؤ جاؤ اپنا کام کرو۔" فاروق نے مسکرا کر کہا " اوہو

آپ کی عزت اور لڑکی کی بدنامی - تو سوچ بے کھا کے بلی ج کو چلی - یہاں اس واقعہ کا ذکر نہیں ہے - کہ تم نے نجمی کو فریب دیا یا نجمی نے تمکو مجھے اس سے مطلب نہیں وہ جانیں اور تم جانو میں تمھارا ایک دوسرا جرم ثابت کرنیوالا ہوں - اس .. کا جواب دینے کے لئے تیار ہو جاؤ - میرے سامنے نہیں بلکہ عدالت کے سامنے -"

روزی نے تیوری چڑھا کر پوچھا دوسرا جرم کونسا ہے - فاروق نے کہا بتاتا ہوں۔ آج پانچ دن گزرے صبح کے وقت میں ہوا خوری کو جارہا تھا - کوٹھی کے پھاٹک پر ایک بنڈل خطوں کا مجھے پڑا ہوا ملا ہے - اس کے ذریعہ سے میں تمکو پولیس کے حوالے کرسکتا تھا مگر میں نے ایسا نہیں کیا - مجھے تمھارے اوپر رحم آگیا - اب بھی میری ... شرافت کو مانوگی یا نہیں -"

روزی کے چہرہ کا رنگ فق ہوگیا وہ آرام کرسی پر پڑی ہوئی لمبے لمبے سانس لینے لگی - فاروق کمرے میں ٹہل رہے تھے ان کا چہرہ غصہ سے تمتما رہا تھا - بار بار روزی کی طرف نفرت کی نگاہ سے دیکھتے جاتے تھے - اب تک للّی نے کسی بات میں دخل نہیں دیا تھا - روزی کو خاموش دیکھ کر اُس نے تیوری چڑھا کر فاروق سے کہا - "ذرا دکھایئے تو وہ کون سے خطوط ہیں جن کی وجہ سے آپ نے ماما کو مجرم بنایا ہے - میں بھی دیکھوں -" فاروق نے کہا - "تمہیں اس معاملہ میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے - للّی نے بگڑ کر کہا - ضرورت کیسے نہیں ہے - آپ نے بغیر ثبوت کے ماما کو ہزاروں باتیں سنا ڈالیں - لایئے وہ خط کہاں ہیں - روزی بھی سنبھل کر بیٹھ گئی - اُس نے کہا ہاں لڑکی ٹھیک تو کہتی ہے - دکھاؤ وہ خط -" فاروق نے نفرت آمیز مسکراہٹ سے کہا اب آپکے حواس درست ہوئے وہ خط میں نے اپنی جان کے برابر رکھے ہیں - ایسی آسانی سے نہیں دکھائے جاسکتے عدالت کے سامنے پیش ہونگے وہاں دیکھنا -" للّی نے کہا آخر کچھ بتایئے تو کس کے خط ہیں کیا لکھا ہے -" فاروق نے کہا آپکی والدہ صاحبہ کا نامہ اعمال ہے - جو نیکیوں سے لبریز ہے - ایک معصوم بے گناہ کے ساتھ جو سلوک انھوں نے کیا ہے - اُس کی مفصل کیفیت ان خطوط میں موجود ہے - یہ سمجھتی تھیں کہ ایک کمزور اور

ناتوان بچی کو اپنی ہوس کا شکار بنالیں گی اور دنیا میں سرخرو رہیں گی انکو اپنی عقلمندی پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اور اُس زبردست طاقت کو بھولے ہوئے تھیں جس کی بلندی کے آگے سمندر کی گہرائی کوئی حقیقت نہیں رکھتی اُنھوں نے بڑی دلیری سے قاتلانہ حملہ کیا اور جانتی تھیں کہ انکو کوئی سزا نہیں ملیگی لیکن بارہ سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد آج یہ ایک مجرم کی حیثیت میں میرے سامنے موجود ہیں۔ اور خود اپنی ہی کہانی سے انکو یہ دن دیکھنا پڑا۔ اگر یہ اُن خطوط کو تلف کر دیتیں تو ۔ مجھے کیا ڈر تھا۔ لیکن ایک معصوم اور بے گناہ کا تڑپنا خالی نہیں گیا۔ خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔"

روزی ایک مردہ لاش کی طرح آنکھیں کھولے بے حس و حرکت پڑی تھی۔ فاروق خاموش ہو گئے تو اُس نے بڑی لجاجت سے کہا بیٹا تمھارا کہنا ٹھیک ہے میں نے نادان دوستوں کے کہنے میں اگر اپنی عاقبت خراب کی یسوع مسیح کو کیا جواب دوں گی مجھے تو بہت رنج ہے۔ مگر میں نے خیال کیا تھا۔۔۔۔ فاروق نے بات کاٹ کر کہا" بس بس اب کوئی حیلہ بہانہ کرنے کی ضرورت نہیں "
عذرِ گناہ بد تر از گناہ۔

کمرے میں تھوڑی دیر بالکل سکوت رہا۔ فاروق کسی سوچ میں برابر ٹہل رہے تھے ایک نوکر نے دروازہ کے قریب آکر فاروق سے کہا آپکو سرکار بُلا رہے ہیں۔"

فاروق نے روزی سے کہا آج رات کو سب باتیں مجھے مُفصّل بتانا میں ابھی پاپا سے اس کا کچھ تذکرہ نہ کرونگا۔"

پروفیسر صاحب اپنے مُطالعہ کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ فاروق نے جاکر پوچھا کیا آپ نے مجھے بُلایا تھا؟ پروفیسر نے کہا "ہاں" کیا تم للی کے پاس گئے تھے۔ فاروق نے جواب دیا جی ہاں میں ایک کام کو گیا تھا۔" پروفیسر نے پوچھا کیا کام تھا؟ فاروق نے کہا میں للی کے کہنے سے گیا تھا۔ کہ صبح کے وقت اپنے کمرہ میں گایا بجایا نہ کریں۔ میرا حرج ہوتا ہے۔ پروفیسر نے کہا۔ اُس نے کیا جواب دیا۔

فاروق نے کہا وہ راضی ہو گئی۔" پروفیسر نے کہا اگر اُس نے کوئی چوں چرا کی ہو تو تم خود اس کا سامان وہاں سے نکلوا دو گے۔ فاروق نے کہا جی نہیں اُس نے کچھ نہیں کہا۔" پروفیسر نے پوچھا پھر تم اتنی دیر تک وہاں کیا کرتے رہے۔ میں نے کئی مرتبہ آدمی بھیجا مگر تم اپنے کمرے میں نہیں ملتے۔" فاروق نے کہا وہاں ماما بیٹھی ہوئی تھیں اُن سے باتیں کرنے لگا۔

پروفیسر نے کہا روزی نے ضرور مخالفت کی ہوگی تم چھپا رہے ہو تمھاری صورت سے معلوم ہوتا ہے۔ صاف صاف بتاؤ آج میں اس قصہ کو ہی ختم کر دوں کئی سال سے کیں مگ دیکھ رہا ہوں تمھاری شادی سے پہلے اپنے گھر کو صاف کرنا چاہتا ہوں ایک لڑکی کو تو ضائع کر چکا اب دوسری کو اس مصیبت میں گرفتار کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے تو اب تمھاری جان کی طرف سے اندیشہ ہے۔ ان لوگوں سے کچھ بعید نہیں۔"

فاروق نے کہا نہیں پاپا آپ کچھ فکر نہ کریں۔ ماما نے میری کوئی مخالفت نہیں کی میں تو اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہا تھا۔ پروفیسر نے کہا۔ "خیر پھر دیکھا جائے گا۔ لیکن اب وہ اس گھر میں نہیں رہنے پائیں گی۔ چارلی کے ہاں جا کر رہیں اگر کل تک کمرہ خالی نہیں کیا تو مجھے خبر کرنا۔ فاروق نے کہا۔ "میں نے کمرہ خالی کرنے کو نہیں کہا صرف گانے کو منع کیا تھا۔ کیونکہ وہی وقت میرا مریضوں کو دیکھنے کا ہوتا ہے۔" پروفیسر نے کہا "نہیں تم وہ کمرہ خالی کرا لو ایک کمرے سے تمھارا کام نہیں چل سکتا اپنے رہنے کے واسطے دوسرا کمرہ ٹھیک کرا لو تمھیں تکلیف اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ رفتہ رفتہ سب انتظام ہو جائے گا۔

پروفیسر نے کہا۔ "اچھا تم جاؤ اپنا کام کرو۔ ذرا شوفر سے کہہ دینا آج شام کو مجھے موٹر کی ضرورت ہوگی۔ للی کو لیکر کلب نہ چلا جائے۔ سے صاف طور سے منع بھی نہیں کر سکتا اور ان کمبختوں کو اتنا بھی خیال نہیں کہ مجھے بھی کبھی موٹر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکثر تانگہ پر جانا پڑتا ہے۔ بے حیائی کی بھی حد ہو گئی ہے۔" فاروق نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اپنے کمرے میں چلے آئے۔"

تیرھواں باب

ایک صاف ستھرا مختصر سا مکان ہے کمرے میں اُجلا فرش بچھا ہوا ہے۔

بیچ میں قالین پر نواب بنّن گاؤ تکیہ سے لگے بیٹھے ہیں انکے قریب ایک نہایت معقول
اور سمجھ دار عورت پاندان کھولے بیٹھی ہے ۔ یہ نواب صاحب کی بیوی ماہ لقا بیگم ہیں۔
بنّن صاحب نے اپنی بیوی سے کہا ۔" آج تو میری طلبی کا بڑا نادری حکم بھیجا تھا۔
کیا ایسا ضروری کام ہے ؟ ماہ لقا بیگم نے پاندان بند کرتے ہوئے کہا تین مہینے سے میرا
خرچ نہیں ملا ہے ۔ اب بتاؤ میں کس طرح کام چلاؤں ۔ بیچاری بھابی جان کا خدا بھلا
کرے نہیں تو بھیک مانگنے کی نوبت آجاتی ۔ بھلا غضب خدا کا جس کا اتنا بڑا علاقہ ہو
اسکی بیوی ایک ایک سے قرض مانگتی پھرے ۔ تمھاری تو وہی مثل ہے ۔ باہر میاں ہفت
ہزاری اندر بیوی فاقوں کی ماری ۔" نواب صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا ۔ بیگم تمہاری باتیں
بھی بڑی ہی پُر لطف ہوتی ہیں ۔ کیا مثل کہی ہے ۔ یہ تو پھر ٹھگ گیا " ۔ ماہ لقا بیگم نے کہا ۔
" بس خوشامد خوروں میں بیٹھکر یہی باتیں آ گئی ہیں ۔ میں نے کیا جھوٹ کہا ہے " ۔
بنّن صاحب نے کہا ۔" بیگم تمھارے سر کی قسم ہم خود آج کل خرچ سے تنگ ہو رہے
ہیں ۔ کاشتکاروں سے ایک پیسہ وصول نہیں ہوتا ۔ اب تم ہی بتاؤ ہم کیا کریں ۔" ماہ لقا بیگم
نے کہا ۔" پھر اس مسٹنڈے سادھو کے لئے پانچہزار روپیہ کہاں سے آ گیا تھا ۔"

نواب صاحب نے ہکّا بکّا ہو کر کہا ۔ ہائیں یہ تم سے کس نے کہدیا کہ ہم نے پانچہزار
روپیہ سادھو کو دیا ہے ۔ ماہ لقا بیگم نے کہا پانچہزار نہ سہی دو تین ہزار سہی دیا تو ہے ۔
آخر یہ روپیہ آیا کہاں سے ؟ بنّن صاحب نے کہا ہم پوچھتے ہیں تمھیں کہاں سے خبر ہوئی
یہ جاسوس کون سے چھٹے ہوئے ہیں ؟" ماہ لقا بیگم نے کہا مجھے پہلے یہ بتاؤ تم نے
اتنا روپیہ سادھو کو کیوں دیا کیا اب کیمیا بنانے کا شوق پیدا ہوا ہے ۔ یا جادو منتر
کے چکر میں پڑے ہو ۔ بنّن صاحب نے کہا تمھیں ہمارے معاملہ میں دخل دینے کی کیا ...
ضرورت ہے ۔ ہم چاہے کسی چکر میں پڑے ہوں ۔" ماہ لقا بیگم نے کہا ضرورت کیسے
نہیں حقدار تو محروم رہیں اور ادھر ادھر کے بدمعاش آ کر خوب لوٹیں ۔" بنّن صاحب
نے کہا ۔" اب تو ہم اس فکر میں پڑ گئے کہ یہ کون چغلخور پیدا ہوا ہے ۔ جو تم سے ایک ایک
کی دس دس جڑتا ہے ۔ ماہ لقا بیگم نے کہا اسکی فکر تو تم بعد میں کرنا پہلے مجھے یہ بتاؤ

کہ ہزاروں روپیہ برباد کر کے تم نے سادھو سے کونسی چیز خریدی ہے۔ نہیں تو میں آج
ہی کلکٹر صاحب کے پاس جاکر تمہارا سارا کچا چٹھا کھول کر رکھدونگی۔" بنن صاحب نے کہا۔
"ارے بیگم تم اسقدر ناراض کیوں ہوتی ہو۔ سادھو نے ہمیں ایسی عجائب چیز دی ہے۔
جس کو کھانے سے بڈھا آدمی جوان ہو جاتا ہے۔" ماہ لقا بیگم نے کہا۔ "میں کہتی ہوں
تمہاری عقل کہاں چلی گئی۔ ایسے ایسے مکاروں کی باتوں میں آجاتے ہو بھلا اندھیر ہے
تم نے دو ہزار روپیہ اس کے کہنے میں آکر غارت کیا۔" بنن صاحب نے کہا غارت..
کیوں ہونے لگا۔ سادھو نے خود اس بوٹی کو کھایا ہے۔ اسکی عمر سو برس سے زیادہ کی
ہے۔ مگر بالکل جوان بنا ہوا ہے۔ ہم کیا ایسے بیوقوف ہیں کہ اس کو دو ہزار روپے یونہی
دیدیتے۔ مرزا جی اور میر صاحب کے سامنے اس کو روپیہ دیا ہے۔ کاغذ پر ایک
آنہ کا ٹکٹ لگا کر اس کے انگوٹھے کا نشان لگوایا ہے۔" ماہ لقا بیگم نے کہا خدا غارت..
کرے اس نامراد مرزا کو ہاتھ دھو کر تمہارے پیچھے پڑا ہے۔ خبر نہیں کیا دھتورہ و
تورہ دیدیا ہوگا۔ مجھے سب خبر ہے۔ نئی شادی کے شوق میں جڑی بوٹیوں کی تلاش
ہو رہی ہے۔ تمہیں غیرت بھی تو نہیں رہی بوڑھے منہ تمہارے لوگ چلتے تماشے...
بنن صاحب نے کہا خیر دو چار روز کی بات ہے اور بڑاپے کے طعنے دے
تو پھر دیکھیں مگر کون ہمیں بڈھا کہتا ہے۔" ماہ لقا بیگم نے کہا ایسا غضب نہ کرنا کہ
جوانی کے شوق میں وہ بوٹی کھا بیٹھو۔ ان موئے نیبو نچوڑوں کا کیا ہے۔ اگر خدا نخواستہ
ایسی ویسی ہوئی تو اس طرح الگ ہو جائینگے جیسے صابن میں کا تار مصیبت جس پر پڑیگی
اس پر پڑیگی سنا ہے۔ ایسی جڑی بوٹیوں سے پنڈا پھوٹ نکلتا ہے۔ آنکھیں جاتی رہتی
ہیں۔ بنن صاحب نے کہا وہ سادھو تو اچھا خاصا تندرست ہے۔ نہ پنڈا پھوٹ نکلا
نہ اندھا ہوا۔ ماہ لقا بیگم نے کہا تمہیں کیا خبر کہ اس نے یہ بوٹی کھائی تھی۔" بنن صاحب
نے کہا۔ "پھر وہ جوان کیسے ہو گیا؟ ماہ لقا بیگم نے کہا میں دیکھتی ہوں۔ تم بالکل ہی
سٹھیا گئے۔ لے وہ جوان ہی ہوگا۔ کیا تم نے اس کو کبھی بڑھاپے کی حالت میں دیکھا
تھا۔ کیا تمہارے ساتھ کا کھیلا ہوا ہے۔ بنن صاحب نے آنکھیں نکال کر کہا بات تو

تم نے معقول کہی ہم نے تو اس کو کبھی نہیں دیکھا تھا مرزا شاید اس کو جانتے ہیں۔ اُن سے دریافت کریں گے۔" ماہ لقا بیگم نے کہا دیکھو ایک صلاح مانو میں تمہارے اچھے ہی کے لئے کہتی ہوں زلیخا سے شادی کا خیال چھوڑ دو نہیں تو بہت پچھتانا پڑیگا۔" بنو صاحب نے کہا آخر کیوں چھوڑ دیں کچھ معلوم بھی تو ہو پچھتانا کس وجہ سے پڑے گا۔" ماہ لقا بیگم نے کہا "دیکھو تم خود ہی جانتے ہو جب مجھسے کہنے کی کیا ضرورت ہے" بنو صاحب نے کہا۔ شادی کے بعد کوئی کچھ نہیں کر سکتا ہم تم سے زیادہ جانتے ہیں۔"

ماہ لقا بیگم نے کہا۔ "کچھ خدا کا خوف بھی ہونا چاہیئے تمہارا اور اُس لڑکی کا بالکل جوڑ نہیں۔" بنو صاحب نے کہا خیر تمھیں ہمارے معاملہ میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس اپنے خرچ کے واسطے ہم سے لئے جاؤ۔ آج ہی اس کا انتظام کئے دیتے ہیں۔" ماہ لقا بیگم نے کہا۔ "خرچ کا کیا ہے۔ تم نہ دوگے تو میں عدالت سے لے لونگی۔ مگر ایک بات کان کھول کر سن لو ماہ رُخ کی شادی کا انتظام کر کے پھر اپنی شادی رچانا نہیں تو یاد رکھو میں بھی اپنے نام کی ایک ہوں لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر سیدھی گورنر کے یہاں پہنچونگی مجھے شہر بانو کی طرح نہ -

سمجھنا کہ ان بیچاری نے اپنی عزت و شرافت کیلئے منہ سے بھاپ نہ نکالی" بنو صاحب نے کہا۔ ہائیں ہائیں تم تو بالکل خفا ہی ہو گئیں کیا ہمیں اپنی لخت جگر کا خیال نہیں ہے۔ ماہ رُخ کیلئے تو ہم بہت بڑی جگہ کی تلاش میں ہیں۔ ایک نواب صاحب کے ہاں کا پیام بھی آیا ہوا ہے مگر ہم نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا۔ ماہ لقا بیگم نے کہا بس معاف کرو۔ نوابوں کو دور ہی سے سلام ہے۔ یہاں تو لڑکے کی لیاقت چاہیے ریاست کے تماشے خوب دیکھے۔" بنو صاحب نے کہا۔ ہم تو خود ہی چاہتے ہیں کہ لڑکا ولایت کا پڑھا ہوا ہو مگر تم جانتی ہو اس زمانہ میں ایسا بُرا قاعدہ نکل آیا ہے۔ کہ لڑکے مالدار بیویاں ڈھونڈتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں ۔ لاکھ دو لاکھ نہیں تو پچاس ساٹھ ہزار روپیہ تو سسرال سے ملے موٹر ملے اور ہمارے صوبہ میں تو اس کا بہت زور ہے ابھی تم ہماری شادی کی مخالفت کر رہی تھیں مگر ہم اس وجہ سے کر رہے ہیں سنا ہے بھائی جان لڑکی کو زیور کے علاوہ نقد روپیہ بھی کافی دیں گے۔"

ماہ لقا بیگم نے کہا اچھا تو معلوم ہوا تم بھی روپیہ کے لالچ میں شادی کر رہے ہو۔"

بنن صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا اور کیا ابھی تک یہ گُر تمہاری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

ماہِ لقا بیگم نے کہا۔ خدا کے آگے توبہ کرو۔ ایسا بھی انسان نہ ہونا چاہیئے۔ کہ اپنے فائدہ کے آگے دوسرے کی زندگی برباد کرے۔" بنن صاحب نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "اچھا اب ہم جاتے ہیں کل تمہارا خرچ بھجوا دیں گے۔۔۔۔۔

دوسرے دن صبح کے وقت بنن صاحب اپنے دیوانخانے میں بیٹھے ہوئے میر برکت علی سے باتیں کر رہے ہیں۔ اس وقت میر صاحب تنہا ہیں۔ مرزا نہیں ہیں۔ بنن صاحب نے کہا بھئی میر صاحب کل سے ہم ایک کشمکش دترج میں پڑے ہوئے ہیں گھر میں سے ایک بات کہی ہے۔ جو ہمارے دل کو لگ گئی ہے۔ اب مرزا شاہنواز بیگ آئیں تو اسکی تحقیق کیجائے"

میر صاحب نے کہا حضور وہ کونسی بات ہے؟ کیا میں پوچھ سکتا ہوں؟ بنن صاحب نے کہا۔ "ارے بھئی وہی سادھو والی دوا کے متعلق انہوں نے ہمارے دل میں شبہ ڈال دیا وہ کہتی ہیں اس قسم کی جڑی بوٹیوں سے بڑا نقصان ہو جاتا ہے میر صاحب نے کہا "بیگم صاحبہ نے بات تو نہایت معقول کہی ہے۔ مگر اس سادھو کا بیان بھی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ وہ تو ہزاروں قسمیں کھا رہا تھا۔ دیکھئے مرزا جی آجائیں تو میں ابھی اسکے پاس جا کر دریافت کرونگا۔ بنن صاحب نے کہا۔ "مرزا تو کل سے نہیں آئے خدا جانے کیا وجہ ہے۔ آج ہمیں اپنی پھاوج کے پاس بھی جانا ہے۔ تاریخ وغیرہ کے متعلق گفتگو کرینگے۔" میر صاحب نے کہا کل سے مرزا جی مجھے نظر نہیں آئے۔" بنن صاحب نے کہا کچھ بیمار نہ ہو۔ کچھ ہوں۔" ذرا گلشن خاں کو بھیجکر دریافت کرو کہ مرزا اگر بیمار ہوں تو بلا لائیں۔"

میر صاحب نے اُٹھکر ملازم کو مرزا جی کے ہاں بھیجا۔۔۔ کچھ دیر کے بعد مرزا نہایت مغموم صورت بنائے آئے اور نواب صاحب کو سلام کر کے ایک طرف خاموش

بیٹھ گئے۔ ببن صاحب نے پوچھا خیر تو ہے مرزاجی آج تم اس قدر خاموش کیوں نظر آتے ہو؟ مرزاجی نے جیب سے رومال نکال کر اپنی آنکھیں پوچھتے ہوئے کہا۔۔ "حضور ستم ہو گیا دل کے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔" ببن صاحب نے پریشانی کے لہجہ میں کہا "خدا کے واسطے جلدی بیان کرو۔ کیا واقعہ پیش آیا۔ میر صاحب بولے " مرزاجی حضور کا خیال کرو چہرہ فق ہو گیا آخر کیا ماجرا ہے؟ مرزاجی نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا میر صاحب کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کس زبان سے کہوں حضور سنیں گے تو کیا حال ہوگا۔ ہائے اس ظالم موت کا برا ہو اسکی جوانی اور حضور کے بڑھاپے پر رحم نہیں آیا۔" ببن صاحب نے گھبرا کر کہا تم کیا کہہ رہے ہو۔ کس کی جوانی کیسی موت جلدی بتاؤ میرا قلب کٹ.. جائیگا۔" میر صاحب نے کہا مرزاجی یہ بات کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ صاف بتاؤ۔.

ببن صاحب کے دشمنوں کو اختلاج قلب کا دورہ نہ پڑ جاتے۔" مرزاجی نے اپنی آنکھیں خوب رگڑ رگڑ کر پوچھتے ہوئے کہا۔ "میر صاحب زبان میں طاقت نہیں کیسے کہوں دلہن اللہ کی پیاری ہو گئیں۔ ببن صاحب نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا کون دلہن تم کیا کہہ.. رہے ہو مرزاجی نے کہا حضور زلیخا بیگم کا کل رات انتقال ہو گیا۔" ببن صاحب نے کہا تم کیا بک رہے ہو۔ دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟" مرزا نے کہا کیا عرض کروں حضور میں تو خود یہ خبر لیکر نہیں آنا چاہتا تھا۔ اپنا منہ چھپائے گھر میں بیٹھا تھا۔ مگر اس وقت کلن خاں بلانے گئے تو مجھے آنا پڑا۔" میر صاحب نے کہا کچھ بتاؤ تو سہی کیا بیماری ہوئی تھی۔ یہاں خبر تک نہیں کی آخر کیوں اسقدر پوشیدہ رکھا گیا۔۔۔ مرزاجی نے کہا بیماری کچھ بھی نہیں ہوئی شام تک اچھی خاصی تھیں بس چلتے پھرتے ہی متلی ہوئی۔ ابکائی آئی کوئی چیز ہری ہری نکلی دوسری ابکائی میں منکا ڈھل گیا اور دم توڑنے لگیں۔ دس منٹ کے اندر اندر مغلانی کی گود جان دیدی گویا کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں سدا رہے نام اللہ کا۔"

میر صاحب نے پوچھا چائے کے ساتھ کچھ کھایا بھی تھا۔؟ مرزا نے کہا ہاں کچھ مٹھائی کھائی تھی وہی ہری ہو کر مہندی کے پتوں کے رنگ کی نکلی میر صاحب

نے کہا۔ "کچھ دال میں کالا معلوم ہوتا ہے۔ وہ مٹھائی آئی کہاں سے تھی۔" مرزا جی نے کہا مجھے اِن باتوں کی کیا خبر۔"

بنن صاحب بیچارے سکتے کے عالم میں بیٹھے ان دونوں کی باتیں سُن رہے تھے۔ میر صاحب نے کہا۔ "مرزا جی! حضور کی طرف تو دیکھو مثل تصویر بیٹھے ہیں دشمنوں کے دل پر صدمہ پہنچا ہے۔ اسوقت مقویات قلب کھلائی جائیں۔ یاقوتی دینی چاہیئے۔ کہیں خمیرہ مرواریدہو تو جلدی سے منگواؤ۔ ارے بھئی کلن خاں؟ ایک گلاس شربت روح افزا کا لے آؤ۔" اے حضور! ذرا بات کیجئے بولنے سے دل کی بھڑاس نکلتی ہے۔" بنن صاحب نے کہا۔ "مرزا جی تم نے ہمیں اسیوقت اطلاع کیوں نہیں کی ہم سیول سرجن کو لیکر جاتے۔" مرزا جی نے کہا حضور مجھے خود ہی رات کو خبر ہوئی۔ ڈاکٹر کو بُلانے کی نوبت ہی کہاں آئی تھی وہ جو جاہل عورتیں ...... کو سنا دیتی ہیں۔ ڈھائی گھڑی کی آئے اُن کے لیے تو وہی ہو گیا۔ بنن صاحب نے کہا ارے بھئی ہم میت میں تو شریک ہو جاتے تم نے خبر کیوں نہیں کی۔" میر صاحب نے کہا یہ بڑی بیجا بات کی حضور کے سوا ان کا وارث کون تھا۔ آخر بیگم صاحب نے یہاں اطلاع کیوں نہیں کرائی۔" بنن صاحب نے کہا ہم ڈاکٹر کو دکھاتے تو سمجھی کہ کیا وجہ تھی۔" مرزا جی نے کہا موت کے لئے ایک بہانہ کافی ہے۔"

پھول تو کچھ دن بہارِ زندگی دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بِن کھلے مرجھا گئے

نواب صاحب نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا اُف اُف ایں ماتم سخت است کہ گویند جوان مرد۔ ارے بھئی مرزا جی ہمیں قبر پر ہی لیجاؤ فاتحہ تو پڑھ آئیں۔ مرزا جی نے اپنی آنکھوں پر رومال رکھ کر کہا:۔

فاتحہ پڑھنے سر قبر نہ آئے کوئی
سو رہی ہے مری حسرت نہ جگائے کوئی

میر صاحب نے کہا ہماری سمجھ میں نہیں آتا بیگم صاحب نے تجہیز و تکفین کا انتظام خود کیسے کر لیا مرزا جی نے کہا۔ "میر صاحب آپکو کچھ خبر تو ہے نہیں اگر نواب صاحب جاتے تو بڑا ہنگامہ ہو جاتا۔ وہ لوگ سب آگئے تھے۔" بنن صاحب نے تعجب سے کہا۔ ہائیں اُن لوگوں کو کیسے اطلاع ہوئی۔ مرزا نے کہا یہی تو حیرت ہے۔ ایسے مخبر لگے ہوئے تھے۔

کہ فوراً خبر پہنچ گئی۔" بنن صاحب نے پوچھا پھر کیا ہوا"۔ مرزا نے جواب دیا وہی لوگ لے گئے
بنن صاحب نے کہا کیا لاش کو لے گئے۔ مرزا جی نے کہا جی ہاں۔" بنن صاحب نے کہا اچھا
ہی ہوا جو ہم وہاں موجود نہ تھے۔ میر صاحب بولے خدا نے حضور کو بال بال بچایا۔ مرزا نے کہا
ارے صاحب بڑی خیریت ہو گئی"۔ بنن صاحب نے کہا۔ اس کا مرنا ہمارے حق میں بہتر ہوا۔
ورنہ بڑی مصیبت کا سامنا ہوتا۔ میر صاحب نے کہا حضور اب اس کا ذکر ہی نہ کیجئے۔ البتہ
کچھ صدقہ دینا چاہیئے۔ خدا نے حضور کو اس بلائے ناگہانی سے محفوظ رکھا"۔ مرزا جی نے
کہا۔ "کچھ فاتحہ درود بھی کرا دینا چاہیئے۔ بیگم صاحب بیچاری تو اسقدر پریشان ہو گئی تھیں کہ
سب کچھ بھول گئیں مگر اس مرنے والی نے رات کو خواب میں مغلانی سے کہا۔" بنن صاحب نے
جلدی سے پوچھا کیا کہا۔" مرزا نے جواب دیا مغلانی نے رات کو خواب میں دیکھا کہ شادی
کا سہاگ جوڑا پہنے کھڑی ہیں۔ مگر کچھ رنجیدہ سی معلوم ہوتی ہیں۔ مغلانی نے پوچھا کیا بات ہے
آپ خاموش کیوں ہیں۔ جواب دیا۔ یہاں تو ہمیں سب بھول گئے۔ اب ہم نواب صاحب کے پاس
جا کر شکایت کریں گے۔ بنن صاحب نے گھبرا کر کہا ہمیں بھی ہمارا ان سے کیا تعلق تھا۔ وہ ادھر کا
رُخ نہ کریں۔ مرزا نے کہا حضور یہ کس کے اختیار کی بات ہے۔ روح تو آزاد ہوتی ہے۔ جہاں
دل چاہے جائے اس کو کون روک سکتا ہے۔ بنن صاحب نے پریشان ہو کر کہا۔" میر صاحب
کوئی تعویذ وغیرہ لاؤ ہمیں تو وحشت ہونے لگی کہیں آج رات کو نازل نہ ہوں میر صاحب نے
کہا کیا عرض کروں مشکل ہے۔ اگر روح کسی کے پیچھے پڑ جائے تو تعویذ گنڈہ کچھ کام نہیں آتا۔
برسوں کے بعد وہ اپنا بدلہ لیتی ہے"۔

بنن صاحب نے کہا بھئی ہم نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی جس کا بدلہ وہ
ہم سے لیں۔ میر صاحب بولے۔ شاید انکی مرضی نہیں ہے۔ کہ آپ کے ساتھ
شادی ہو۔ بنن صاحب نے کہا وہ زندگی میں ہی انکار . . . .
کر دیتیں اب مرنے کے بعد کیوں ہمارے پیچھے پڑی ہیں۔ بھئی خدا کے واسطے کسی مولوی صاحب
کے پاس جاؤ آج رات کو ہمارے پلنگ کا حصار باندھ دیں"۔ مرزا نے کہا حضور آپ اسقدر
پریشان کیوں ہوتے ہیں وہ بیچاری آپ سے کیا بدلہ لیں گی میر صاحب کی تو باتیں ہیں"

میر صاحب نے کہا باتیں کیوں ہونے لگیں اس قسم کے بہت سے چشم دید واقعات ہیں۔"
بنن صاحب نے پوچھا کیا میر صاحب تم نے کبھی کوئی اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ میر صاحب نے
کہا حضور آنکھ سے دیکھنے ہی کے برابر ہے۔ ہمارے محلہ میں ایک سپاہی رہتا ہے۔ اس کے
دوست کی روح نے بہت پریشان کیا تھا۔ بنن صاحب نے پوچھا کس طرح پریشان کیا
تھا۔" میر صاحب نے جواب دیا۔" حضور سپاہی کو اپنی پلٹن کیساتھ کہیں باہر جانیکا حکم ملا۔
اس کو کچھ روپیہ کی ضرورت تھی وہ اپنے ایک دوست سے روپیہ قرض لیکر گیا اس کا....
دوست کچھ بیمار تھا جب سپاہی واپس آیا تو اس نے سوچا کہ چلو چلکے پہلے اپنے دوست کو دیکھ آئیں
خبر نہیں کیا حال ہے۔ گاؤں پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی عین مغرب کے وقت یہ اس کے گھر
پہنچا۔ اندر جاکر ادھر اُدھر دیکھا مگر کوئی نظر نہیں آیا۔ کوٹھری میں سے اسکے دوست کی آواز آئی
کہ اندر آجاؤ میں یہاں ہوں یہ اندر پہنچا تو بالکل اندھیرا تھا اس کا دوست ایک چارپائی پر لیٹا ہوا
تھا۔ سپاہی دیا سلائی جلاتا ہوا آگے بڑھا۔ اب جو صورت پر نظر پڑی تو چلیاں چڑھی ہوئی...
دانت نکلے ہوئے اکڑا پڑا تھا۔ سپاہی کی تو روح فنا ہو گئی اُلٹے قدموں بھاگا وہ مردہ بھی غفغاتا
ہوا دوڑا۔ ارے یار میرا روپیہ تو دیتے جاؤ۔ اب آگے آگے سپاہی اور پیچھے پیچھے مردہ
کھڑکھڑاتا ہوا چلا آتا ہے۔ جب شہر کے قریب پہنچے تو سپاہی بیہوش ہو کر گر پڑا لوگ
ادھر اُدھر سے دوڑے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیے جب ہوشیار ہوا
تو لوگوں سے سارا ماجرا بیان کیا۔"

بنن صاحب سہمے ہوئے بیٹھے تھے انھوں نے میر صاحب سے پوچھا یہ بھئی وہ
کھڑکھڑاہٹ کاہے کی تھی۔ میر صاحب نے جواب دیا حضور سوکھی ہڈیاں کھڑکھڑ بول رہی
تھیں مرزا جی نے کہا۔ اجی لاحول ولا قوۃ سپاہی نے گپ اُڑائی ہے۔ کوئی مردے کو
اس طرح چھوڑ دیا کرتا ہے۔ میر صاحب نے کہا۔ تم کیا جانو گاؤں دیہات میں لوگ مردہ
سے ڈرتے ہیں اکیلا آدمی ہوگا۔ مر کر رہ گیا۔ مہینوں اس سپاہی کو بخار آتا رہا۔ جب
تک اس نے وہ قرضہ کا روپیہ خیرات نہیں کیا روز خواب میں مانگنے آتا تھا۔" بنن صاحب
نے کہا۔ واللہ تم اسی وقت جاؤ اور چار دیگیں زردہ بریانی کی پکوا کر محتاجوں کو تقسیم

کرادو اور مسجد میں حافظ جی سے کہدینا کہ رات ہونے سے پہلے پہلے کلام مجید کا ختم پڑھوا کر ان کی روح کو ثواب پہنچادیں ابھی ذرا   بنن صاحب نے کچھ غصّہ کے لہجہ میں کہا عجیب آدمی ہو پہلے تو تمام واقعات سُنائے اب کہتے ہو پریشان کیوں ہوتے ہو"۔ میر صاحب نے کہا مرزا جی میں کہتا ہوں تمام عمر حضور کی صحبت میں گذری مگر مزاج سے واقف نہ ہوئے یہ ملانی کا خواب بیان کرنیکی اسوقت کیا ضرورت تھی۔ مرزا جی نے جھل کر کہا "وہ اور تم نے خواہ مخواہ حضور کو ڈرانے کیلئے ایسی بے پر کی اڑائی کہ مُردوں کو دوڑا دیا۔"

میر صاحب نے کہا اس واقعہ سے حضور کو کیا تعلق تم نے تو خاص نواب صاحب کے متعلق کہا ہے۔ حضور ڈریں نہ تو کیا کریں۔ میں بڈھا آدمی ہو کر لرز رہا ہوں اللہ محفوظ رکھے"

بنن صاحب نے کہا۔ **ارے بھائی** اس کا ذکر چھوڑو جاکر اپنا اپنا کام کرو میر صاحب تم تو کھانا پکوانے کا انتظام کرو اور مرزا جی تم بھاوج صاحبہ کے پاس جاکر ہماری طرف سے تعزیت کردینا اور کہنا ہم تو ابھی انکے ہاں آ نہیں سکتے وہ خود ہمارے ہاں دو چار روز کیلئے چلی آئیں۔"

مرزا جی اور میر صاحب کھڑے ہوگئے۔ نواب صاحب نے بھی اپنے واسطے گاڑی لانے کا حکم دیا۔"

چودھواں باب

صبح ۶ بجے کا وقت ہے فاروق حسب معمول چہل قدمی کیلئے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ چوکیدار نے سامنے آکر سلام کرکے کہا حضور پہلے میم صاحب کی طرف کے کمرے دیکھ لیجئے پھر جائیے گا۔ ساری رات سونے کے کمرے کے دروازے کھلے رہے ہیں۔" فاروق نے پوچھا کیا میم صاحب نہیں ہیں۔؟ چوکیدار نے جوابدیا نہیں حضور وہ رات کو نہیں آئیں۔" فاروق چوکیدار کو ساتھ لیکر دوسری کے سونے

کے کمرے کی طرف گئے - دروازے چوپٹ کھُلے ہوئے تھے - انھوں نے اندر جاکر دیکھا روزی اور للّی کی مسہریاں خالی تھیں بستر بدستور بچھے ہوئے تھے - سامان بے ترتیب پھیلا پڑا تھا - فاروق نے اور کمروں میں جاکر دیکھا سب کے دروازے کھُلے ہوئے تھے۔ مگر روزی اور للّی کا کہیں پتہ نہ تھا - غسل خانوں میں گئے وہاں بھی کوئی نہیں تھا - انھوں نے باہر آکر چوکیدار سے پوچھا میم صاحب کس وقت گئی تھیں ؟ چوکیدار نے جواب دیا کوئی گیارہ بجے رات کو میم صاحب سینما دیکھنے گئی تھیں وہاں سے واپس نہیں آئیں - حضور مجھے یہیں بیٹھنے کا حکم دے گئی تھیں - ساری رات یہیں بیٹھا رہا ہوں غریب پرور چلم پینے کے لئے بھی نہیں اُٹھا -

فاروق نے پوچھا کیا موٹر پر گئی تھیں ؟ چوکیدار نے جواب دیا نہیں حضور تانگے پر گئی تھیں - دو تانگے آئے تھے ایک پر میم صاحب تھیں دوسرے پر مس صاحب " فاروق نے پوچھا " وہ کیا ہمیشہ سینما دیکھنے تانگے پر جاتی تھیں ؟ چوکیدار نے جواب دیا حضور پہلے تو برابر موٹر پر جاتی تھیں -" فاروق نے پوچھا انکے ساتھ کون گیا تھا ؟ چوکیدار نے جواب دیا - ایک تانگے پر میم صاحب کے بھائی تھے - دوسرے پر اُن کے بھتیجے "

فاروق چوکیدار کو وہیں چھوڑ کر اپنے باپ کے پاس آئے پروفیسر صبح کی نماز پڑھ رہے تھے - فاروق برآمدہ میں ٹہلتے رہے جب پروفیسر نماز پڑھ چکے تو انھوں نے کہا آج روزی اور للّی غائب ہیں رات کو سنیما دیکھنے گئی تھیں - وہاں سے واپس نہیں آئیں - تمام رات کمرے کھُلے رہے ہیں - ابھی مجھے چوکیدار نے لیجا کر دکھایا ہے - ذرا آپ چل کر دیکھئے " پروفیسر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا معلوم ہوتا ہے بھاگ گئے اچھا ہوا خس کم جہاں پاک

فاروق نے اپنے باپ کیساتھ تمام کمرے دیکھ ڈالے روزی معہ سامان کے غائب تھی سوائے بڑے بکسوں کے اور کوئی چیز نہیں چھوڑی تھی - پروفیسر نے تعجب سے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا یہ سب سامان کیسے چلا گیا - معلوم ہوتا ہے - بڑے انتظام سے گئی ہے - پہلے تیاری کرلی ہوگی - فاروق نے چوکیدار کو بلا کر ڈانٹا یہاں کا سب سامان کون لیگیا تم کیسی چوکیداری کرتے ہو چوکیدار نے ہاتھ جوڑ کر کہا - " حضور مجھے تو کچھ خبر نہیں " فاروق نے کہا - " تم کہاں

رہتے تھے یہ چیزیں کب گئیں؟ چوکیدار نے جواب دیا۔ "حضور میم صاحب کا حکم تھا کہ بارہ بجے سے پہلے اس طرف نہ آیا کرو مالک کا حکم کیسے ٹالتے غریب پرور ہم تو تابعدار ہیں" فاروق نے پوچھا۔ "اس طرف کون کون لوگ آتے تھے؟" چوکیدار نے جواب دیا۔ "سب ہی لوگ آتے تھے مگر حضور انہیں کوئی چور بدمعاش تو نہیں آتا تھا۔ سب بھلے آدمی ہوتے تھے۔" فاروق نے کہا اچھا... تم دوسرے نوکروں کو لے کر آؤ۔"

پروفیسر نے فاروق سے کہا روزی کے بھلگنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی شاید میری بے رخی سے اس نے ایسا کیا ہو مگر وہ تو بڑی بے حیا عورت ہے۔ فاروق نے کہا انکے بھاگنے کی وجہ معلوم ہے مجھ سے سخت غلطی ہوئی جو میں نے آپ سے تذکرہ نہیں کیا۔ مجھے ڈر تھا آپکو غصہ نہ آجائے اور فضول گھر میں ہنگامہ ہو کوئی آٹھ روز گذرے میں نے للی کو ملنے کیلئے منع کیا تھا وہ راضی ہو گئی تھی۔ مگر شاید روزی نے میری ضد پر زور دیا کمرے میں شور و غل مچانا شروع کیا۔ صبح سے ۲ بجے تک برابر کچھ نہ کچھ گانا بجانا ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ کل میں نے پھر جاکر للی سے کہا روزی بھی وہاں موجود تھیں لڑکی نے تو کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر انھوں نے مجھ سے اس قسم کی باتیں کیں کہ میں اپنے غصہ کو ضبط نہ کر سکا اور انہیں بہت سخت و سست کہہ گیا دراصل غصہ مجھے ایک دوسرے واقعہ پر آیا ہوا تھا۔" پروفیسر نے کہا وہ کونسا واقعہ تھا۔؟

فاروق نے جواب دیا "وہ ایسی بات ہے کہ چار روز سے میرا خون جوش کھا رہا تھا۔ روزی کی آنکھیں نکالنے پر مجھ سے صبر نہ ہو سکا میں ایکدم اُبل پڑا" پروفیسر نے کہا کونسی ایسی بات تھی مجھ سے کیوں نہیں کہا۔" فاروق نے جواب دیا میں ابھی آپ کو لاکر دکھاتا ہوں۔"

فاروق فوراً اپنے کمرے میں گیا اور ایک خطوں کا بنڈل لاکر اپنے باپ کے سامنے میز پر ڈال دیا۔ پروفیسر نے کہا۔ "یہ خطوط کیسے؟ فاروق نے کہا کئی روز ہوئے... میں سویرے ٹہلنے جارہا تھا کوٹھی کے پھاٹک پر ایک تھیلی سی پڑی ہوئی نظر آئی میں نے خیال کیا شاید کسی نوکر کی کوئی چیز گر پڑی ہے۔ اسکو اُٹھا لیا۔ ہاتھ میں لینے پر معلوم ہوا۔ کہ کچھ کاغذ سے ہیں۔ میں نے جو کھولا یہ خط نکلے پروفیسر نے پوچھا کس کے خط ہیں صاف کیوں نہیں

بتاتے؟ فاروق نے بغیر کچھ جواب دیے ہوئے ہر خط نمبر وار سُنانا شروع کیا۔ پروفیسر کے چہرے کا رنگ متغیر ہونے لگا۔ اُنھوں نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں زور سے بھینچ لیں۔

جب فاروق خط سنا چکے تو پروفیسر نے میز پر زور سے گھونسا مار کر کہا تم نے یہ کیا غضب کیا۔ اتنے دنوں سے ان خطوں کو چھپائے رہے میں روزی کو کبھی یہاں سے زندہ جانے نہیں دیتا جب تک وہ پورے واقعات نہ بتا دیتی۔" فاروق نے کہا۔ "میں اسی فکر میں تو تھا کہ آپ سے کس طرح کہوں کہیں غصہ میں آکر آپ کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھیں جس سے بعد میں پچھتانا پڑے۔" پروفیسر نے کہا تم نے بڑی نادانی کی اب اس کا ہاتھ آنا بڑا مشکل ہے۔ فاروق نے کہا اچھا ہے چلی گئیں ہمارے لئے راستہ صاف ہو گیا"۔۔

پروفیسر نے کہا۔ "اُف میرے ساتھ اتنا بڑا فریب ایسا کھلا دھوکہ وہ رام پیاری نمک حرام جس کو میں بہت نیک سمجھتا تھا۔ اس نے یہ حرکت کی مجھے خبر نہیں تھی ان دونوں کی سازش سے یہ کام ہوا۔ کسی نے سچ کہا ہے اصل سے خطا نہیں کم اصل سے وفا نہیں۔ افسوس! افسوس میں ان کم بخت عورتوں کے فریب میں آگیا۔"

پروفیسر کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا وہ دیوانوں کی طرح کمرے میں ٹہل رہے تھے اور آپ ہی آپ باتیں کرتے جاتے تھے۔ فاروق نے کہا گزشتہ واقعات کا خیال کر کے آپ کیوں اپنی طبیعت پریشان کرتے ہیں وہ تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اس وقت کا انتظام کرنا چاہیئے۔ آپ کہیں تو خود پیاری کے ہاں جا کر دیکھوں شاید ابھی روزی وہاں موجود ہوں۔" پروفیسر نے کہا۔ "تمہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈرائیور سے کہو وہ موٹر لیکر فوراً جائے۔ اگر روزی موجود نہ ہو تو پیاری کو لے آئے۔ گھر پر نہ ملے تو اس کی دکان پر جائے جو کوئی بھی دکان پر موجود ہو پکڑ لائے۔"

فاروق نے کہا پولیس میں بھی تو اطلاع ہونی چاہئے۔ مگر مجھے یہ خبر نہیں کہ گھر میں کیا کیا سامان تھا آپ دیکھ کر بتائیے۔ پروفیسر نے کہا کھانے کے کمرے کا سامان چاندی کا تھا۔ ڈرائنگ روم کا بھی قیمتی سامان تھا تعجب تو یہ ہے کہ قالین بھی اٹھا لے گئی وہ تو یہ غنیمت ہوا کہ تمہاری والدہ کے زیور کا صندوقچہ میں نے اپنے سونے کے کمرے

میں رکھ لیا تھا جاپان سے واپس آکر برابر ارادہ کرتا رہا کہ وہ بکس بنک میں رکھوا دوں مگر میرا دماغ بھی معطل ہو گیا تھا۔

فاروق نے کہا کھانے کے کمرے کا سامان تو بہت دنوں سے نہیں ہے۔ میں نے روزی سے پوچھا بھی تھا انھوں نے جواب دیا تھا کہ چاندی کی چیزیں روزمرہ کے استعمال کی نہیں ہوتیں سب بکس میں رکھ دی ہیں۔ للی کے کمرے میں بھی کچھ نہیں تھا۔ پروفیسر نے کہا معلوم ہوتا ہے۔ وہ بہت پہلے سے تیاری کر رہی تھی۔ اس کے بھائی بھتیجے روزانہ لے جاتے ہونگے۔"

تھوڑی دیر کے بعد ڈرائیور نے آکر بتا دیا کہ چاند لی کے مکان اور دوکان دونوں جگہ قفل پڑے ہوئے ہیں۔" فاروق نے اپنے باپ سے کہا آپ چل کر زیور کا بکس دیکھ لیجئے میں پولیس میں رپورٹ کرونگا۔"

پروفیسر نے الماری کھول کر دیکھا تو صندوقچہ بھی غائب تھا وہ سناٹے میں آ گئے اس وقت ان کے دل پر ایک دھکا سا لگا سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گئے۔ فاروق نے کہا جانے دیجئے آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ جو کچھ انکی قسمت کا تھا لے گئیں آپ بالکل رنج نہ کیجئے۔ پروفیسر نے کہا کئی ہزار کا زیور تھا اُس نے میرے پاس چھوڑا ہی کیا۔ جان۔ مال۔ عزت۔ آبرو سب ہی کچھ تو لے لیا۔ اس وقت میرا دماغ بالکل بیکار ہو رہا ہے۔ تمنے بڑی بیوقوفی کی۔ اگر کل مجھے سب حال بتا دیتے تو اس وقت ہاتھ نہ ملنے پڑتے اب روزی کا ملنا دشوار ہے۔ افسوس بھائی صاحب کو منہ دکھانے کی جگہ نہیں رہی۔ انھوں نے مجھے پہلے ہی سمجھایا تھا۔ کہ نیچ ذات کی عورت اور بازاری عورت کو گھر میں رکھنے سے سینکڑوں... خاندان تباہ ہو گئے لاکھوں کے گھر خاک ہو گئے سلطنتوں پر زوال آگیا مگر میں نے ان کی نصیحت پر عمل نہیں کیا انہوں نے کہا تھا کہ یہ عورت تمھاری بربادی کا باعث ہوگی۔ آج تیرہ چودہ برس کے بعد ان کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ فاروق نے کہا آپکی تو یہ حالت ہو رہی ہے۔ اب میں کیا کروں"۔ پروفیسر نے کہا جو تمھارا دل چاہے کرو۔" فاروق نے کہا میں تو نجمی کو تار دیکر بلاتا ہوں۔ پروفیسر نے کہا نجمی کو ان واقعات کی اطلاع کرنے کی

کیا ضرورت ہے۔" فاروق نے کہا روزی کے بھاگنے کی وجہ نجمی سے بھی تعلق رکھتی ہے
پروفیسر نے تعجب سے پوچھا وہ کیسے"۔ فاروق نے کہا کوئی پندرہ روز گزرے جو میں کانپور
گیا تھا۔ وہ نجمی ہی کے تار پر گیا تھا۔ انھوں نے مجھے بلا کر ایک عجیب ہی واقعہ سنایا ایک
دن للی موٹر سے ان کے پاس گئی تھی اور اپنے آپکو اس نے دھنا بتایا تھا۔ پروفیسر نے حیرت
سے پوچھا وہ کس طرح؟ فاروق نے مفصّل حال اپنے باپ کو سُنایا۔ پروفیسر نے غصّہ
کے لہجہ میں کہا۔ للّی نے تو مجھے کیا پاگل بنایا تھا۔ وہ خود ہی بے وقوف بنی لیکن تم لوگ
دراصل مجھے دیوانہ سمجھ رہے ہو۔ میں پوچھتا ہوں یہ معاملات راز میں رکھنے سے تمہاری
کیا مصلحت تھی۔" فاروق نے کہا نجمی نے مجھے قسم دے دی تھی کہ آپ سے ذکر نہ کروں۔
آپ کو رنج ہوگا۔ انھوں نے چچا ابّا اور نجمی امّاں کو بھی خبر نہیں کی تھی۔ صرف سلطانہ اور انور
بھائی کو اطلاع ہے اور رحمت اللہ جانتا ہے۔ پروفیسر نے کہا خیر نجمی کی سعادت مندی
تھی مگر تمھیں چاہیئے تھا کہ فوراً مجھے خبر کرتے میں اس نابکار عورت کو سخت سزا دیتا۔ ایسا
کھلا ہوا جھوٹ اس نے اس دلیری سے بولا فاروق نے کہا اب کیا عرض کروں۔ . . .
۔ روزی کی وجہ سے پہلے کسی کو منہ دکھانے کی جگہ نہیں ہے۔ اگر آپ سے ان واقعات
کا تذکرہ کر دیا جاتا تو سوائے اپنے خاندان کی بدنامی کے اور کیا نتیجہ نکلتا زیادہ سے زیادہ
روزی کو جیل خانہ ہو جاتا اس میں بھی ہماری بدنامی تھی چودہ پندرہ سال سے وہ اس
گھر کی مالک و مختار بنی ہوئی تھی۔ ۔ سننے والے کیا کہتے سچی بات یہ ہے کہ میں پولیس میں
اطلاع کرتے ہوئے بھی ہچکچا رہا ہوں۔ کیا لکھوں اور کس منہ سے لکھواؤں اسی وجہ سے
میں نجمی کو بلانا چاہتا ہوں۔ وہ ان معاملات سے واقف ہیں۔ جو کچھ انکی رائے ہوگی وُہ
کروں گا۔ میں تو چاہتا تھا چچا ابّا کو بھی اطلاع کر دوں۔"

پروفیسر نے کہا جو کچھ تم کہتے ہو صحیح ہے۔ چھوڑو اب اس قصّہ کو لعنت سمجھو
اس پر پولیس میں اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں ہے تم تو فوراً کلکتے جاؤ اور تمام واقعات
پادری صاحب کو بتا کر آؤ"۔

پندرھواں باب

جاڑے کی لمبی اور اندھیری رات نے مخلوق کو اپنی سیاہ چادر میں ڈھانک لیا ہے۔ قمری مہینے کی شروع تاریخیں ہیں۔ کوئی بارہ کا عمل ہوگا چاند آہستہ آہستہ ڈوبتا چلا جاتا ہے۔ اس کی مدھم روشنی ایک دیہاتی مکان کی کھپریل پر کسی جاں بلب مریض کی طرح آخری سانس لے رہی ہے۔ مکان کی چار دیواری کچی مٹی کی بنی ہوئی ہے۔ جو آدمی کے قد کے برابر اونچی ہوگی انگنائی میں بہت بڑا ... نیم کا درخت ہے۔ ہوا کی سائیں سائیں اور درخت پر بیٹھے ہوئے اُلو کی بھاری اور گونج دار آواز نے مل کر ایک بھیانک راگ اختیار کر لیا ہے۔ ہر طرف اندھیرا ہے۔ صرف ایک کوٹھری کے ٹوٹے ہوئے دروازے میں سے دھیمی دھیمی سرخی مائل روشنی نکل رہی ہے۔ یہاں کے رہنے والے سب ... خواب غفلت میں ہیں۔ مگر ایک لڑکی ایسی ہے۔ جو اس وقت بھی جاگ رہی ہے۔ کوٹھری میں ایک پرانی تپائی پر لالٹین رکھی ہوئی ہے۔ جس کی چمنی جابجا سے ٹوٹی ہوئی ہے۔ اس پر کاغذ کی چیپیاں لگی ہیں۔ تمام کوٹھری میں مٹی کے تیل کا دھواں بھرا ہے۔ دو چارپائیاں بانس کی بچھی ہوئی ہیں۔ ایک چارپائی پر کوئی منہ ڈھانکے سو رہا ہے۔ دوسری پر ایک سترہ اٹھارہ سال کی لڑکی جس کو خدا نے دولت حسن سے مالا مال کیا ہے زار و قطار رو رہی ہے۔ کبھی اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر اوپر کی طرف دعا کے لئے اٹھا لیتی ہے۔ کبھی افسوس کیساتھ دونوں ہاتھوں کو ملنے لگتی ہے۔ اور کبھی غصہ میں آکر مٹھیاں بھینچ لیتی ہے۔ جب وہ روتے روتے نڈھال ہوگئی تو تکیہ پر سر ٹیک کر آپ ہی آپ باتیں کرنے لگتیں۔ "یا اللہ میں کہاں جاؤں اور کس کو اپنی مدد کے لئے بلاؤں تین دن لگا تار کو گئے ہوئے ہوگئے اب تک پتہ نہیں ضرور وہ کسی ناگہانی مصیبت میں گرفتار ہوگئیں وہ ایسی تو نہیں ہیں جو مجھے ان ظالموں کے پنجے میں پھنسا ہوا چھوڑ کر کہیں بیٹھ جاتیں یہاں کی حالت انہیں معلوم ہی ہے۔ بغیر کسی وجہ کے وہ دیر نہ لگاتیں مجھے تو ایک ایک منٹ ایک ایک سال کے برابر معلوم ہوتا ہے۔ افسوس

میں بغیر سوچے سمجھے وہاں سے کیوں چلی آئی مگر کیا کرتی - خالہ جان نے خود مجھے تسلی دیکر موٹر میں سوار کرایا تھا - کیا اُنھوں نے جان بوجھ کر مجھے اس مصیبت میں گرفتار کیا یا وُہ خود مغلانی اور مرزا کے دھوکے میں آگئیں - میں کچھ نہیں کہہ سکتی - ہائے میری قسمت میں یہی دردر کی ٹھوکریں لکھی ہیں آٹھ سال پیشتر کی اور اسوقت کی حالت کا مقابلہ کیا جائے - تو زمین و آسمان کا فرق نکلے گا ..... اُف اسی مٹی کے تیل کے دھوئیں سے میرا دم گھٹا جاتا ہے - یہ چارپائی کیا ہے گنہگار کی قبر ہے کسی کروٹ چین نہیں آتا - کہاں تو وہ اسپرنگ دار مسہری ریشمی گدے - دو نرم نرم پروں کے تکیے اور کہاں یہ ٹوٹی ہوئی بانس کی چارپائی مجاڑ سے کی توشک اور گودڑ کا تکیہ کبھی تو بجلی کی روشنی کی جگمگاہٹ میری آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی - اور اب یہ سیاہ چمنی کی دُھندلی روشنی مجھے اندھا کر رہی ہے - ایک دن وُہ بھی تھا - جب میں آراستہ کمرے میں ریڈیو پہ دُنیا کے ہر گوشہ کی خبریں مفید تقریریں - دلچسپ ڈرامے - سُریلے ساز اور دلکش راگ بڑی بےفکری سے سُنا کرتی تھی - آج سوائے چوکیدار کی کرخت آواز کے اور کوئی صدا میرے کان تک نہیں پہنچ سکتی - دنیا میرے لیے کیسی تنگ و تاریک ہوگئی ہائے میں کس کس بات کو یاد کروں -

نہ کوئی سلسلہ ایسا ہے جد میری فریاد کسی کے کان تک پہنچ سکے - اگر یہاں سے بھاگنے کا ارادہ کروں تو مرزا کا چوکیدار مجھے کیوں نکلنے دیگا - اسوقت بھی اس کے کھانسنے کی آواز آرہی ہے - ایسی سخت سردی میں بھی وہ جاگ رہا ہے - کم بخت کو نیند بھی تو نہیں آتی - آج میں نے سوچا تھا کہ کسی طرح یہاں سے نکل جاؤں مرزا تو کوٹھڑی بند کرکے سوتا ہے - اس کو تو نشہ میں کچھ خبر ہی نہیں ہوتی اس عورت کی نیند بھی بڑی غفلت کی ہے - صبح پانچ بجے سے پہلے نہیں اُٹھے گی - چوکیدار بیٹک اپنی ڈیوٹی پر ڈٹا ہوا ہے - خیر میں آج ساری رات جاگوں گی شاید یہاں سے نکلنے کا موقع ملجائے یہ میری آخری کوشش ہوگی زندگی کا آخری علاج - اگر اس میں کامیابی ہوگئی تو وہ روشنی جو مجھے اُفق میں دور سے نظر آتی ہے شاید کچھ میری مدد کر سکے ورنہ موت تو سرہانے کھڑی ہے - مرزا نے تو پہلے ہی میرے مرنے کی خبر مشہور کر دی ہے - اگر میں یہاں سے نکل بھاگی تو جاؤنگی

کہاں ؟ مجھے کسی راستہ کی خبر نہیں گاؤں والے اپنے اپنے گھروں میں اندھیرا کرکے سوتے ہیں۔ رات بھی میری قسمت کی طرح اندھیری ہے۔ یہاں دس بارہ روز میں سوائے ایک بڑھیا دودھ والی کے اور کسی عورت کو نہیں دیکھا۔ وہ اس مکان کے پچھواڑے ہی رہتی ہے۔ اگر میں اس کے ہاں چلی جاؤں تو شاید وہ مجھے اپنے گھر میں چھپا لے۔ اکیلی عورت ہے۔ اس کے ہاں کوئی مرد نہیں ہے۔ میں تو اب مردوں کے نام سے ڈرنے لگی ہوں۔ وہ ایک جوان لڑکی کیلئے ایک زہریلے اژدہے کی طرح ہر وقت منہ کھولے رہتے ہیں۔ وہ اپنی نفس پرستی کے لئے سب کچھ بھولے ہوئے ہیں۔ رحم اور ہمدردی کا خیال تو اُن کے دماغ میں کبھی آتا ہی نہیں مرزا کہتا تھا اس کا دوست کل آئیگا اور بوا مریم کا انتظار کئے بغیر وہ مجھے کلکتے لے جائیگا۔ اُس کمبخت کی صورت کیسی خونخوار ہے۔ گویا کوئی ڈاکو۔ افسوس وہ میری محبت کا دعویدار بنتا ہے اس کے ساتھ جانے سے مرجانا ہزار درجہ بہتر ہے۔ مگر دل چاہتا ہے۔ وہی سہانا خواب میں ایکمرتبہ پھر دیکھ لوں جس کی اُمید نے مجھے اس محبت میں گرفتار کیا۔ وہ پھول کی طرح کھلا ہوا چہرہ ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ یا اللہ کیا اب میں مایوس ہو جاؤں ؟ کیا میری ساری اُمیدیں منقطع ہو چکی ہیں۔ ؟ کیا وہ سچ مچ خواب تھا ؟ مگر میں نے تو کوئی ایسی خطا نہیں کی جس کی سزا مجھے ایسی سخت مل رہی ہے۔"

لڑکی اب خاموش ہو گئی اپنی ساڑھی کے آنچل سے آنسو پونچھے جو موتی کی لڑیوں کی طرح مسلسل بہہ رہے تھے روتے روتے اُس کے رخسار گلاب کے پھول کی طرح سُرخ ہو رہے تھے۔ حسن کامل یا حسن مجسم جو کچھ بھی اس کیلئے کہا جائے وہ زیبا ہے۔

جوں جوں رات ڈھلتی جاتی تھی۔ اس لڑکی کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔ تین بجے کے بعد وہ دبے پاؤں اپنے پلنگ سے نیچے اُتری لالٹین کا تیل بھی ختم ہو گیا تھا۔ کوٹھری میں اندھیرا ہو چلا تھا۔ لڑکی نے اپنے تکیہ کے نیچے سے ایک چمکتی ہوئی چیز نکال کر مٹھی میں دبائی کوٹھری میں چاروں طرف خوفزدہ آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ دوسری عورت بدستور منہ ڈھانکے سو رہی تھی۔ چوکیدار بھی اس وقت خاموش تھا۔ دوسری کوٹھری میں مرزا کے

خراٹوں کی آواز آرہی تھی۔ لڑکی کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے کوٹھڑی کا دروازہ کھولا۔ اور باہر دالان میں آئی پھر مڑ کر کوٹھری کی طرف دیکھا کہ کہیں وہ عورت جاگ تو نہیں گئی مگر اس کا منہ ڈھکا ہوا تھا۔ اب یہ لڑکی پنجوں کے بل چلکر صحن میں آگئی۔ یہاں چاروں طرف نظر دوڑائی ایک چارپائی پڑی ہوئی دکھائی دی۔ لڑکی نے بہت آہستہ سے اس چارپائی کو دیوار سے لگاکر کھڑا کر دیا پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ وہ پتوں کی سرسراہٹ سے ڈر رہی تھی آسمان پر تارے جھل مل کرنے لگے تھے لڑکی اپنا دل مضبوط کرکے دیوار سے لگی ہوئی چارپائی پر چڑھ گئی دیوار پکڑ کر پچھواڑے کی طرف لٹک گئی پھر اُس نے اپنے ہاتھوں سے دیوار کو چھوڑ دیا۔

سولھواں باب

نجم الزماں دو روز کے واسطے اپنے چچا کے ہاں الٰہ آباد گئے تھے واپسی میں اپنی بہن سلطانہ کے یہاں ٹھہرے ابھی تک روزی کے بھاگنے کی خبر سلطانہ اور انور زماں کو نہیں ہوئی تھی نجمی نے موٹر سے اُترتے ہی اپنی بہن بہنوئی سے کہا۔ اگر مٹھائی کھلواؤ تو ایک خوشخبری سناؤں۔" سلطانہ نے کہا کہیں شادی ٹھہرا کر آئے ہو۔ سچ سچ بتاؤ صورت سے خوشی ظاہر ہو رہی ہے۔ نجمی نے کہا واہ واہ یہ آپکی عقل ہے اسی قسم کے خیالات دماغ میں گھوما کرتے ہیں۔" انور زماں نے کہا مجھ سے سنو تمھاری کچھ ترقی ہوئی ہے۔ کلکٹر ہو کہ کہیں جا رہے ہو۔ نجمی نے کہا جیسے دماغ ہیں ویسی ہی باتیں سمجھ میں آرہی ہیں۔ اگر میری ترقی ہوتی تو آپ مجھ سے مٹھائی مانگتے یا میں آپ سے؟ سلطانہ نے کہا پھر کونسی ایسی خوشی کی بات ہوئی جو موٹر سے اُترتے ہی مٹھائی مانگنے لگے۔ نجمی نے کہا جب جانوں تم بتادو۔" انور نے پوچھا تم آ کہاں سے رہے ہو؟ نجمی نے کہا الٰہ آباد سے انور نے کہا اوہو

میں سمجھ گیا بلّی سے ملاقات کر کے آرہے ہو۔" نجمی نے کہا ملاقات کر کے نہیں بلکہ دفع کر کے۔" انور نے کہا کیا نکال آئے؟ نجمی نے جواب دیا میں کیوں نکالتا۔ دونوں ماں بیٹیاں خود ہی بھاگ گئیں بلکہ تمام خاندان عبور دریائے شور ہو گیا۔ سلطانہ نے خوش ہو کر کہا "سچ بتاؤ کب بھاگیں کیسے بھاگیں؟ کیا چچا جان نے نکال دیا۔؟ نجمی نے سب حال روزی کے بھاگنے کا بتایا۔ سلطانہ نے کہا چلو اچھا ہوا اللہ نے یہ بلا ٹالی۔ اب خدا کرے سب چیزیں مل جائیں۔" نجمی نے کہا تم بھی ایسی باتیں کرتی ہو۔ کوئی چوری تھوڑی ہوئی ہے۔ پندرہ برس سے وہ گھر کی مالک بنی ہوئی تھی۔ ہر چیز اس کی خریدی ہوئی بنائی ہوئی تو کیوں اپنے شوق کی چیزیں چھوڑ جاتی۔ اچھا ہوا لے گئیں۔" سلطانہ نے کہا کیا وہ اپنے باپ کے گھر سے لائی تھی۔ چچا جان ہی کے روپیہ سے تو خریدی بنائی تھیں۔" نجمی نے کہا بیوی کو میاں کے روپیہ پر پورا اختیار ہوتا ہے۔ کوئی ساری بیویاں اپنے باپ کے گھر سے جہیز تھوڑا ہی لیکر نہیں آتیں مگر گھر کی ہر چیز کی مالک ہوتی ہیں۔ اسی طرح روزی بھی تھیں۔" سلطانہ نے کہا مالک ہوتی ہیں تو گھر ہی میں تو ہر چیز رہتی ہے۔ خدا نہ کرے جو کسی کی بیویاں بھاگیں۔ نجمی نے کہا ہاں یہ نیچ ذات اور ذلیل عورت کو گھر میں رکھنے کا نتیجہ ہے۔ پندرہ برس کے بعد اس نے اپنی ذات دکھائی۔ چچا جان اور فاروق کی تو رائے نہیں تھی کہ پولیس میں اطلاع کیجائے مگر میں نے.. رپورٹ کرادی ہے۔ بیچارے چچا جان کو دیکھ کر بڑا رنج ہوا۔ میں نے تو انکو ابھی دیکھا ہے بچپن کا تو کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ سلطانہ آپا سچ کہتا ہوں۔ چچا سے بھی بہت محبت ہوتی ہے۔ میں نہیں جانتا تھا اب ان سے مل کر پتہ چلا۔ بیچارے اسقدر روئے کہ میں بھی ضبط نہ کر سکا۔ انور نے کہا۔ "تمہارا کیا ہے تم لڑکی سے ملکر بھی رونے لگے تھے۔ نجمی نے کہا آپ کے تو ایک بات ہاتھ آگئی ہے۔ واقعی چچا جان کو دیکھا نہیں جاتا بیماروں سے بدتر انکی حالت ہو گئی ہے میں ابا جان کو خط لکھ کر آیا ہوں.. کہ وہ ضرور ان کے پاس جائیں میری تو رائے ہے کہ اب زرینہ کی شادی کر دیجائے کچھ تو چچا جان کی دل بستگی کا سامان ہونا چاہیے۔" سلطانہ نے کہا اب تمہاری اور فاروق کی شادی ساتھ ہی ساتھ ہوگی۔ نجمی نے کہا کہیں ٹھہرا تو نہیں دی؟ سلطانہ نے جواب دیا ابھی تو نہیں ٹھہرائی ظفر کی والدہ سے کہا ہے کہ اپنی بہن کی لڑکی سے...

طے کرائیں۔" نجمی نے کہا ہاں ظفر نے مجھ سے کہا تھا۔ سلطانہ نے پوچھا پھر تم نے کیا فیصلہ
کیا،، نجمی نے جواب دیا نہیں بی توبہ کرو۔ سلطانہ نے کہا توبہ کی کیا بات ہے۔ ایسی لڑکی
تو ملنی بھی مشکل ہے۔" نجمی نے کہا اس سے اچھی مل جائیں گی۔ سلطانہ نے پوچھا کیا کسی جگہ
تمہارا خیال ہے۔؟ نجمی نے جواب دیا ہاں ایک جگہ ہے۔"

انور زماں نے کہا نہ کسی سے صلاح نہ مشورہ آخر ہمیں بھی تو بتاؤ کیسا خاندان ہے
کس کی لڑکی ہے۔ کیا تم نے بات پکی کر لی ہے۔" نجمی نے کہا لاحول ولا قوۃ آپ بار بار
اس اُلو کی پٹھی کا نام نہ لیجئے۔"

انور زماں نے ہنس کر کہا پٹھے تو بہت سُنے ہیں پٹھیاں دو چار ہی ہونگی نجمی نے
کہا ہاں آپ بار بار اس کا نام لیکر مجھے غصہ دلاتے ہیں۔" سلطانہ نے کہا تم پہلے اُس لڑکی
کا حال بتاؤ۔ جس سے تم شادی کرنا چاہتے ہو۔" نجمی نے کہا مجھے اس کا حال نہیں معلوم"
انور نے کہا۔ اس کے خاندان سے تو واقفیت ہوگی۔"

نجمی نے جواب دیا نہ مجھے اس کے خاندان کی خبر۔ نہ والدین کا نام معلوم نہ
کبھی لڑکی کو دیکھا مگر شادی کرونگا۔ تو اُسی لڑکی سے کرونگا۔ ورنہ ایک شادی
ہو چکی ہے۔ بس میرے لئے کافی ہے۔ انور نے کہا نہیں جی کہیں ایسا ہوتا
ہے۔ جہاں تم کہو گے وہیں ہوگی۔ مگر کچھ بتاؤ تو سہی۔ نجمی نے کہا یوسف کی بہن
سے خیال ہے۔ سلطانہ نے مسکرا کر کہا پرانے زمانے کی کہانیوں میں سنا کرتے تھے۔
کہ تصویر کو دیکھ کر شہزادے اٹوائی کھٹوائی لے کر پڑ جایا کرتے تھے۔ وہی حالت تمہاری
دیکھ رہی ہوں۔ کیا خبر کس کی تصویر ہوگی تم نے خیال کر لیا کہ یوسف کی بہن ہوگی۔"
نجمی نے کہا۔ "اب مجھے معلوم ہوگیا ہے وہ تصویر یوسف کی بہن کی ہی ہے۔ کچھ دن
ہوئے میرے پاس یوسف آگئے تھے ان سے میں نے اس تصویر کے متعلق بھی پوچھا تھا
اور یہ بھی دریافت کیا تھا۔ کہ انکی بہن کی شادی ہوئی یا نہیں۔" انور نے اپنی بہن
سے مخاطب ہو کر کہا سن رہی ہو نجمی کی باتیں ایک کمزور دل کا دیکھ کر اس سے سب
کچھ پوچھ بیٹھے میرے خیال میں شادی کا پیغام بھی دیدیا ہوگا۔"

نجمی نے کہا۔ ابھی ایسا بے تاب بھی نہیں تھا۔" سلطانہ نے پوچھا یہ تو بتاؤ
یوسف کی اماں ابھی زندہ ہے یا نہیں ؟ نجمی نے کہا ان بیچاری کا تو جب ہی انتقال
ہو گیا تھا میری وجہ سے ان دونوں بہن بھائیوں پر یہ مصیبت نازل ہوئی۔ اس
کا بدلہ تو یہی ہو سکتا ہے۔ کہ میں اس لڑکی سے شادی کر لوں۔" سلطانہ نے کہا یہ تو سب
ٹھیک ہے۔ مگر شادی تو اپنے برابر والوں میں ہونی چاہیے۔ ان دونوں کی مدد کسی دوسرے
طریقہ سے کرتے رہو تمھیں کون منع کرتا ہے۔" نجمی نے کہا تمھارا مطلب ہے۔ کہ کسی دولتمند
اور معزز آدمی کی لڑکی سے شادی ہو۔ یوسف بیچارہ غریب اور کم حیثیت ہے۔ اسو جہ
سے ایک آئی۔ سی۔ ایس اور بیرسٹر کے لڑکے کی شادی اس کی بہن کے ساتھ ہونے میں
ذلت ہے۔ خدا سے ڈرو سلطانہ آپا تمھارے خیالات بہت خراب ہیں میں ان باتوں
کی پرواہ نہیں کرتا۔ مجھے نہ بیوی کے روپیہ کی ضرورت۔ نہ اس کے باپ بھائیوں
کی شہرت سے مطلب نہ اُس کے خاندان کی عزت کی پرواہ۔ میں تو صرف اپنی پسند کی
بیوی چاہتا ہوں پہلی شادی ابا جان ایک معزز آدمی کی لڑکی سے کر چکے ہیں۔ رعنا
سے زیادہ کوئی لڑکی اپنی برادری کی نہیں مل سکتی۔ عقد ثانی ہے۔ کیوں نہ میں اپنی مرضی
کے موافق کروں۔" انور نے کہا " بیشک اب تمھاری مرضی سے شادی ہونی چاہیے
اگر یوسف کی بہن تم کو پسند ہے تو کوئی مضائقہ نہیں مگر معلوم تو ہونا چاہیے۔ کون لوگ ہیں۔
یوسف اب کہاں رہتے ہیں اپنی ماں کے انتقال کے بعد کیوں چلے گئے تھے۔؟
نجمی نے جواب دیا۔ یوسف لکھنؤ میں پڑھتے ہیں۔ ان کی بہن اپنے کسی رشتہ دار کے
ہاں ہیں۔ سلطانہ نے کہا دیکھو نجمی شادی بیاہ کا معاملہ ایسا نہیں ہوتا۔ تمام عمر نباہ
کرنا ہے۔ یہ نہیں کہ لڑکی کی خوبصورتی دیکھ لی۔ اور اتنا بڑا معاملہ طے کر لیا۔
وہ بھی محض کاغذی تصویر پر۔" نجمی نے جواب دیا۔ " اس مرتبہ یوسف آئیں گے تو میں
ان کو تمھارے پاس لاؤں گا۔ ایسا نیک اور شریف لڑکا آج تک نہیں دیکھا۔" سلطانہ
نے کہا۔ " یوسف کو دیکھ کر کیا کرو نگی ان کی بہن کو دکھاؤ۔ یوسف کے ساتھ شادی
تھوڑی ہو رہی ہے۔" انور نے پوچھا لکھنؤ میں کسی مدرسہ میں پڑھتے ہیں یا

کالج میں کوئی خط بھی آتا ہے۔" نجمی نے کہا کالج میں پڑھتے ہیں۔ مگر میں نے یہ
نہیں پوچھا کہ کونسے کالج میں پڑھتے ہیں۔ خط بھی کوئی نہیں آیا۔ چھٹیوں میں
آنے کو کہہ گئے تھے۔ انور نے کہا۔ "کم از کم پتہ اور نشان تو پوچھنا چاہیئے
تھا۔ خیال تو یہ ہے۔ کہ اس لڑکے کی بہن سے شادی کروگے۔ مگر اس کا
پتہ تک نہ پوچھا کہ یہ کیسی بیوقوفی کی بات کی ہے۔" نجمی نے کہا۔ "وہ پتہ تو
بیشک پوچھنا بھول گیا۔ وہ آیا ہی ایسی جلدی میں تھا۔ مگر مجھے یقین ہے
وہ چھٹیوں میں ضرور آئیگا۔ انور نے کہا تمھیں کیسے یقین ہے۔" نجمی نے جواب
دیا۔ وہ میرے پاس اپنا بکس رکھ گیا ہے۔" انور نے پوچھا کچھ روپیہ پیسہ...
اسمیں ہے۔ نجمی نے کہا یہ تو مجھے خبر نہیں اس دن وہ میرے پاس اسی کام
سے آیا تھا۔ اپنے مکان میں سے ایک بکس لانے کو کہہ گیا تھا۔ وہ میں نے
لا کر رکھ دیا۔" انور نے کہا پھر تم نے بڑی غلطی کی بغیر دیکھے بھالے وہ بکس اپنے
پاس کیوں رکھ لیا۔" نجمی نے کہا کیا ہرج ہے؟ سلطانہ نے کہا اگر اس میں بم ہوا تو
کیا ہوگا۔ بے ہے۔ نجمی تم نے کیا غضب کیا کہیں اس نے اپنی ماں کا بدلہ لینے کے
واسطے یہ نہ کیا ہو۔" نجمی نے کہا تم بھی کیا باتیں کرتی ہو بم کیوں ہونے لگا۔" انور نے
کہا کیا تعجب ہے۔ کوئی میعادی بم رکھ دیا ہو جو اپنے وقت پر پھٹے۔" نجمی نے کہا۔
"انور بھائی آپ بھی ان کی باتوں میں آ گئے؟" انور نے کہا باتوں میں نہیں آ گیا روزانہ
اس قسم کی باتیں سننے میں آ رہی ہیں نجمی نے کہا۔ "وہ تو بکس میں نے ظفر کے ہاں رکھوا
دیا ہے۔ ایک مہینہ سے زیادہ ہو گیا ہے۔ ابتک تو کوئی بم پھٹا نہیں۔ آپ بھی
عجیب آدمی ہیں ایک شریف لڑکے کے متعلق ایسی بدگمانی کرتے ہیں۔ انور نے کہا تم
لوگوں کا قاعدہ ہے خوبصورتوں کو شریف سمجھنے لگتے ہیں۔ سلطانہ کی بھی یہی حالت ہے
سلطانہ نے کہا۔ نجمی کی طرح تو نہیں ہوں۔ کہ انھوں نے للّی کے واقعہ سے ابھی بھی سبق...
نہیں سیکھا۔ مجھے تو بکس کی طرف سے بڑی پریشانی ہو گئی۔ نجمی نے کہا میں نے فضول
تم لوگوں کے سامنے اس کا ذکر کر دیا۔" سلطانہ نے کہا تمھیں چاہیئے تھا۔ اسے

کھول کر دیکھ لیتے۔ جب وہ لڑکا ایسا نیک اور شریف ہے۔ تو کچھ نہیں کہتا۔" انور نے کہا۔ "اچھا اب جو کچھ ہوا سو ہوا مگر مہربانی کر کے وہ بکس اسی مکان میں رکھو۔ مجھے بھی تشویش پیدا ہو گئی ہے۔" نجمی نے کہا آپ اطمینان رکھیں۔ مجھے کچھ شبہ نہیں ہے۔ آپ نے اس لڑکے کو دیکھا نہیں اس وجہ سے ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ انور نے کہا خیر وہ بکس تم ظفر کے ہاں سے منگوالو۔" نجمی نے کہا۔ "اچھی بات ہے میں کل ہی منگوالونگا۔"

سلطانہ نے پوچھا کیا تم کل ہی چلے جاؤ گے؟ نجمی نے کہا میں تو اسی وقت چلا جاتا۔ مگر دیر ہو گئی۔ صبح چھ بجے روانہ ہو جاؤنگا۔" سلطانہ نے کہا۔ "چھ بجے تو آج کل اندھیرا گھپ ہوتا ہے۔ کہاں جاؤ گے۔ آٹھ بجے تک جانا۔ نجمی نے کہا نہیں سلطانہ آپا مجھے دس بجے تک دورہ پر چلا جانا چاہیئے۔ کمشنر صاحب معائنہ کیلئے جانے والے ہیں۔ میرا ابھی سامان ابھی تک نہیں گیا ہے۔ رحمت اللہ کو ساتھ لینے آیا تھا۔ کنجیاں سب انہیں کے پاس ہیں۔" سلطانہ نے کہا۔ "رحمت اللہ کی وجہ سے تمہیں آرام تو بہت ملتا ہوگا۔" نجمی نے کہا۔ ہاں آرام تو ملتا ہے۔ مگر اب تو بالکل وہ میرے ہی اتالیق بن گئے ہیں۔ بڈھے آدمی ہیں اس وجہ سے میں کچھ کہتا نہیں۔ ہر بات پر نصیحت ہر کام میں اپنی ٹانگ اڑانی۔ کسی دن کلب میں دیر ہو جائے تو لالٹین اور ڈنڈا لے کر سیدھے میرے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ یہ خیال نہیں کرتے کون کون بیٹھے ہیں۔ تقاضا کرنے لگتے ہیں۔ میاں چلو نو بج گئے۔ کھانے کو دیر ہو رہی ہے۔ ہمیشہ تو مجھے آپ کہتے ہیں۔ لیکن دو چار آدمیوں کے سامنے تم کہنے لگتے ہیں۔ کتنا بھی سمجھاؤں مگر انکی سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ بعض وقت بڑی کوفت بھی ہوتی ہے۔ ایک یہ عادت انکی ایسی خراب ہے۔ کہ حد سے زیادہ کنجوس ہیں۔ ممکن نہیں کہ میں کسی دوسرے آدمی کو کھانے پر بٹھا لوں۔ ہمیشہ نپا تلا میرے ہی لائق پکواتے ہیں۔ یہ بات مجھے بہت ناپسند ہے۔" سلطانہ نے کہا۔ خیر بھئی ایسا خیر خواہ آدمی اس زمانہ میں ملنا مشکل ہے۔" نجمی نے کہا اس میں کیا شک ہے۔ مجھے کسی بات کی خبر نہیں ہوتی عورتوں کی طرح سٹر پٹر کرتے رہتے ہیں۔ ہر چیز کی دیکھ بھال حد سے زیادہ کرتے ہیں۔ مجھے کچھ نہیں

خرچ نہ کرنے دیتے۔ کہتے ہیں میاں آپ کیوں روپیہ برباد کرتے ہیں۔ سب سامان جہیز میں آجائیگا۔" مجھے اکثر اُن کی لغو باتوں پر ہنسی آجاتی ہے۔ اسی وجہ سے شاید گئے ہیں۔ دوسرے رعنا کے مرنے کا انہیں بہت غم ہے۔ مجھے ان کے اوپر ترس بھی آتا ہے۔ بیچارے آس لگائے بیٹھے تھے کہتے ہیں۔" میں تو اس اُمید پر آپ کے پاس آکر رہا تھا۔ کہ زندگی کے باقی دن اپنی رعنا بی بی کی خدمت میں گزار دونگا۔" اکثر رویا کرتے ہیں۔ سلطانہ نے پوچھا۔ "روزی کے جانے سے تو یہ بہت خوش ہوئے ہونگے؟" نجمی نے جواب دیا میرے خیال میں فاروق کو اتنی خوشی نہ ہوئی ہوگی جتنی رحمت اللہ کو ہوئی ہے۔ کل مجھ سے کہہ رہے تھے کہ بس میاں ابتو آپکی شادی کا انتظار ہے۔ اس کے بعد میں اپنے صاحب کے پاس چلا جاؤں گا اور شعر بھی پڑھتے ہیں۔ کہنے لگے "خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔"

سلطانہ نے ہنس کر پوچھا۔ "دو دیوانے کون؟" نجمی نے کہا۔ "رحمت اللہ اور چچا جان۔" الوزرا نے کہا۔ "بھئی یہ ایک ہی رہی۔"

دس بجے کے بعد تک یہ لوگ باتیں کرتے رہے۔

نجم الزماں اپنے ارادہ کے مطابق صبح ۶ بجے روانہ ہو گئے ابھی گنگا کے پل سے نکلے ہی تھے کہ موٹر کی روشنی میں کچھ فاصلہ پر ایک متحرک چیز نظر آئی۔ نجمی نے رحمت اللہ سے کہا دیکھو سامنے سڑک پر کون دوڑ رہا ہے؟ رحمت اللہ نے کہا "آیت الکرسی پڑھیئے اور موٹر کو تیز کر دیجئے۔" نجمی نے کہا کیوں کیا بات ہے؟ رحمت اللہ نے کہا میاں یہ کوئی مردہ کفن پہنے بھاگ رہا ہے۔" نجمی نے کہا تم پاگل ہوئے ہو مردے کہیں بھاگا کرتے ہیں۔" رحمت اللہ نے جواب دیا۔ "ہاں صاحب جنگل میں... لوگوں نے مردوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہاں کوئی قریب قبرستان ہوگا۔"

موٹر اب بالکل نزدیک آگئی تھی۔ اس کی روشنی میں صاف نظر آنے لگا۔ سر سے پیر تک سفید چادر لپیٹے ہوئے کوئی دوڑا چلا جا رہا تھا۔ رحمت اللہ نے زور سے کہا لا الٰہ الا اللہ۔ قل ہو اللہ احد۔ ارے صاحب کچھ بتائیے تو کیا پڑھوں

نجمی نے ہنس کر کہا میرا کندھا تو چھوڑ دو۔ دیکھتے نہیں موٹر چلا رہا ہوں۔ "رحمت اللہ نے کہا۔ "میاں آپ کیا غضب کر رہے ہیں۔ موٹر کیوں ہلکی کر دی۔ درود شریف پڑھیے آج کس مصیبت میں گرفتار ہو گئے جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو" نجمی ہنسی کے مارے لوٹے جا رہے تھے۔ انھوں نے موٹر قریب قریب روک دی۔ دس میل کی رفتار پر آ گئی تھی۔
عین موٹر کے سامنے کھڑے ہو کر اس دوڑنے والی چیز نے اپنے ہاتھ اونچے کر دئیے۔ نجمی نے موٹر بالکل روک دی۔ رحمت اللہ نے چیخ کر کہا "اللّٰھم صلِ علیٰ" نجمی نے کہا جاؤ نیچے اتر کر پوچھو اس کا کیا مطلب ہے "رحمت اللہ نے کہا۔ "ارے میاں آپ کیا کہہ رہے ہیں خبر نہیں کیسی روح ہے۔ بھلا جنگل بیابان میں آدمی کا کیا کام ہے۔ آپ نے بے فضول موٹر روک لی بچا کر نکال لیتے" نجمی نے کہا۔ "تم بڈھے آدمی ہو کر اسقدر ڈرتے ہو یہاں ... چاروں طرف آبادی ہے۔ اب صبح ہو گئی ہے۔ اچھا میں خود اتر کر پوچھتا ہوں" رحمت اللہ نے کہا۔ "آپ کو کبھی نہیں جانے دونگا۔" جان جائے یا رہے۔ زیادہ سے زیادہ سسری مجھے کھا لے گی۔ اور کیا کریگی۔ نجمی نے کہا ڈر کے مارے دم نکلا جا رہا ہے روح سمجھ رہے ہو مگر گالی دینے سے باز نہیں آتے۔ "رحمت اللہ نے کہا میاں خدا کے لئے ذرا جھکے سے کہئے۔ منہ سے نکل گیا میں گالی نہیں دیتا۔"
ڈرتے ڈرتے رحمت اللہ موٹر سے اُترے اور دس قدم کے فاصلہ سے چلا کر کہا ... نیک بخت تو کون ہے۔ اور موٹر کس واسطے ٹھہروائی ہے۔ ہمارے پاس بندوق ہے اگر کوئی شرارت کی تو ابھی یہیں ڈھیر کر دینگے اُس نے جواب دیا میں ایک مصیبت زدہ عورت ہوں۔ میری جان خطرے میں ہے۔ میرے حال پر رحم کرو۔ رحمت اللہ نے گھبرا کر نجمی سے کہا میاں یہ تو بول رہی ہے اب میں کیا کروں۔" نجمی نے ہنس کر کہا کیا سچ مچ تمھیں کھا جائے گی۔ ذرا قریب جا کر پوچھو اُس کو کس چیز کا خطرہ ہے۔ کوئی جانور پیچھا کر رہا ہے۔ یا کسی آدمی کا خوف ہے۔ یہ عورت خود موٹر کے قریب آ گئی تھی۔ اُس نے روتے ہوئے کہا مجھے کسی جانور کا ڈر نہیں ہے میں اسوقت بہت مشکل میں ہوں۔ انسان میرے دشمن ہیں۔ خدا کے واسطے آپ مجھے اپنی موٹر میں بٹھا لیجئے۔ چاہے تھوڑی دور آگے جا کر اتار دیجئے گا۔

مگر اس مقام سے میرا بچا چھوٹ جائے۔ شاید خدا نے آپکو میری ہی مدد کے لیے اس وقت یہاں بھیجا ہے۔ رحمت اللہ نے نجمی سے کہا۔ حضور معلوم ہوتا ہے۔ یہ عورت اپنے خاوند سے لڑ کر بھاگی ہے۔ ہم اس کو کہاں اپنے ساتھ لے جائیں گے"، عورت نے بڑی عاجزی سے کہا میں کسی سے لڑ کر نہیں بھاگی اپنی جان اور عزت بچا کر نکلی ہوں۔ میرے حال پہ رحم کیجیے"۔

نجمی نے رحمت اللہ سے کہا اس کو موٹر میں بٹھا لو جو کچھ ہوگا دیکھ لیں گے"۔ ....

رحمت اللہ نے کہا۔ "آپ اس کی باتوں کا خیال نہ کیجیے یہ تو ابھی تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو کر اپنے گھر چلی جائیگی۔ گاؤں دیہات میں روزانہ ایسے ہی جھگڑے قصے ہوا کرتے ہیں آپ یہ ناحق اپنے پیچھے یہ بلا لگا رہے ہیں۔ ابھی اس کا خاوند آکر لیجائیگا ایسا نہ ہوا۔ ایسا نہ ہو اپنے گھر سے کوئی چیز چرا کر بھاگی ہو"۔

عورت نے کہا۔ "میرا کہیں گھر بار نہیں ہے۔ اگر اس وقت آپ نے میری مدد نہیں کی تو میں اپنی جان دیدوں گی۔ میں کسی کی کوئی چیز چرا کر نہیں بھاگی رحمت اللہ نے کہا۔ لیجیے صاحب وہ جان دینے کی دھمکی دے رہی ہے"۔ نجمی نے بلند آواز سے کہا دیکھو جو کچھ تم کہہ رہی ہو اگر یہ صحیح ہے تو موٹر میں بیٹھ جاؤ مگر یاد رکھو مجھے دھوکہ دیا تو تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا عورت نے جواب دیا۔ "میں آپکو دھوکہ نہیں دے رہی صرف اپنی جان بچانے کیلئے آپ کو تکلیف... دی ہے"۔

نجمی نے رحمت اللہ سے کہا تم میرے پاس آکر بیٹھ جاؤ۔ پیچھے سیٹ پر اس عورت کو بٹھا دو"۔

یہ عورت ایک سفید چادر سر سے پیر تک اوڑھے ہوئے تھی۔ منہ بالکل ڈھکا ہوا تھا۔ اس وقت خاصہ دن نکل آیا تھا۔ مگر کہر کی وجہ سے اندھیرا ہو رہا تھا۔ سردی شدت کی تھی کہ نجمی نے رحمت اللہ سے کہا۔ "تم اپنا کمبل ان کو دیدو سردی سے کانپ رہی ہے"۔

رحمت اللہ نے کہا۔ "واہ میاں واہ میں اپنا نمازی کمبل ہر کسی کو دیدوں ابھی تھوڑی

دیر کے بعد دیکھئے گا کمبل سمیت غائب۔ نجمی نے کہا چلتی موٹر میں سے کہاں غائب ہو جائے گی۔ ذرا عقل سے بات کیا کرو۔" رحمت اللہ نے کہا۔ "ارے صاحب یہ لوگ ہوا ہوتے ہیں۔ پہلے تو ڈرانے کی کوشش کی جب ہم لوگ ڈرے نہیں تو دکھانے کے واسطے موٹر میں بیٹھ گئی۔ صاحب میں تو پیچھے مڑ کر دیکھونگا۔ نہیں۔" نجمی نے کہا۔ "تم ابھی تک اسی خیال میں ہو۔ عجب پاگل آدمی ہو۔ لو میرا کمبل اس کے اوپر ڈالدو۔" رحمت اللہ نے کہا کیا کہوں میاں اسوقت آپ نے بہت ہی لڑکپن کا کام کیا ہے۔ خیر نہیں اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔ نجمی نے کہا نتیجہ کیسا۔ ذرا اس کے گھر والے آئیں تو پھر دیکھو کتنے جوتے لگواتا ہوں۔ اپنی عورتوں کے ساتھ۔ ایسا بے رحمی کا برتاؤ کرتے ہیں جاڑے میں مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا۔"

رحمت اللہ نے کچھ سوچ کر کہا "میاں کہیں یہ للّی تو نہیں ہے۔" نجمی نے موٹر اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا وہ اتنی بیوقوف نہیں ہے کہ قصداً اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دے۔ جانتے نہیں ہو چوری کر کے بھاگی ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد نجم الزماں اپنی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ رحمت اللہ نے اس....
عورت کو اتروا کر ایک کمرے میں پہنچا دیا۔ نجمی نے غسل اور ناشتہ سے فارغ ہو کر رحمت اللہ کو بلا کر کہا چلو تمہاری موجودگی میں اس عورت کے حالات دریافت کر کے اس کا انتظام کروں۔ اسوقت تو نہیں ڈر و گے رحمت اللہ نے کہا نہیں حضور اب تو دن کا وقت ہے۔ ڈر کا کیا کام؟" نجمی نے کہا اسوقت میں ڈر رہا ہوں سب مجھے تمہاری طرف سے خطرہ ہے۔ للّی کے معاملہ میں تم نے.... الور بھائی سے جھوٹی باتیں لگائی تھیں اب کہیں ابا جان سے کچھ نہ جڑ دو میں تو خدا کا خوف کھا کر اس کو لے آیا ہوں۔ معلوم نہیں غریب پر کیا مصیبت پڑی ہے۔ اس کی گفتگو بڑی شائستہ ہے معلوم ہوتا ہے۔ پڑھی لکھی عورت ہے۔" رحمت اللہ نے کہا۔ "میاں میں تابعدار ہوں۔ بچپن سے آپ ہی لوگوں کا نمک کھایا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ بڑے سرکار سے آپ کی شکایت کروں۔ ان کے غصہ سے بہت ڈرتا ہوں۔ للّی کی بات اور تھی۔ اس میں بھی میاں میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ اب خدا نخواستہ ایسا کیوں ہونے لگا۔ اس کا پتہ پوچھکر اس کے

گھر پہنچا دیا جائیگا۔ میں تو جانوں کوئی بدمعاش اِس کو بھگا لایا تھا شریف زادی معلوم ہوتی ہے۔
نجمی نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے۔ تم نے اُسے چاء وغیرہ دیدی ہوگی۔ رحمت اللہ نے کہا۔ ...
"آپ کے کہنے سے پہلے ہی توس مکھن انڈے سب چیزیں اِس کو دیدیں اب ڈٹ کر بیٹھی
ہے"۔ نجمی نے کہا۔ "تم نے تو اُسے دیکھا ہوگا۔ کیا عمر معلوم ہوتی ہے"؟ رحمت اللہ نے
کہا۔ "میاں اُس نے میرے سامنے منہ نہیں کھولا جب سے آئی ہے ایک کونے میں منہ دئے
بیٹھی رو رہی ہے میں نے سمجھا بجھا کر بڑی مشکل سے چاء پلائی ہے۔ مگر میاں ہے لڑکی
ہی سی آپ ذرا دور ہی سے بات کیجئے گا"۔
نجمی نے ہنس کر کہا کیا میرے چمٹ جائے گی۔" رحمت اللہ نے کہا چمٹ تو
کیا جائیگی مگر دور ہی رہنا ٹھیک ہے۔ نجمی نے پوچھا تم نے اس کی صورت تو دیکھی
نہیں پھر کیسے معلوم ہوا کہ وہ لڑکی سی ہے۔" رحمت اللہ نے کہا میں نے اس کے ہاتھ
دیکھے ہیں۔" نجمی نے پوچھا کیا کسی کے ہاتھ دیکھکر عمر کا پتہ چل جاتا ہے"؟ رحمت اللہ
نے کہا۔ "جی ہاں معلوم ہو جاتا ہے۔" نجمی نے مسکرا کر کہا تم بڑے نگاہ باز ہو ہم تو کسی کے
ہاتھ دیکھکر نہیں پہچان سکتے ہاں رنگ معلوم ہو جاتا ہے۔ رحمت اللہ نے کہا میاں رنگ بھی
سفید ہے۔ اسی لئے تو میں کہتا ہوں آپ دور ہی سے بات کریں۔ نجمی نے کہا عجیب
پاگل آدمی ہو مجھے اِس کے سفید یا سیاہ رنگ سے کیا مطلب میں چاہتا ہوں اِس قصہ کو جلدی
ختم کر دوں۔ تم چل کر کمرے کا دروازہ کھولو۔ اور اسکو دروازہ کے قریب بلاؤ میں آتا ہوں"
رحمت اللہ نے کمرے کے دروازہ کے پاس ایک کرسی لاکر رکھدی۔ نجمی سگریٹ پیتے ہوئے
کرسی پر آکر بیٹھ گئے۔ کمرے کے اندر دروازہ سے لگی ہوئی وہ عورت کھڑی تھی۔ نجمی نے
کہا جو کچھ تمہارا قصہ ہے وہ اسوقت اب مجھے صاف صاف بتا دو تاکہ میں اس کا انتظام جلدی
کر دوں۔ میں زیادہ دیر تک تمہیں اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا۔ میرے ہاں کوئی عورت
نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ میں آج ہی دورے پر جا رہا ہوں ورنہ تم دو
ایک روز ٹھہر سکتی تھیں۔" رحمت اللہ بھی کمرے کے دروازہ سے لگا کھڑا تھا۔ عورت
نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نجمی نے دوبارہ ذرا نرم لہجے میں کہا ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے

جو کچھ واقعہ گزرا ہے - وہ صحیح صحیح بیان کرو- آخر تمھارے اوپر کیا مصیبت پڑی ہے "۔
تمھارے رشتہ دار کہاں رہتے ہیں - میں اُن لوگوں کو یہیں بلوا دونگا - یا تمیں اُنکے پاس
پہنچا دونگا - رحمت اللہ نے کہا - ہاں بیٹی ڈرنے کی کیا بات ہے - میں تمھیں اپنے ساتھ
لیجاؤنگا - "

عورت نے بہت آہستہ سے جوابدیا - "میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے - میں کیا بتاؤں کہ
مجھے آپ کہاں پہنچائیں نجمی نے کہا - "یہ تو میں مان نہیں سکتا کہ تم میرے ہی انتظار میں اس
جنگل میں اپنی زندگی گزار رہی تھیں کہیں نہ کہیں تو تمھارا ٹھکانا ہوگا "

رحمت اللہ بولا میرے تو وہی ہوگیا جو ریکارڈ میں گاتی ہے سہ

سر راہ بیٹھا ہوں دھونی رما کر ؛ کبھی تو ادھر سے گزر جائیں گے -

نجمی نے رحمت اللہ کی طرف غصہ سے دیکھا - عورت نے پھر آہستہ سے کہا میرا کہیں
ٹھکانا نہیں ہے - جہاں آپ کا دل چاہے مجھے بھیجدیں - اب تو میں یہاں آگئی اندھیرے میں
آپکو پہچانا نہیں تھا " نجمی نے کہا - "اچھا معلوم ہوتا ہے - تم کسی اور کے دھوکے میں..
میرے ساتھ آگئیں - خیر کوئی ہرج نہیں ہے - جس شخص کے دھوکے میں آئی ہو -
اس کا نام بتا دو میں وہیں بھیج دونگا - عورت نے ذرا توقف سے کہا جی نہیں میں
کسی کے دھوکہ میں آپ کے ساتھ نہیں آئی میں تو صرف اپنی جان بچپا کر بھاگی
تھی - اتفاق سے آپکی موٹر ادھر سے گزری - میں نے اس اُمید پر ہاتھ اونچا کر دیا
کہ شاید کوئی رحمدل انسان میرے حال پر ترس کھا کر مجھے اپنی موٹر میں بٹھانے
میں قسم کھا کر کہتی ہوں یہ نہیں جانتی تھی کہ اس موٹر میں آپ ہیں - " نجمی نے کہا -
"یہی تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم مجھے کیا سمجھ رہی ہو - " عورت نے بہت
دھیمی آواز میں جوابدیا - " آپ میرے پرانے محسن ہیں - " نجمی نے گھبرا کر کہا "
میں ؟ میں نے تمھارے ساتھ کیا احسان کیا تھا - اور کس موقع پر کیا تھا
مجھے بالکل یاد نہیں رحمت اللہ نے آنکھیں پھاڑ کر کہا - "یہ تو کچھ عجب معاملہ
ہے " نجمی نے کہا تم ذرا سخت لہجہ میں کہا معلوم ہوتا ہے - تم مجھے

فریب دینا چاہتی ہو۔ میں جتنا رحمدل ہوں اتنا ہی سخت بھی ہوں۔ اگر تم نے اپنے...
حالات ٹھیک ٹھیک نہیں بتائے تو مجھے مجبوراً پولیس کے حوالے کرنا پڑے گا۔ عورت نے
زبان سے تو کچھ نہیں کہا مگر دروازے میں سے ہاتھ بڑھا کر ایک سنہری کلائی کی گھڑی نجمی کو
دی۔ نجمی نے گھڑی کو دیکھ کر تعجب سے پوچھا یہ گھڑی تمھارے پاس کہاں سے آئی عورت
نے جواب دیا آپ ہی کی دی ہوئی ہے۔ نجمی نے حیران ہو کر کہا تمھیں؟ تمھیں تو میں نے
نہیں دی۔ یہ تو یوسف کو دی تھی۔" عورت نے دبی زبان سے کہا آپ مجھے یوسف ہی
سمجھیے۔" نجمی نے کہا تمھیں یوسف کیسے سمجھوں وہ لڑکا ہے۔ عورت نے کہا آپ یقین
مانیے میں ہی یوسف ہوں۔" نجمی گھبرا کر کرسی سے کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے تعجب سے
پوچھا کیا یوسف لڑکا نہیں تھا۔ تم سچ کہہ رہی ہو؟ عورت نے جواب دیا آپ کی گھڑی
اس بات کی گواہی دے رہی ہے۔ نجمی کمرے میں ٹہلنے لگے۔ گھڑی انکے ہاتھ میں
تھی بار بار اس کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتے تھے۔ اُن کے چہرے پر خون دوڑ رہا تھا۔ کئی
منٹ تک وہ گھڑی کو ہاتھ میں لیے ٹہلتے رہے پھر کرسی پر آکر بیٹھ گئے۔ اس وقت اُن
کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ انھوں نے کہا میں کیسے یقین کر لوں تم یوسف ہو شاید یہ گھڑی
تمھیں یوسف نے دیدی ہو۔" عورت نے کہا جو کچھ آپ سمجھیں بیشک میں مجرم ہوں۔
دو مرتبہ پہلے آپکو دھوکا دیا۔ اب تیسری مرتبہ تو ایسی بیوقوفی ہوئی ہے کہ جو سزا آپ چاہیں
مجھکو دیں۔" رحمت اللہ اتنی دیر سے خاموش کھڑا تھا مگر اب اس کا دل نہ مانا کہنے لگا...
یوسف میاں ہوتے تو سامنے آکر بات کرتے۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے کئی گھنٹے بیٹھ کر
گئے ہیں۔" نجمی نے کہا میں خود سامنے بلانا نہیں چاہتا مگر ان کے صحیح حالات معلوم کرنے کیلئے
میری طبیعت بےچین ہے۔ دو مرتبہ اپنے ہوش و حواس کی حالت میں یوسف کو دیکھ
چکا ہوں میں کیسے مان لوں کہ یوسف لڑکا نہیں تھا۔ ممکن ہے تم یوسف کی بہن ہو اور یہ گھڑی
تم کو تمھارے بھائی نے دی ہو یا پھر یہ ہو سکتا ہے۔ کہ یوسف اس وقت عورت بنا ہو مجھے
دھوکا دینے آیا ہو۔ سچ سچ بتاؤ دونوں باتوں میں سے کونسی بات ٹھیک ہے۔"
عورت نے جواب دیا۔ "میں کبھی آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔ میں خود ہی یوسف

ہوں - مگر ڈرٹا نہیں ہوں - آپ سے بہت شرمندہ ہوں پہلے دو مرتبہ آپ نے مجھے لڑکا بنا ہوا دیکھا تھا۔" نجمی پھر کرسی سے کھڑے ہو کر ٹہلنے لگے - اُن کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا - مگر دریائے حیرت میں غرق تھے - رحمت اللہ نے کہا "صاحب یہ تو کچھ جادو کا پھیر ہے۔" نجمی نے کہا "یوسف اگر تمھارے اوپر کوئی مصیبت پڑی تھی - تو تم کو میرے پاس آجانا چاہیئے تھا - کیوں اِدھر اُدھر مارے مارے پھرے۔" یوسف نے جواب دیا - دو تین روز ہوئے میں نے اپنی بڑی بی کو آپ کے پاس بھیجا تھا مگر نہ معلوم وہ کہاں ... غائب ہو گئیں -" نجمی نے کہا "مجھے بہت افسوس ہوا میں یہاں موجود نہیں تھا باہر گیا ہوا تھا - ابھی نوکروں سے دریافت کرتا ہوں -

رحمت اللہ نے اُسی وقت نوکروں سے جا کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ ایک برقعہ پوش عورت دو روز سے برابر آ رہی ہے - اور آج بھی آنے کو کہہ گئی ہے - نجمی نے کہا یوسف یہ کیا معمہ ہے - یوسف نے جواب دیا میں نے اپنی مصیبت سے تنگ آکر اس عورت کو آپکے پاس بھیجا تھا تاکہ آپ میری کچھ مدد کریں - لیکن جب اس کے واپس جانے میں دیر لگی اور میں بالکل خطرہ میں پڑ گئی تو خدا کے بھروسہ پر وہاں سے نکل کھڑی ہوئی -

نجمی نے کہا تم اپنی داستان تو بتاؤ میں بہت پریشان ہوں - یوسف نے کہا "ذرا بڑی بی آجائیں تو اس مکان سے میرا کپڑوں کا بکس منگوا دیجئے اسوقت میری ... حالت آپکے سامنے آنے کے لائق نہیں ہے - نجمی نے کہا خیر میں آج اپنا دورہ پر جانا ملتوی کرتا ہوں رات کو اطمینان سے تمہارا قصہ سنوں گا۔"

دو گھنٹہ کے بعد وہ برقعہ پوش عورت پھر آئی - نجمی نے اُس کو بلا کر دیکھا تو معلوم ہوا - کہ یہ وہی عورت ہے - جس کو پہلے دن یوسف کے مکان میں دیکھا تھا - وہ سخت متعجب تھے - کہ یہ معاملہ کیا ہے - انھوں نے رحمت اللہ کیساتھ اپنی موٹر پر اُس عورت کو یوسف کے مکان پر بھیجا تاکہ جو کچھ سامان وہ وہاں سے لانا چاہتی ہو لے آئے - نجمی کا سارا دن اسی اُدھیڑ بُن میں گزرا انھوں نے رات کا کھانا بہت جلد ہی کھا لیا تھا آٹھ بجے .. کے بعد رحمت اللہ کو بلا کر کہا بڑی بی سے کہو یوسف کو ہمارے کمرے میں لے آئیں -

رحمت اللہ نے اپنے کھونڈے دانت نکال کر کہا میاں مٹھائی کھلوائیے"۔ نجمی نے کہا کس بات کی؟ رحمت اللہ نے جواب دیا۔ آپ کے واسطے خدا نے عرش پر سے دلہن بھیجی ہے۔ آپ نے وہ کہانی نہیں سنی؟ نجمی نے کہا "اچھا جاؤ بک بک مت کرو۔ بڑی بی کو بلا لاؤ" رحمت اللہ نے پوچھا کیلی بڑی بی کو؟ نجمی نے تیوری چڑھا کر کہا "پہلے تم سے کیا کہا تھا"۔ رحمت اللہ نے کہا۔ "بہت اچھا ابھی لاتا ہوں"۔

نجمی سونے کے کمرے میں تھے۔ وہیں رحمت اللہ بڑی بی اور یوسف کو لیکر آ گیا۔ اسوقت یوسف لٹھے کا ڈھیلی مہری کا سفید پاجامہ اور سیاہ گرم کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ سر اور کندھوں پر زرد اونی شال عربی وضع سے پڑی ہوئی تھی۔ یہ لباس انکی صورت میں بہت زیب دے رہا تھا۔ نجمی نے سر سے پیر تک ایک گہری نگاہ ڈالکر کہا "واہ واہ تم نے مجھے خوب الّو بنایا۔"

یوسف کی آنکھیں ندامت سے زمین میں گڑی ہوئی تھیں۔ نجمی نے کہا۔ "بیٹھ جائیے عرب صاحب! آپ کھڑے کیوں ہیں۔ آج سلام علیک بھی نہیں ہوا۔"

یوسف ایک مجرم کی طرح گھٹنے ٹیک کر فرش پر بیٹھنے لگے۔ نجمی نے کہا دری پر کیوں بیٹھتے ہو۔ کرسی پر بیٹھو"۔ یوسف بغیر کچھ جواب دیئے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئے۔ نجمی غور سے یوسف کی صورت دیکھ رہے تھے۔ ان کا بایاں ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے تھا کہنی میز پر ٹکی ہوئی تھی۔ سیدھے ہاتھ میں سگریٹ تھا۔ جو جلتے جلتے آدھا رہ گیا تھا۔ رحمت اللہ دروازہ کے پاس کھڑا تھا۔ بڑی بی یوسف کی کرسی پکڑے خاموش... کھڑی تھیں۔ نجمی نے اپنی سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہا بڑی بی تم بھی بیٹھ جاؤ۔ کب تک کھڑی رہو گی۔ بڑھیا وہیں دری پر بیٹھ گئی۔ نجمی نے مسکرا کر یوسف سے کہا میں نے مختلف قسم کے چور اور ڈاکو دیکھے مگر تم اپنی قسم کے پہلے ڈاکو ہو جس نے سر راہ میری عقل و حواس پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ رحمت اللہ نے کہا اور میاں" نجمی نے فوراً بات کاٹ کر کہا تم یہاں کیوں کھڑے ہو باہر جا کر بیٹھو"۔ یوسف بدستور نیچی آنکھیں کئے بیٹھے رہے۔ نجمی نے کہا اس میں کوئی شک نہیں کہ تم ہی یوسف

ہو مگر اپنے لڑکی ہونے کا قصہ مجھے سناؤ۔ تمام دن میں اسی اُلجھن میں رہا ہوں۔ یوسف کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انھوں نے نجمی کی طرف ایک مجبور نظر سے دیکھ کر پھر آنکھیں نیچی کر لیں۔ نجمی کا چہرہ تمتما اُٹھا۔ اُنھوں نے کہا "اگر کوئی بات مجھ سے چھپانا چاہتے ہو۔ تو جانے دو میں تمھیں مجبور نہیں کرتا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے" یوسف نے کہا کوئی بات ایسی نہیں ہے۔ جو آپ سے چھپائی جائے۔ نجمی نے کہا پھر کیا تامل ہے؟ یوسف نے کہا تامل تو کچھ نہیں ہے۔" نجمی نے کہا پھر بتاؤ کیا قصہ ہے۔ شروع سے بیان کرو۔ یوسف نے کہا شروع کا حال تو آپ کو معلوم ہی ہے۔" نجمی نے کہا۔ "تم اپنی والدہ کے انتقال کے بعد کا حال بتاؤ۔ لیکن یہ کیا معمہ ہے۔ کہ جب پہلی مرتبہ موٹر کے ایکسیڈنٹ کے وقت میں نے تمھیں دیکھا تھا اس وقت بھی تم یوسف ہی بنے ہوئے تھے۔ یوسف نے کہا جی ہاں میں نے شروع سے یہ لباس پہنا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ والدہ بالکل تنہا رہتی تھیں گھر پر کوئی مرد نہیں تھا۔ اُنہوں نے میرے متعلق یہی مشہور کر رکھا تھا۔ کہ یہ لڑکا ہے۔ موضع جمالپورہ میں ہر شخص مجھے لڑکا ہی سمجھتا تھا۔" نجمی نے پوچھا تمھاری والدہ جمالپورہ میں کتنے عرصے سے رہتی تھیں؟

یوسف نے جواب دیا چار سال سے۔" نجمی نے کہا اچھا تو اُن کے انتقال کے بعد اس قدر جلدی کیوں چلے گئے۔ اور کہاں چلے گئے؟ یوسف نے کہا۔ "پچھلی مرتبہ رات کو جب میں آیا تھا۔ تو آپ سے عرض کیا تھا۔" نجمی نے کہا تم نے یہ کہا تھا کہ اپنی خالہ کے ہاں چلے گئے۔ اور تمھاری ایک بہن بھی ہے۔ یوسف نے مسکرا کر کہا جی ہاں اُس کی میں معافی چاہتا ہوں۔ بہن کا نام میں نے اس وجہ سے لیا تھا۔ کہ شاید آپ کو کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہو کہ اُستانی کی لڑکی بھی ہے۔ کیونکہ اسکول میں سب جانتے تھے۔ کہ میں لڑکی ہوں۔" نجمی نے ہنس کر کہا۔ تم خود تو بہت عقلمند اور دُور اندیش ہو مگر مجھے خوب پاگل بنایا۔ خصوصاً اپنی بہن والے معاملہ میں تو بڑا ہی دھوکا دیا۔ شاید وہ تصویر بھی تمہاری ہی تھی۔" یوسف نے آنکھیں نیچی کر کے دبی ہوئی مُسکراہٹ سے کہا میری اس غلط بیانی کو معاف کر دیجئے۔" نجمی نے کہا اب تو مُعاف ہی کرنا پڑیگا۔ اور کیا ہو سکتا ہے۔ خیر آگے کا قصہ بتاؤ۔ تم اپنی خالہ کے

ہاں سے کیوں چلے آئے؟ یوسف نے کہا۔ "وہاں تو مجھے اصلی صورت سے رہنا پڑتا تھا۔ اِن لوگوں نے میری مرضی کے خلاف مجھے مجبور کرنا چاہا جیسے اور وہاں بہت سختی کی جا رہی تھی۔" نجمی نے کہا وہ لوگ تمہاری کہیں شادی کرنا چاہتے ہونگے۔ یوسف نے دبی زبان سے کہا جی۔" نجمی نے کہا پھر تم نے کیوں نہیں منظور کیا؟ یوسف نے کوئی... جواب نہیں دیا۔ نجمی نے پھر پوچھا کیا لڑکا تمھیں پسند نہیں تھا۔؟ یوسف نے کہا۔ "لڑکے کے متعلق مجھے کچھ خبر نہیں۔ بڑی بی کو معلوم ہے۔" بڑی بی نے کہا "وہ صاحب لڑکا نہیں تھا۔" نجمی نے ہنس کر کہا کیا لڑکی تھی؟ بڑی بی نے کہا ایک بڈھے سے ان کی شادی ٹھہرائی جا رہی تھی۔ میں نے ان کو بچپن سے پالا ہے۔ اس لئے وہاں سے لیکر نکل آئی۔ نجمی نے کہا تم نے بہت اچھا کیا ہم تم کو انعام دیں گے مگر ذرا خاموش رہو آگے کا قصہ ہم یوسف ہی کی زبان سے سننا چاہتے ہیں۔ ہاں یوسف تم خاموش کیوں ہو گئے۔ خالہ کے ہاں سے نکل کر کہاں گئے؟ یوسف نے کہا بڑی بی اپنے کسی ملنے والے کے ہاں لے گئی تھیں وہاں تو میرے اوپر ایسی مصیبت پڑی کہ بیان نہیں کیا جا سکتا یوسف کچھ خاموش ہو گئے۔"

نجمی نے کہا تم رک رک کر کیوں کہہ رہے ہو؟ صاف بات بتا دو۔" یوسف نے کہا کیا بتاؤں آپ میری طرف سے نہ معلوم کیا خیال کریں گے۔ وہاں بھی یہی قصہ پیش آیا۔ بڑی بی جس شخص کے ہاں لے گئی تھیں، اس کو اپنا بہت ہمدرد سمجھتی تھیں۔ لیکن وہ بڑا لالچی اور دغاباز نکلا۔ سب چیزوں پر اپنا قبضہ کر لیا اور مجھے کلکتہ لے کر جانیوالا تھا۔ اس کا لڑکا کمبخت بہت بدمعاش تھا۔ اس نے بھی وہی ارادہ ظاہر کیا جس کی وجہ سے مجھے خالہ کا گھر چھوڑنا پڑا۔ نجمی نے پوچھا۔ "یعنی تمہارے ساتھ شادی کرنا؟ یوسف نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ "جی ہاں" نجمی نے مسکرا کر کہا آئندہ احتیاط رکھی جائیگی۔" پھر کیا ہوا یوسف نے کہا وہ شخص پولیس میں نوکر ہے۔" نجمی نے کہا۔ "باپ یا بیٹا؟ یوسف نے کہا۔ "بیٹا" نجمی نے کہا آگے کیا ہوا؟ یوسف نے کہا کہیں ڈاکہ پڑ گیا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ نوکری پر گیا ہوا تھا۔ میں نے

یہ موقع غنیمت جان کر بڑی بی سے کہا تم اس بڈھے سے کہو جمالپور والے مکان میں کچھ قیمتی زیور ایک جگہ زمین میں دفن ہیں کلکتہ جانے سے پہلے وہ چیزیں کسی طرح وہاں سے نکال لی جائیں۔ بڈھا لالچ میں آگیا اور بڑی بی کو وہاں بھیجنے پر راضی ہوگیا میں نے یہ بہانا صرف آپ کے پاس بڑی بی کو بھیجنے کے لئے کیا تھا۔ مگر بدقسمتی سے آپ یہاں پر موجود نہ تھے۔ بڑی بی یہاں سے واپس نہیں گئیں اور مجھے معلوم ہوا کہ وہ کانسٹبل کل آجائیگا۔ میری جان نکل گئی۔ دروازے پر ایک چوکیدار تمام رات پہرہ دیتا تھا میں کسی کو جانتی نہیں تھی نہ راستہ ہی کی خبر تھی کل کی رات مجھے سولی سے زیادہ تھی تمام رات جاگتی رہی آخر سوچتے سوچتے میں نے خیال کیا۔ کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو۔ یہاں سے بھاگنا چاہیئے چار بجے کے قریب جب چوکیدار خاموش ہوگیا۔ تو میں کوٹھڑی کے باہر نکلی اور ایک چارپائی دیوار سے لگاکر کھڑکی کی اس کے اوپر چڑھ کر میں پیچھے پچھواڑے کی طرف کود گئی وہاں ایک دودھ والی رہتی تھی وہ روزانہ گھر میں آیا کرتی تھی میں نے اُسے جگاکر اُس کے آگے ہاتھ جوڑے خدا کے واسطے جب تک بڑی بی آئیں مجھے اپنے گھر میں چھپالو۔" مگر وہ راضی نہ ہوئی اور کہنے لگی کہ میں ابھی غل مچاتی ہوں۔ تم یہاں سے چلی جاؤ۔ میرے پاس کچھ روپے تھے۔ میں نے اس بڑھیا کو دکھاکر کہا کہ مجھے ایک دن کے لئے رکھ لے۔ میں یہ روپے تجھے دونگی۔ اُس نے کہا یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔ البتہ روپیہ کے لالچ میں وہ سڑک تک پہنچا گئی اور یہ بھی کہہ گئی کہ یہ سڑک سیدھی کانپور جاتی ہے۔ سڑک پر پہنچ کر میں نے ... بے تحاشا دوڑنا شروع کیا آگے کا حال آپ کو معلوم ہی ہے۔"

نجمی ٹکٹکی باندھے یوسف کی صورت دیکھ رہے تھے یوسف گردن جھکائے کبھی اپنی انگلی کی انگوٹھی کو اُتارتے تھے۔ کبھی پہنتے تھے۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی نجمی نے ایک دباہوا لمبا سانس لے کر کہا۔ "اگر بجائے میرے کسی اور شخص کی موٹر یہاں سے گزرتی تو تم اس وقت کہاں ہوتے۔" یوسف نے کہا اس کا نہ پوچھئے وہ تو میں نے طے کر رکھا تھا۔ نجمی نے کہا۔ "میں تمھارا مطلب نہیں سمجھا۔" یوسف نے کہا میرے پاس دالدہ

کی ایک انگوٹھی ہے وہ ہمیشہ میری انگلی میں رہتی ہے۔ اس میں ہیرا جڑا ہوا ہے۔ بس یہی میرا محافظ تھا۔" نجمی نے ہیرا تمھاری حفاظت کس طرح کرتا؟ وہ تو اور خطرناک ثابت ہوتا۔" یوسف نے کہا میں اس کو پیس کر کھا لیتی۔ سنا ہے ہیرا زہر کا اثر رکھتا ہے۔ نجمی نے کہا یہ کہو کہ خودکشی کا ارادہ تھا.... اچھا لاؤ وہ انگوٹھی اب مجھے دیدو "یہاں اسکی ضرورت نہیں ہے۔ یوسف نے کہا۔" کیا خبر نقدیر کہاں لیجائے میں بہت بدقسمت ہوں۔ نجمی نے مسکرا کر کہا یہاں سے بھی بھاگنے کا ارادہ ہے؟ یوسف نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا میرا ستارہ گردش میں ہے۔ نہ معلوم آئندہ کیا واقعات پیش آئیں۔" نجمی نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا۔ "تم گھبراؤ نہیں۔ یہاں تم اپنی مرضی کے مختار ہو کسی قسم کا جبر تمھارے اوپر نہیں کیا جائیگا۔" یوسف نے کہا۔" آپ سے تو مجھے یہی امید ہے۔ مگر زمانہ میرے خلاف ہے۔" نجمی نے کہا اس کی کوئی فکر مت کرو۔ زیادہ دوراندیشی اچھی نہیں ہوتی۔" یوسف نے کہا اگر میں احتیاطاً وہ انگوٹھی اپنے پاس رہنے دوں تو کیا ہرج ہے۔" نجمی نے کہا معلوم ہوتا ہے۔ تم اپنی انگوٹھی مجھے دینا نہیں چاہتے میری طرف سے بھی بدگمانی ہے؟ یوسف نے انگوٹھی اپنی انگلی میں سے اُتار کر نجمی کے پیروں کے پاس ڈالتے ہوئے کہا اب آپ کو میری... حفاظت کرنی پڑے گی۔" نجمی نے انگوٹھی اُٹھا کر اپنی انگلی میں پہن لی اور کہا یہ ہیرا تو تمھارا قاتل تھا میں ایسی حفاظت نہیں کر سکتا یوسف نے کہا آپ کو اختیار ہے ایتو میں نے انگوٹھی دیدی۔" نجمی نے کہا تم بالکل مطمئن رہو میں ہر طرح حاضر ہوں۔ زبان سے قلم سے جس طرح چاہو اقرار کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن یہ انگوٹھی اب تمھیں نہیں ملے گی۔ اگر کہو دوسری منگوا دوں۔

یوسف نے کہا۔" مجھے انگوٹھی کی ضرورت نہیں ہے۔ میری تو صرف یہ التجا ہے۔ کہ آپ مجھے کسی محفوظ جگہ پہنچا دیں جہاں میں اپنی زندگی کے دن اطمینان سے گزار دوں۔

نجمی نے مسکرا کر کہا ہمیشہ کے لئے یا عارضی طریقہ سے۔" یوسف نے کہا

میں تو ہمیشہ ہی کے لئے چاہتی ہوں اگر ایسا نہ ہو سکے تو کچھ دن کے واسطے انتظام کر دیجئے۔"
نجمی نے کہا گھبراؤ نہیں ہمیشہ کے واسطے بھی ہو جائیگا۔ لیکن فی الحال عارضی انتظام کر دونگا۔
آج میں نے تمھاری وجہ سے اپنا دورہ پر جانا ملتوی کر دیا۔ لیکن کل جانا ضروری ہے۔
وہاں سے واپس آکر میں تمھیں اپنی والدہ کے پاس پہنچا دوں گا۔ وہاں تم اپنے گھر کی طرح
رہو گے۔ لیکن ایک بات ہے۔ یوسف بن کر وہاں نہیں رہ سکتے وہ تو میرے ہی ہاں ...
مناسب ہے۔" یوسف نے جواب دیا۔ مجھے سب منظور ہے۔ میں بڑی خوشی سے آپ کی
والدہ کے پاس رہونگی۔" نجمی نے کہا۔ "میں چاہتا تھا۔ جب تک میں دورے پر رہوں تمھیں
اپنے دوست ظفر احمد کی میم صاحبہ کے پاس پہنچا دوں وہ تم سے مل کر بہت خوش ہونگی۔
اب تک ایسی ہندوستانی لڑکی نہیں دیکھی ہو گی۔ یوسف نے کچھ سوچ کر کہا۔" اگر میں آپ
ہی کی کوٹھی میں رہوں تو کیا ہرج ہے۔ نجمی نے کہا۔" کچھ ہرج نہیں بڑی خوشی سے رہو میں
نے تو اس وجہ سے کہا تھا کہ تنہائی میں تمھارا دل گھبرائیگا میں رحمت اللہ کو یہاں چھوڑ جاؤنگا۔
وہ بھی دورہ پر جانا نہیں چاہتا۔ ایک باورچی یہاں رہتا ہے۔ کوئی ڈر کی بات نہیں ہے۔
میں بھی آتا رہونگا۔" یوسف نے کہا مہربانی فرما کر آپ اپنے کسی دوست سے میرا ذکر نہ کیجئیگا۔
نجمی نے کہا اب مجھے خود اس بات کا خیال ہے ہاں ایک بات تو پوچھنا ہی بھول گیا۔ اس
روز رات کو تم میرے ہاں کس طرح آ گئے تھے؟ یوسف نے کچھ سوچ کر کہا وہ
عجیب اتفاق تھا خالہ بیمار ہو کر لکھنؤ علاج کے لئے جا رہی تھیں۔ میں نے اِن سے کہا
تھوڑی دیر کے واسطے یہاں اسٹیشن پر ٹھہر جائیں مجھے اپنے مکان میں سے کچھ لینا ہے۔
وہ راضی ہو گئیں۔ انکو ویٹنگ روم میں چھوڑ کر میں آپ کے پاس آئی تھی۔" نجمی نے کہا تم
نے بڑی غلطی کی۔ اسی وقت مجھے تمام حال بتا دیتے۔"

یوسف نے کہا۔" جی ہاں غلطی تو بہت ہوئی۔ میں اسی ارادہ سے آئی تھی مگر اپنا
حال بتاتے ہوئے شرم آئی۔ میں نے سوچا پہلے آپ کو خط لکھ کر تمام کیفیت بتاؤں اس کے
بعد جو آپ کی رائے ہو اس پر عمل کروں۔ یہ خبر نہیں تھی ایسی ذلت سے آپ کو ملوں گی۔"
یوسف کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔ نجمی نے کہا تم واقعی لڑکیوں کی طرح رونے لگتے ہو

ذلّت کی کیا بات ہے۔ ہم تو تمھیں ایک پاک روح سمجھ کر بڑی عزّت اور ادب کے ساتھ لائے ہیں۔" یوسف نے آنکھ پونچھتے ہوئے کہا آپ کی اِس مہربانی کا شکریہ کسی طرح ادا نہیں کر سکتی۔"

نجمی نے کہا اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہاں تمہارا وہ بکس میں لے آیا تھا۔ مگر یہاں کوئی محفوظ جگہ نہیں تھی اِس وجہ سے میں نے ظفر احمد کے ہاں رکھوا دیا ہے۔ اگر ضرورت ہو تو منگوا دوں۔" یوسف نے جواب دیا۔ "ابھی آپ وہیں رہنے دیجئے کوئی ضروری چیز اس میں نہیں ہے میرے کپڑے ہیں۔ نجمی نے کہا اِس روز تو تم نے کہا تھا کہ بہن کا زیور ہوگا۔" یوسف نے کہا اُس وقت اور کوئی بات بنائی نہیں آئی میں نے آپ سے بکس کا کہدیا۔" نجمی نے کہا۔" میں خود تمھارے مکان میں گیا تھا تم لوگوں نے جلدی میں ہر چیز ایسی طرح چھوڑ دی تھی۔ میں نے سب سامان بند کرا دیا تھا۔ تمھارے باغ کو دیکھ کر بہت افسوس ہوا بالکل خشک پڑا تھا۔" یوسف نے ٹھنڈا سانس لیکر کہا۔" میں نے بہت شوق سے لگایا تھا۔" نجمی نے ہنس کر کہا معاف کرنا ایک چیز تمھارے ہاں سے چرا لایا تھا۔" یوسف نے کچھ سوچ کر کہا۔" وہاں کونسی ایسی چیز تھی جو آپ کو پسند آ گئی" نجمی نے کہا وہاں کی تو ہر چیز ہی اچھی تھی مگر وہ تو ایک نایاب چیز ہے جس کا دُنیا میں وجود ہی نہیں۔" یوسف نے کہا وُہ کونسی چیز ہے؟ نجمی نے ہنس کر کہا۔" تمھاری بہن کی تصویر۔" یوسف نے دبی زبان سے کہا۔" اب اس کو پھاڑ دیجئے۔" نجمی نے کہا۔" واہ میں نے تو اس کو سنہری فریم میں لگا کر رکھا ہے۔ اور اب تو وُہ عجائب خانہ میں پہنچنے کے لائق ہوگی۔ ایسا جانور بڑے خوش قسمت کو ملتا ہے۔ یوسف کے چہرے پر سُرخی آگئی۔ اُنھوں نے مُسکرا کر نجمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" اسوقت ایسی پریشانی تھی کہ اِس تصویر کو اُٹھانے کا خیال ہی نہیں رہا۔" نجمی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اچھا خدا حافظ اب جا کر آرام کرو کل رات تم نے بہت تکلیف اُٹھائی ہے۔ اب صبح مجھ سے ملاقات نہ ہو سکیگی۔ میں بہت سویرے چلا جاؤں گا۔ تمھارے لئے سب انتظام کر دوں گا۔ دیکھو بڑی بی اپنا گھر سمجھ کر رہنا جس چیز کی ضرورت ہو رحمت اللہ سے کہدیا کرنا۔ بڑی بی بی سلام کر کے یوسف کو ساتھ لیکر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

نجمی نے اپنا اٹیچی کیس کھول کر وہ تصویر نکالی بڑی دیر تک اس کو غور سے دیکھتے رہے پھر اسی طرح اُس کو بند کر دیا اور اپنے بستر پر لیٹ گئے"۔

سترھواں باب

نجم الزماں اپنا دورہ ختم کر کے واپس آ گئے ہیں۔ یوسف بدستور انکی کوٹھی میں مقیم ہیں۔ نجمی کو اب یہ فکر تھی کہ جلد سے جلد یوسف کو اپنی والدہ کے پاس پہنچا دیں۔ مگر آج کل اُن کے پاس سرکاری کام ذرا زیادہ تھا۔ اسوجہ سے دیر ہو رہی تھی۔ نجمی مصلحتاً... یوسف کے پاس ذرا کم جاتے تھے۔

اس وقت شام کے سات بجے ہوں گے۔ نجمی اپنے کمرے میں کتاب ہاتھ میں لئے بیٹھے تھے۔ رحمت اللہ نے ایک کاغذ کا پرچہ لا کر دیا۔ نجمی نے پڑھکر آپ ہی آپ کہا۔ "یہ ایس۔ جے۔ مائیکل کون صاحب ہیں میں تو نہیں جانتا" رحمت اللہ نے کہا۔ "وہ حضور دو صاحب ہیں۔ ایک کالے ایک ذرا گورے" نجمی نے کہا۔ "تم نے ٹال دیا ہوتا۔ میں اسوقت کسی سے ملنا نہیں چاہتا۔" رحمت اللہ نے کہا۔ "میاں میں نے تو بہت چاہا۔ مگر وہ ایسے چپچڑ ہیں کہ بیٹھ ہی گئے کہتے ہیں۔ ہم لوگ بڑی دور سے آئے ہیں۔ صاحب سے بڑا ضروری کام ہے۔" نجمی نے پوچھا کیا موٹر پر آئے ہیں۔؟

رحمت اللہ نے کہا۔ "نہیں حضور تانگے پر آئے ہیں۔ کوئی تھرڈ کلاس صاحب معلوم ہوتے ہیں۔" نجمی نے کہا۔ "خیر گول کمرہ کھلواؤ۔"

رحمت اللہ نے دونوں اجنبی آدمیوں کو ملاقاتی کمرے میں بٹھایا۔ تھوڑی دیر کے بعد نجمی بھی آ گئے۔ یہ لوگ کھڑے ہو گئے۔ ایک ذرا اُجلے رنگ کے بڑی بڑی مونچھوں کے تھے۔ دوسرے سانولے رنگ کے بغیر داڑھی مونچھ کے دونوں جوان تھے سانولے رنگ والے نے آگے بڑھکر نجمی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "معاف کیجئے گا۔ ہم لوگوں نے آپ کو اس وقت بہت تکلیف دی۔" نجمی نے گون پر بیٹھے

ہوئے کہا تشریف رکھئے تکلیف کی کوئی بات نہیں۔ اسی شخص نے کہا میرا نام مائیکل ہے۔ میں لکھنؤ سے آپ کے پاس ایک ضروری کام سے آیا ہوں ذرا سی آپکی مدد کی ضرورت ہے۔" نجمی نے کہا فرمائیے۔" مسٹر مائیکل نے کہا یہاں سے کچھ فاصلہ پر موضع جمال پور ہے۔" نجمی نے کہا۔" جی ہاں ہے تو؟" مسٹر مائیکل نے کہا وہاں ایک استانی رہتی تھیں آپ کو اُن کا کچھ حال معلوم ہے۔ نجمی نے کہا۔" جی ہاں عرصہ ہوا انتقال ہوگیا۔" مسٹر مائیکل نے کہا استانی صاحبہ کی ایک لڑکی تھی۔ کیا آپ کو کچھ اس کا حال معلوم ہے۔ نجمی نے کہا۔" جی نہیں مجھے لڑکی کا کچھ حال معلوم نہیں البتہ ایک مرتبہ اُن کا لڑکا میرے پاس آیا تھا۔

مسٹر مائیکل نے کہا لڑکا تو شاید اُن کے کوئی نہیں تھا۔ آپ نے کسی اور لڑکے کو دیکھا ہوگا۔ نجمی نے کہا شاید کوئی اور ہی ہوگا۔ مگر اُس نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ وہ انہیں کا لڑکا ہے۔" مسٹر مائیکل نے اپنے ساتھی کو دیکھ کر کہا۔" کوئی لڑکا بھی تھا؟ نجمی ان دونوں کی حرکتوں کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ مائیکل کے ساتھی نے کہا ہاں میرے پاس ایک لڑکا ہی آیا تھا۔"

مسٹر مائیکل نے کہا لڑکے سے تو ہمیں کام نہیں اُن کی لڑکی کا حال معلوم کرنا چاہتے تھے وہ ہماری رشتہ دار ہے۔" مسٹر مائیکل کے ساتھی نے کہا ہٹیں اگر لڑکے کا پتہ چل جائیگا تو لڑکی کا بھی حال معلوم ہو سکتا ہے۔" نجمی نے تعجب سے پوچھا لڑکے سے کوئی رشتہ نہیں ہے؟ مسٹر مائیکل نے کہا اصل میں وہ لڑکی استانی کی نہیں تھی بلکہ ہماری خالہ کی تھی جس وقت ان کا انتقال ہوا تھا۔ انھوں نے انھوں نے اپنی لڑکی کو استانی کے سپرد کر دیا تھا اور اُن سے کہدیا تھا کہ جب کوئی اُس... کا رشتہ دار آجائے اس لڑکی کو اُس کے حوالے کر دیا جائے۔" نجمی نے کہا استانی مرتے وقت کسی اور کے سپرد کر دیا ہوگا۔" مسٹر مائیکل نے کہا۔ جی ہاں کہا تو تھا لیکن وہ لڑکی ہمیں وہاں بھی نہیں ملی۔"

نجمی نے کہا پھر میرے پاس اس کا کیا علاج ہے، آپ نے وہیں تحقیق کی ہوتی۔"

مسٹر مائیکل نے کہا ہم لوگ اسی خیال سے جمال پور آئے تھے کہ شاید وہ لڑکی اُستانی کے گھر پر آگئی ہو۔ لیکن یہاں آکر معلوم ہوا وہاں آپ کی طرف سے چوکیدار مقرر ہے۔ اس وجہ سے خیال ہوا کہ شاید آپ کو کچھ حال معلوم ہو۔" نجمی نے کہا۔ وہ اُستانی کے انتقال کے بعد ان کا لڑکا میرے پاس آیا تھا۔ اُس نے اپنے مکان کی حفاظت کے متعلق مجھ سے کہا تھا میں نے ایک چوکیدار مقرر کر دیا۔" مسٹر مائیکل نے پوچھا اُس لڑکے کو آپ کے پاس آئے کتنا عرصہ ہوا؟ نجمی نے جواب دیا پانچ چھ مہینے ہوئے ہوں گے۔" مسٹر مائیکل نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر کہا۔" یہ تو پہلے کا ذکر معلوم ہوتا ہے۔" نجمی نے پوچھا کیا آپ کے ساتھی کو آپ سے زیادہ واقعات معلوم ہیں۔" مسٹر مائیکل نے اپنے سفید سفید دانت نکال کر ہنستے ہوئے جوابدیا جی ہاں انھیں کے ذریعہ سے مجھے سب حالات معلوم ہوئے ہیں۔" نجمی نے پوچھا جب آپ کی خالہ کا انتقال ہوا تھا تو آپ لوگ کہاں تھے؟

مسٹر مائیکل نے کہا ہم لوگ رنگون میں تھے۔ خالہ کا اچانک انتقال ہو گیا۔ ان کی بیماری کا حال ہمیں نہیں معلوم ہو سکا۔ اب ہم لوگ واپس آئے تو اس لڑکی کو تلاش کیا۔" نجمی نے پوچھا آپ کی خالہ کے انتقال کو کتنا عرصہ گذرا؟ مسٹر مائیکل نے کہا کوئی چھ سات سال پورے ہو گئے۔" نجمی نے کہا۔" اتنی مدّت کے بعد آپ لڑکی کو ڈھونڈھنے نکلے۔" مسٹر مائیکل نے کہا۔" یہ ہم کو معلوم ہو گیا تھا کہ لڑکی اُستانی کے پاس آرام سے ہے۔ اس وجہ سے کوئی نہیں آیا اتنی دور سے ذرا آنا مشکل تھا۔"

نجمی نے کہا آپ کی خالہ کس شہر میں رہتی تھیں؟ مسٹر مائیکل نے کہا وہ مسوری میں رہتی تھیں۔ نجمی نے پوچھا آپ لوگ تو عیسائی ہیں نا؟ مسٹر مائیکل نے ہنس کر کہا "جی ہاں"۔ نجمی نے پوچھا اور یہ آپ کے ساتھی؟ مائیکل نے کہا یہ مسلمان ہیں لکھنؤ سے میرے ساتھ آئے ہیں۔ انھیں اُستانی کے مکان کا پتہ معلوم تھا۔" مائیکل کے ساتھی نے پوچھا" وہ اُستانی کا لڑکا آج کل کہاں ہے۔ آپ کو اس کا کچھ حال معلوم ہے۔؟

نجمی نے کہا وہ لکھنؤ میں پڑھتا ہے۔ وہ غالباً آپ کا رشتہ دار ہو گا۔"

اس فقرے پر دونوں آدمی کچھ کھسیانی ہنسی ہنسنے لگے۔ مائیکل نے پوچھا اس لڑکے کا پتہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا۔ نجمی نے کہا۔ "جی نہیں اس نے مجھے اپنا پتہ نہیں بتایا تھا۔"
مائیکل نے کہا۔ "کیا مہربانی فرما کر آپ اتنا بتا سکتے ہیں۔ کہ وہ یہاں کب آئیگا۔ نجمی نے کہا گرمی کی تعطیل میں آنے کو کہہ گیا تھا۔" مائیکل نے پوچھا۔ "اس کا نام کیا تھا؟ نجمی نے کہا۔ "یوسف" مائیکل نے کہا کیا ایسا ممکن ہے کہ ہم لوگ اُستانی کے مکان میں جاکر اُن کا سامان دیکھکر کچھ پتہ ونشان معلوم کرسکیں۔" نجمی نے کہا میں مجبور ہوں یوسف کی عدم موجودگی میں ایسا نہیں کرسکتا۔ آپ اپنا پتہ مجھے دیجائیے۔ جب وہ لڑکا آئیگا تو میں اس کو آپ کا پتہ دے دونگا۔" مسٹر مائیکل نے کہا فی الحال ہم پھر لکھنؤ جاکر یوسف کو ڈھونڈتے ہیں آپ اس کا حلیہ بتا دیجئے۔" نجمی نے کہا ہو بہو آپ ہی کی شکل ہے۔ کوئی بیس یا بائیس سال کی عمر ہوگی۔ ڈاڑھی مونچھ منڈاتے ہیں۔ ہاں ایک بات آپ سے . . . دریافت کرنا چاہتا ہوں یوسف سے پوچھنا بھول گیا تھا۔ جمال پور والی اُستانی کا نام کیا تھا؟ مائیکل کے ساتھی نے جلدی سے کہا اُن کا نام شہر بانو تھا۔ مسٹر مائیکل نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ آپ کو اس وقت میں نے بہت تکلیف دی بہت بہت شکریہ۔" نجمی نے کہا۔ "مجھے بہت افسوس ہے۔ کہ آپ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے اگر لڑکی ملجائے تو مجھے ضرور اطلاع کیجئے۔" مائیکل نے کہا ضرور آپ کو خبر دونگا۔
دونوں آدمی تانگہ میں بیٹھکر روانہ ہوگئے۔ نجمی تھوڑی دیر تک کمرے میں خاموش بیٹھے رہے۔ رحمت اللہ نے آکر کہا میاں کھانے کا وقت ہوگیا ہے۔" نجمی نے کہا۔ "تم چل کر یوسف کا کمرہ کھلواؤ اور کھانا بھی وہیں لیکر آؤ۔" نجمی کسی گہری سوچ میں آہستہ آہستہ یوسف کے کمرے میں آئے اسوقت یوسف رات کے سوٹ میں تھے زرد اور سفید پھولدار کپڑے کا ڈھیلی ڈھیلی موہریوں کا پاجامہ اور اُسی کے ساتھ کی قمیص پہنے تھے۔ سیاہ جالی کی اوڑھنی جس پر سرخ اور سبز ریشم کے بڑے بڑے پھول کڑھے ہوئے تھے۔ کندھوں پر پڑی ہوئی تھی۔ سر کھلا ہوا تھا۔ چھوٹے چھوٹے خمدار بال بغیر تیل کے ہوا میں اڑ رہے تھے۔ نجمی تھوڑی دیر تک حیرت

سے حسن یوسف کو دیکھتے رہے ۔ یوسف کرسی پکڑے تصویر کے عالم میں کھڑے تھے۔
بڑی بی نے نجمی سے کہا "حضور تشریف رکھئے"۔ نجمی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "یوسف
تم بھی بیٹھ جاؤ۔ آج کل میرے پاس کام بہت ہے ۔ اس وجہ سے میں تمھارے پاس...
زیادہ نہیں آسکتا ۔ تم ناراض نہ ہونا ذرا میرا کام ختم ہوجائے تو تمھیں اماں جان کے پاس
پہنچا دوں ۔ یہاں بند کمروں میں تم گھبرا گئے ہو گے"۔ یوسف نے کہا "کیا رحمت اللہ کے
ساتھ آپ مجھے نہیں بھیج سکتے؟" نجمی نے ہنس کر کہا "نہیں حضور میں خود تمھیں لیکر چلوں گا۔
معلوم ہوتا ہے ۔ بہت اکتا گئے ہو ۔ واقعی یہاں تکلیف ہو گی ۔ دو چار دن اور صبر
کر لو"۔ یوسف نے کہا "تکلیف تو مجھے بالکل نہیں ہے ۔ ایسا آرام کہیں نہ ملا تھا ۔ مگر میں
دیکھتی ہوں آپ کو میری وجہ سے تکلیف ہے ۔ دو کمرے بالکل میرے لئے وقف
ہیں ۔" نجمی نے کہا "یہ کمرے تو مہمانوں ہی کے واسطے ہیں ۔ اور تم سے بڑھکر کون مہمان
ہو سکتا ہے ۔" یوسف نے ذرا آہستہ سے کہا "ناخواندہ مہمان تو کوئی نہ ہو گا"۔
نجمی نے ہنس کر کہا "میں تو تم کو بالکل بے زبان سمجھتا تھا ۔ مگر خاصے حاضر جواب
ہو ۔ اچھا یہ تو بتاؤ ۔ تمھارا زنانہ نام کیا ہے؟" یوسف نے کہا "آپ تو میرا یہی نام لیا کیجئے۔
آپ کے منہ سے اچھا معلوم ہوتا ہے"۔ نجمی نے مسکرا کر کہا "خدا کا شکر ہے ۔ کوئی بات
تو تمھیں پسند آئی ۔ مجھے خود یہی نام اچھا معلوم ہوتا ہے ۔ مگر بتانے میں کیا حرج ہے ۔"
یوسف نے مسکرا کر کہا ۔ "زلیخا"۔ نجمی نے پوچھا "کیا واقعی تمھارا نام زلیخا ہے؟ یا مذاق
میں کہہ رہی ہو ۔" یوسف نے کہا ۔ "سچ مچ میرا نام یہی ہے"۔
نجمی نے ذرا سنجیدہ صورت بنا کر کہا ۔ "پھر تو بڑی مشکل ہوئی تمھیں یوسف...
تمھیں زلیخا کسی دوسرے کو کیا امید رکھنی چاہیئے"۔

رحمت اللہ کھانا لے کر آ گیا تھا ۔ نجمی نے اپنے ساتھ یوسف کو بھی کھانے پر بٹھایا ۔
اب انگریزی میں باتیں شروع کیں ۔ سب سے پہلے نجمی نے یوسف کی والدہ کا نام پوچھا ۔
انھوں نے شہر بانو بتایا ۔ نجمی نے کہا "آج تمھارے کچھ اور حالات معلوم ہوئے ہیں ۔
مگر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ تم نے اپنے اصلی واقعات مجھ سے پوشیدہ رکھے ہیں

کیا مصلحت سمجھی۔" یوسف نے پریشان ہوکر پوچھا کیا کسی نے میرے متعلق آپ سے کچھ کہا ہے؟ نجمی نے کہا ہاں ابھی تھوڑی دیر ہوئی مجھے تمہارا کچھ حال معلوم ہوا ہے۔"
یوسف نے پوچھا کیا ظفر صاحب نے کچھ کہا ہے؟ نجمی نے تعجب سے پوچھا۔
"کیا ظفر کو بھی تمہارا کچھ حال معلوم ہے۔ جلدی بتاؤ یہ کیا معمہ ہے۔" یوسف نے کھانے سے ہاتھ روک لیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر نجمی کی طرف دیکھنے لگے۔
نجمی نے کہا تم پریشان کیوں ہو گئے کھانا کھاؤ اطمینان سے بتا دینا۔" یوسف نے پھر پوچھا۔ "وہ کیا نواب صاحب کے ہاں کا کوئی آدمی آیا تھا؟ نجمی نے حیرت سے کہا نواب صاحب کون؟ میری سمجھ میں نہیں آتا یہ قصہ کیا ہے۔" یوسف نے کہا "میں آپ سے کس منہ سے کہوں۔ خیر اب تو آپ کو سارا حال معلوم ہی ہو گیا خدا کے واسطے نواب صاحب کو میری خبر نہ کیجئے گا۔ نجمی نے کہا تم گھبراؤ نہیں میں اب تمہیں کسی کو نہیں دے سکتا۔ مگر مجھے سچے سچے حالات اپنے بتا دو۔ آخر معاملہ کیا ہے۔
تمہارے حالات عجیب پیچیدہ معلوم ہوتے ہیں۔" یوسف نے رومال سے آنسو پونچھ کر کہا اس وقت میں آپ کو بالکل صحیح باتیں بتلائے دیتی ہوں مجھے اپنی ماں تو بالکل یاد نہیں۔ میری پھوپھی نے مجھے پالا تھا۔" نجمی نے بات کاٹ کر پوچھا۔ "وہ اُستانی شہر بانو تمہاری پھوپھی تھیں؟ یوسف نے کہا جی نہیں میری پھوپھی مس ہیلن لیڈی ڈاکٹر تھیں۔" نجمی نے کہا ٹھیک ہے۔ آگے کہو۔" یوسف نے پوچھا کیا آپ کو پہلے سے معلوم تھا۔؟ نجمی نے جواب دیا ابھی جو لوگ میرے پاس آئے تھے اُن سے معلوم ہوا تھا۔"
یوسف نے پوچھا وہ لوگ کیا کہتے تھے؟ نجمی نے کہا پہلے تم واقعات بتاؤ اس کے بعد میں کہوں گا۔" یوسف نے کہا۔ "میری عمر کوئی چھ سال کی ہوگی۔ جب مس ہیلن لندن سے ہندوستان آئی تھیں۔" نجمی نے تعجب سے کہا کیا تم ہندوستانی نہیں ہو یوسف نے جواب دیا۔ "پہلے تو نہیں تھی۔ مگر اب ہندوستانی ہی سمجھئے۔ آپ پورے حالات سُن لیجئے۔" نجمی نے کہا۔ "کچھ عجیب باتیں معلوم ہو رہی ہیں خیر آگے کہو۔"
یوسف نے کہا۔ مسوری میں جس کوٹھی میں میری پھوپھی رہتی تھیں وہ ایک نواب صاحب

کی بھتی آدھا حصہ میری پھوپھی کے پاس تھا اور آدھے حصہ میں نواب صاحب کی بیوی...
شہر بانو رہتی تھیں ۔ نجمی نے گھبرا کر پوچھا "شہر بانو کسی نواب کی بیوی تھیں"؟ یوسف
نے مسکرا کر کہا "جی ہاں"۔ نجمی نے کہا "اچھا پھر کیا ہوا"۔ یوسف نے کہا نواب صاحب
کی بیوی صرف چار پانچ مہینے کے لئے جاڑے میں لکھنؤ آتی تھیں زیادہ تر مسوری
ہی میں رہتی تھیں ۔ اس وجہ سے میری پھوپھی میں اور ان میں بہت محبت ہو گئی تھی ۔ اور مجھے
تو بیگم صاحب اسقدر چاہتی تھیں کہ ہر وقت انہیں کے پاس رہتی تھی ۔ طرح طرح کی مٹھائیاں
وہ میرے واسطے منگوا کر رکھتی تھیں ۔ اسکول سے آنے کے بعد میرا تمام وقت انہی کے پاس
گزرتا تھا وہ مجھے اُردو پڑھاتی تھیں سینا کاڑھنا سکھاتی تھیں بہت سے کھیل کے سامان
میرے لئے منگوا دئے تھے ۔ میری پھوپھی کو اپنے کام سے وقت بہت کم ملتا تھا ۔
صرف رات کو میں اُن کے پاس جا کر سو رہتی تھی ۔ بیگم صاحب میری پھوپھی کی بیٹی بن گئی تھیں
اور میں انکو آپا جان کہتی تھی ۔ نجمی نے پھر پوچھا کیا وہ کم عمر تھیں ؟ یوسف نے کہا اس
وقت ان کی عمر کوئی تیس سال کی ہوگی ۔ نجمی نے پوچھا کیا کچھ پڑھی لکھی عورت تھیں"؟
یوسف نے جواب دیا اُردو فارسی کی اچھی تعلیم تھی کچھ انگریزی بھی جانتی تھیں ۔ میری پھوپھی
کے ساتھ رہنے سے خوب اچھی انگریزی بولنے لگی تھیں ۔ نجمی نے کہا ۔ پھر کیا ہوا ؟ یوسف
نے کہا میری عمر دس سال کی تھی ۔ جب میری پھوپھی کا تین چار روز کی بیماری میں انتقال ہو گیا ۔
آپا جان وہیں موجود تھیں ۔ اُنھوں نے اسقدر محبت سے اپنے پاس رکھا کہ میں بہت
جلدی اپنی پھوپھی کو بھول گئی ۔ نجمی نے پوچھا اور تم اپنے والد کا تو کوئی ذکر ہی نہیں
کیا ۔ وہ کہاں تھے ؟ یوسف نے جواب دیا ان کو شروع سے سیاحت کا شوق تھا اسی
وجہ سے اُنھوں نے مجھے اپنی بہن کو دیدیا تھا ہمیشہ ادھر اُدھر پھرتے رہتے تھے ۔
کبھی چھ مہینے میں خط آگیا ۔ کبھی سال بھر میں ۔ نجمی نے کہا اور وہ آجکل کہاں ہیں ؟ یوسف
نے جواب دیا آپا جان کے انتقال سے چھ مہینے پہلے ان کا خط لندن سے آیا تھا ۔ نجمی
نے متحیر ہو کر کہا "تمھارے باپ زندہ ہیں ؟ یوسف نے کہا ۔ "جی ہاں"۔ نجمی نے
کہا ۔ "تمھاری پھوپھی کے انتقال کے بعد اُنھوں نے تمھیں اپنے پاس کیوں نہیں

بلایا یوسف نے جواب دیا۔ "پھوپھی کے انتقال کے بعد آپا جان نے میرے متعلق
اُن سے دریافت کیا تھا اُنھوں نے جواب دیا تھا ابھی اس کو آپ اپنے ہی پاس رکھئے
جب بڑی ہو جائیگی تو اُس کو بلواوں گا۔ یا میں خود آکر لیجاوں گا۔ آپا جان تو خود ہی یہ چاہتی
تھیں اور مجھے بھی کچھ اپنے باپ کا زیادہ خیال نہیں تھا۔ کیونکہ میں بہت چھوٹی سی الگ
ہو گئی تھی۔" نجمی نے پوچھا اچھا پھر مسوری سے شہر بانو صاحبہ جمال پور میں کیسے آگئیں ؟
یوسف نے کہا۔ "بعد میں پھر بڑے بڑے جھگڑے ہوئے پھوپھی کے انتقال کے بعد
دو سال تک تو آپا جان نے مجھے نواب صاحب سے چھپائے رکھا مگر کسی نہ کسی طرح خبر
ہو گئی۔" نجمی نے کہا نواب صاحب سے پوشیدہ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ یوسف نے
کہا ان کی عادتیں بہت خراب تھیں۔ اس وجہ سے آپا جان نہیں چاہتی تھیں کہ انھیں میرا
حال معلوم ہو جب ہی سے مجھے لڑکوں کے سے کپڑے پہنانے شروع کئے۔ نواب
صاحب سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ کبھی کسی شہر میں رہیں۔ کبھی کسی شہر میں رہیں۔ کبھی کسی
شہر میں اب دو سال سے یہاں اسکول میں نوکری کر لی تھی جس رات کو موٹر کا حادثہ ہوا ہے
اس کے دوسرے دن آپا جان بالکل بیہوش ہو گئیں بڑا مریم نے گھبرا کر ایک آدمی کو لکھنؤ آپ کے
ظفر صاحب کی خالہ کے پاس بھیجا وہ اُسی روز شام کو آگئیں۔" نجمی خاموشی سے سُن رہے تھے۔
ظفر کی خالہ کا نام سُنکر اُچھل پڑے۔

ارے کیا تم وہی لڑکی ہو۔ قسم خدا کی کہاں آکر ملی ہو۔" یوسف نے مسکرا کر کہا۔
"پہلے پورا حال تو سُن لیجئے۔" نجمی نے کہا کہو کہو میں سُن رہا ہوں۔ مگر کمال ہو گیا۔
یوسف نے کہا۔ "ظفر صاحب کی خالہ نواب بُلن کی بھاوج ہیں۔" نجمی نے پھر
بات کاٹ کر کہا۔ "کیا کہوں اسوقت سُلطانہ آپا اور انور بھائی نہیں ہیں ورنہ بڑا لطف
آتا۔ یوسف نے باتوں کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ظفر صاحب کی خالہ آپا جان
سے بہت محبت کرتی تھیں۔ رات کو جب آپا جان کا انتقال ہو گیا۔ تو خالہ جان لاش کو
لاری پر لے کر لکھنؤ روانہ ہو گئیں سوائے زیور کے صندوقچے کے باقی تمام سامان اسی طرح
مکان میں چھوڑ دیا تھا۔ مجھے چلتے چلتے آپ کا انتظار رہا۔ مگر میری بدقسمتی سے آپ کی

طبیعت خراب ہوگئی اور آپ نہ آسکے ۔ آپا جان بھی جب تک ہوشیار رہیں آپ کو پوچھتی رہیں ۔"
نجمی نے کہا ۔" کیا اچھا ہوتا کہ اُستانی جی تمھیں میرے سپرد کر دیتیں ۔ تم اتنی مصیبت میں ...
گرفتار نہ ہوتے ۔" یوسف نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اپنی باتوں کا سلسلہ جاری
رکھتے ہوئے کہا ۔ مجھے خالہ جان کے پاس گئے ایک مہینہ ہوا تھا کہ ظفر صاحب کے بھائی کی
شادی قرار پائی ۔ شادی کے دن آپ کی بہن بھی وہاں گئیں ۔ دولہا کو سب لڑکیاں دیکھ
رہی تھیں ۔ میں بھی چلمن کے قریب جا کر کھڑی ہوگئی وہاں آپ نظر آئے ۔" نجمی نے کہا ۔
سیکڑوں آدمیوں میں سے تم نے مجھے کیسے پہچان لیا ؟ (۳)
* یاد رکھا تھا ؟ یوسف نے بات ٹالتے ہوئے کہا ۔" آپ کی بہن نے ظفر صاحب کی
بہن کو آپ کا نام لیکر بتایا ۔ پھر ظفر صاحب کی والدہ نے خالہ جان سے آپ کی بہت
تعریف کی ۔ اور بتایا کہ جوائنٹ مجسٹریٹ ہیں ۔ اس وقت مجھے آپ کا نام اور پتہ معلوم
ہوا ۔ پھر آپ کی بہن نے مجھے اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور ایسی محبت کی باتیں کیں کہ میرا
دل چاہا کہ انھیں کے ساتھ چلی جاؤں ۔" نجمی نے کہا کاش تم نے ایسا کیا ہوتا ۔" یوسف
نے کہا یہ کیسے ہوسکتا تھا ۔ لیکن میں آپ سے قسم کھا کر کہتی ہوں ۔ آپ کی بہن کو دیکھ
کر زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے محبت کے صحیح معنے معلوم ہوئے ۔ اس سے پہلے کبھی
کسی عورت کو دیکھ کر میرے دل پر ایسا اثر نہیں ہوا تھا ۔ معلوم نہیں کیا وجہ تھی ۔ بے ساختہ
دل چاہتا تھا ۔ کہ ان سے اپنا سب حال کہدوں ۔"
نجمی نے کہا ۔" ہاں کوئی خاص کشش تھی وہ بھی تمھارے اوپر بے طرح فریفتہ ہوگئیں ۔
یوسف نے کہا آپ کی بہن سے تو بات کرنیکا صرف چند منٹ کا موقع ملا تھا ۔ لیکن آپ کا پتہ
معلوم ہوکر میرے دل کو تقویت ہوگئی تھی ۔ ایک مہینہ خالہ جان وہاں رہیں واپسی میں میں نے
اُن سے بہانہ کیا کہ اپنے مکان میں سے کچھ لینا ہے چند گھنٹے یہاں اٹاوہ کے اسٹیشن پر ٹھہر
جائیں ۔ خالہ جان بیچاری بڑی سیدھی سادھی عورت ہیں ۔ وہ میری باتوں میں آگئیں ۔
میں نے ویٹنگ روم میں اپنے کپڑے بدلے بڑی بی کے سر پر صافہ بندھوایا دھوتی

---

(۳) یوسف نے کہا اس دن رات کو دیکھا جو تھا ۔" نجمی نے کہا تم نے مجھے *

بند ہوائی اور اس روز رات کو آپ کے پاس آئی"۔ نجمی نے کہا۔ "تم نے نواب بنن والا قصہ نہیں بتلایا۔ سنا تھا اُن سے تمھاری شادی ٹھہر رہی تھی"۔ یوسف نے کہا "جی ہاں" "اصل قصہ تو وہی ہے۔ جب خالہ جان لکھنؤ پہنچیں تو نواب صاحب نے تمہیں بہت پریشان کیا۔ اور شادی کی تاریخ مقرر کرنے کے واسطے زور دیا مجھے بھی یہ سب باتیں بوا مریم کے ذریعہ معلوم ہوتی رہتی تھیں۔ ایک دن دوپہر کے وقت خالہ جان کی مُغلانی نے بوا مریم سے آکر کہا کہ بیگم صاحب تم لوگوں کو نواب صاحب سے چھپا کر اپنی کسی ملنے والی کے ہاں بھیج رہی ہیں وہاں سے ظفر صاحب کی والدہ کے ہاں بھجا کر شادی کریں گی۔ نجمی نے پوچھا کیا دوسری جگہ کر رہی تھیں؟ یوسف خاموش ہو گئے؟

نجمی نے دوبارہ پوچھا تم چپ کیوں ہو گئے؟ یوسف نے کہا ظفر صاحب نے کہیں اور تجویز کیا تھا۔ نجمی نے مسکرا کر کہا اس آدمی کا نام معلوم ہے۔ جس کے واسطے ظفر نے لکھا تھا۔ یوسف نے کہا معلوم تو ہے مگر بتاؤں گی نہیں"۔ نجمی نے کہا میں سمجھ گیا ظفر نے اپنی طرف سے کہدیا تھا وہ شخص راضی نہیں تھا۔ وہ تو یوسف کی بہن سے شادی کرنی چاہتا تھا۔ یوسف نے کہا خالہ جان کو اس بات کی خبر نہیں تھی۔ نجمی نے کہا پھر سیدھا ظفر ہی کے ہاں کیوں نہیں بھیجدیا۔ دوسری جگہ بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ یوسف نے کہا وہ بیچاری اپنی مغلانی اور اُس کے شوہر کے کہنے میں آ گئیں اور اسی دن رات کو موٹر سے بھیجدیا مرزا خود بھی نہیں گیا۔ اپنے لڑکے کو ساتھ کر دیا۔ وہاں پہنچکر مجھے پتہ چلا کہ یہ سب مرزا کی چالبازی تھی۔ اُس نے اپنی بہن کے ہاں ایک گاؤں میں ....

بھجوایا تھا۔ روز اُس کا لڑکا آتا تھا۔ میں اس کو دیکھکر کوٹھری میں چلی جایا کرتی تھی مگر وہ بوا مریم سے بدتمیزی کی باتیں کرتا رہتا تھا ایک دن کہنے لگا مرزا جی آجائیں تو تم لوگوں کو کلکتہ لے جائیں گے وہاں میری شادی ہوگی۔ آپ سمجھ سکتے ہیں اس خبر کو سُنکر مجھے کتنا رنج ہوا ہوگا۔

مگر وہاں میری حالت ایک قیدی کی سی تھی۔ تمام دن مرزا کا لڑکا بیٹھا رہتا تھا۔ رات کو وہ اپنی ڈیوٹی پر چلا جاتا تھا تو ایک خطرناک قسم کا چوکیدار موٹا سا لٹھ لئے دروازہ

پر بیٹھا رہتا تھا۔ مرزا کی بہن ہر وقت دیکھ بھال رکھتی تھی کوئی آٹھ روز کے بعد مرزا آیا میرا سامان اور زیور لے گیا۔ نجمی نے پوچھا زیور کس کا تھا۔ یوسف نے جواب دیا ... آپا جان کے پاس کافی زیور تھا وہ اُنھوں نے مجھے دیدیا تھا۔ نجمی نے کہا وہ زیور کیسے لے آیا؟ یوسف نے کہا مغلانی تو زیور میرے ہی ساتھ بھیج رہی تھی۔ مگر میں نے بوا مریم کو منع کر دیا تھا۔" نجمی نے پوچھا پھر مرزا نے آکر کیا کہا؟ یوسف نے جواب دیا۔ "مرزا نے اپنے بیٹے کو بہت بُرا بھلا کہا اور بوا مریم کو سمجھایا کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ....

.... غرض بہت کچھ چکنی چپڑی باتیں ہیں بوا مریم کو اس کے کہنے کا یقین آگیا مگر مجھے اس کے ایک ایک لفظ میں مکاری اور دغا بازی معلوم ہوتی تھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں آخر تدبیر میں نے یہ کی کہ بوا مریم سے کہلوایا کہ جمالپور والے مکان میں ایک ڈبہ میں کچھ جواہرات زمین میں دفن ہیں۔ مرزا نہایت لالچی آدمی ہے اس چال میں آگیا اور سب حال آپ کو معلوم ہی ہے۔"

نجمی نے کہا تعجب کی بات ہے۔ تم ایک یوروپین لڑکی ہو کر یہ مصیبتیں کیسے برداشت کرتی رہیں۔ یوسف نے کہا آپا جان کے پاس تو میری زندگی اسقدر آرام اور آزادی کے ساتھ بسر ہو رہی تھی کہ میں تکلیف اور مصیبت کا نام بھی نہیں جانتی پھر خالہ جان نے بھی مجھے آرام سے رکھا۔ نجمی نے کہا وہ تو نواب صاحب سے تمھاری شادی کر رہی تھیں کیا تمھیں منظور تھا۔ یوسف نے کہا قطعی نہیں۔" نجمی نے کہا پھر وہاں سے چلے کیوں نہیں آئے؟ یوسف نے کہا۔ میں وہاں کا رنگ دیکھ رہی تھی۔ اگر خالہ جان معاملہ طے کر لیتیں تو میں علانیہ اپنے اسی حلیہ میں نکل آتی۔ مگر بیچ میں یہ شگوفہ کھلا۔ نجمی نے افسوس کے لہجہ میں کہا میری وجہ سے تمھارے اوپر کیسی کیسی مصیبتیں پڑی ہیں کاش تم مجھے اس کی کچھ تلافی کا موقع دو۔" یوسف گردن جھکائے خاموش بیٹھے رہے۔ نجمی نے پوچھا تم نے اپنے والد کو بھی اطلاع کی؟ یوسف نے کہا آپا جان کے انتقال کی اطلاع تار سے دیدی تھی مگر ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا جنگ کی وجہ سے خط و تار ذرا دیر میں پہنچتے ہیں۔" نجمی نے پوچھا۔ "کیا تمھاری والدہ .... ہندوستانی تھیں؟ یوسف نے جوابدیا یہ آپ نے کیسے جانا۔ میرے والدین تو خاص امریکہ

کے تھے۔" نجمی نے کہا ابھی جو لوگ میرے پاس آئے تھے اُن میں ایک شخص مسٹر مائیکل تمھاری تلاش میں آئے تھے۔ یوسف نے گھبرا کر کہا میری تلاش میں؟ میں تو کسی مائیکل کو نہیں جانتی۔" نجمی نے کہا اُستانی شہر بانو کا نام بھی مجھے اُنھیں سے معلوم ہوا ہے۔ یوسف نے کہا وہ لوگ کیا کہتے تھے؟

نجمی نے مائیکل کی ساری گفتگو یوسف کو سنائی۔ یوسف نے پوچھا وہ لوگ کیسی شکل و صورت کے تھے؟ نجمی نے جواب دیا مائیکل تو ویسی عیسائی تھے۔ دوسرا اُن کا ساتھی مسلمان تھا۔"

یوسف نے پوچھا۔" دوسرے مسلمان کا حلیہ کیا تھا؟ نجمی نے کہا خاصی شکل تھی رنگ بھی صاف تھا گنجی آنکھیں تھیں بڑی بڑی مونچھیں۔ یوسف نے پریشان ہو کر کہا یہ حلیہ تو مرزا کے لڑکے کا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کسی عیسائی کو میرا رشتہ دار بنا کر لایا تھا۔ اُسے کیسے خبر ہو گئی۔ اب کیا ہوگا؟

نجمی نے کہا گھبرانے کی کوئی بات نہیں اگر تم پہلے سے سب حال بتا دیتے تو اسوقت۔ وہ بڑی آسانی سے پکڑا جاتا۔ خیر جائیگا کہاں تم فکر نہ کرو ہاں اپنے والد کا نام تو بتاؤ اور اپنا اصلی نام۔"

یوسف نے کہا۔" والد کا نام آر۔ کے فیلڈن ہے اور میرا نام فلورنس۔ نجمی نے کہا تمھارا یہ نام بھی بہت اچھا ہے۔ یوسف نے کہا۔" اب تو جلدی سے مجھے اپنی والدہ کے پاس بھیجدیجئے یہاں بھی خطرہ پیدا ہو گیا۔"

نجمی نے کہا۔" خطرہ کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ مگر ہاں احتیاط چاہیئے۔ میں اس وقت تو تم کو سلطانہ آپا کے پاس کانپور پہنچا آتا مگر وہ آجکل اماں جان کے پاس جھانسی گئی ہوئی ہیں۔ میری چھوٹی بہن زرینہ کی شادی ہونیوالی ہے میں پرسوں تمھیں لیکر چلونگا اپنی تیاری کر لینا۔" یوسف نے پوچھا آپ کی چھوٹی بہن کی شادی کہاں ہو رہی ہے۔۔ نجمی نے جواب دیا میرے چچا کے لڑکے نادو ق سے جن کی بہن سے میری شادی ہوئی تھی۔ یوسف نے کہا ہاں آپ نے اس روز رات کو اپنی بیوی کے انتقال کا ماجرا سنایا تھا۔ مگر

یہ کیا بات ہے آپ کی شادی اتنی چھوٹی عمر میں کیوں ہو گئی تھی۔ نجمی نے کہا سوال تم نے بہت موقع سے کیا ہے۔ میں خود چاہتا ہوں کہ اماں کے پاس لے جانے سے پہلے تمہیں اپنا قصہ سنا دوں مگر ایک شرط ہے تمہیں میری مدد کرنی پڑے گی۔" یوسف نے کہا کیا کسی کی مدد کی ضرورت ہے۔ نجمی نے کہا اور کسی کی ضرورت نہیں صرف تمہاری مدد درکار ہے۔

یوسف نے کہا میں تیار ہوں۔" نجمی نے مسکرا کر کہا۔ بس یہی میں چاہتا تھا۔"

یوسف نے آنکھیں نیچی کر لیں۔ نجمی نے شروع سے آخر تک تمام حال سنایا آخر میں رعنا کے ڈوبنے کی خبر پر یوسف کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ نجمی نے اپنا سگریٹ جلاتے ہوئے یوسف کی طرف دیکھ کر کہا اوے تم تو روتے لگے۔" یوسف نے کہا آپ کی بیوی بیچاری کا خیال کر کے میرے دل کو بڑا رنج ہو رہا ہے۔ وہ کس اُمید پر آپ ہی ہونگی نجمی کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے اُنھوں نے کہا ہاں میرا قصہ بھی بڑا پُر حسرت ہے۔" یوسف نے کہا آپ کا تو نہیں بلکہ آپ کی بیوی کا" نجمی نے کہا میرا کیوں نہیں مجھے بچپن سے اس لڑکی کے نام سے محبت تھی۔ اور سب کی زبان سے سنا کرتا تھا۔ کہ وہ بیحد خوبصورت ہے جس وقت میں نے اُس کے ڈوبنے کا سُنا ہے۔ تم سے سچ کہتا ہوں دُنیا میری نظروں میں ہیچ نظر آتی تھی۔ اس کی بے بسی کا خیال کر کے میں تنہائی میں گھنٹوں رویا کرتا تھا۔ اور اب بھی جس وقت خیال آجاتا ہے میرا دماغ بیکار ہو جاتا ہے خبر نہیں بارہ برس تک اس نے کیسی کیسی سختیاں برداشت کی ہونگی۔"

یوسف نے اپنی آنکھوں پر رومال رکھ لیا۔ نجمی نے کہا۔ تم تو ہچکیوں سے رونے لگے۔ جانے دو میں نہیں کہتا۔" یوسف نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ اُف.. آپ کا قصہ ٹریجک تھا نجمی نے کہا خدا کے واسطے میرے قصے کو ٹریجڈی نہ کہو۔ ہاں رعنا کا انجام خراب ہوا میرا قصہ تو ابھی جاری ہے۔ آگے چل کر ایک لطیفہ بہت مزیدار آئیگا۔ جس کو سُنکر تم بہت خوش ہو گے۔ یوسف نے کہا۔ "پھر وہ بھی سنا دیجئے۔"

نجمی نے للّی کے آنیکا حال بتایا یوسف نے کہا۔" جب رعنا بیچاری ڈوب چکی تھیں تو آپ کو یقین کیسے آیا۔" نجمی نے کہا۔ وہ ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن ایک

تو میں خود بیوقوف قسم کا آدمی ہوں لڑکے اور لڑکی ہی کی شناخت نہیں کر سکتا۔ دوسرے اس لڑکی نے واقعات کچھ اس طریق سے بیان کئے کہ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ یہی رعنا ہے یوسف نے پوچھا کیا وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی؟ نجمی نے جواب دیا نہیں معمولی... صورت کی تھی۔ مگر بنی سنوری بہت تھی یوسف نے مسکرا کر کہا شاید آپ کو پسند آگئی ہو۔ جب ہی یقین آ چلا تھا ورنہ مر کر بھی کبھی کوئی زندہ ہوا ہے۔"

نجمی نے ہنس کر کہا "ٹوہے واقعات سنے نہیں میری طرف سے بدگمانی پیدا ہو گئی۔ تمھاری بہن گئے پاؤں کی جوتی کے برابر نہیں۔" یوسف نے کہا اب تو آپ کو میری بہن کو بھول جانا چاہیئے۔" نجمی نے کہا تمھاری موجودگی میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ یوسف نے کہا۔ "آپ نے اس قصے کو ایسے موقع پر آکر چھوڑا ہے۔ کہ طبیعت بے چین ہو رہی ہے۔ نجمی نے کہا تم گھبراؤ نہیں ابھی سناتا ہوں اس کے بعد مفصل گفتگو نجمی کی سنائی تم یوسف نے کہا مگر ابھی تک مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ لڑکی کون تھی۔" نجمی نے کہا وہ روزی کی لڑکی تھی۔"

یوسف نے پوچھا کیا آپ کے چچا کے اور کوئی لڑکی بھی ہے۔ نجمی نے کہا نہیں وہ میرے چچا کی لڑکی نہیں ہے۔ روزی کے پہلے شوہر کی ہے۔ اس رحمت اللہ نے اس کو ٹھہرنے نہیں دیا اسی وقت وہ واپس آگئی۔ یوسف نے پوچھا بس آپ کا قصہ ختم ہوا۔" نجمی نے ہنس کر کہا "وہ اور کیا داستان امیر حمزہ یا فسانہ آزاد تھا کہ ختم ہی نہ ہوتا اب تو تمھارے اختیار میں ہے اگر چاہو تو اس داستان کو اور بڑھا دو ورنہ میری دنیا تو ختم ہو چکی۔"

نجمی کے آخری فقرہ پر یوسف نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا مگر وہ زبان سے ادا نہیں کر سکے معصومیت کے ساتھ نجمی کو دیکھنے لگے۔ نجمی نے کہا تم کچھ گھبرا گئے میں بغیر تمھارے والد کے آئے تمھیں مجبور نہیں کرونگا۔ اسوقت ہنسی میں ایک بات کہدی ہے۔ اچھا ایک لطیفہ اور سنو روزی اور للی بھاگ گئیں۔ یوسف نے ایکدم چونک کر پوچھا کہاں؟ نجمی نے جواب دیا کچھ پتہ نہیں مجھے فاروق نے تار دے کر بلایا تھا۔ ابھی کا تو واقعہ

ہے۔ جب واپسی میں تم ملے ہو یوسف نے پوچھا آخر کس وجہ سے بھاگ گئیں؟
نجمی نے کہا بات یہ ہے۔ اب چچا جان کو خود ہی روزی سے نفرت ہو گئی تھی جاپان سے
واپس آکر انھوں نے ایک رات چچی جان کو خواب میں دیکھا بلکہ وہ تو کہتے ہیں جاگتے
میں تھا۔" یوسف بولے سچ مچ۔" نجمی نے کہا وہ تو یہی کہتے ہیں۔ انھوں نے دیکھا کہ
چچی جان بہت ناراض تھیں اور بچوں کی طرف سے شکایت کرتی تھیں خاص کر رعنا کے
لیے بہت بیقرار تھیں۔" یوسف نے کہا آپ نے آج نئی نئی باتیں سنائیں۔" نجمی نے کہا
اب تک کوئی بات میں نے جھوٹ نہیں کہی اس خواب کو دیکھ کر تو چچا جان کی حالت میں ایک
انقلاب پیدا ہو گیا اور وہ روزی کی صورت سے بالکل بیزار ہو گئے۔ اس کے علاوہ وہ
آس لگائے بیٹھی تھی کہ فائق اس کی لڑکی سے شادی کر لیں گے اس میں بھی ناکامی ہوئی۔
پھر میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے وہ پے در پے مات کھا کر دونوں ماں بیٹیاں ایک روز بھاگ
گئیں۔ اور سب قیمتی سامان بھی لے گئیں۔" یوسف نے پوچھا "کیا آپ کے چچا نے دن
کے وقت اپنی بیوی کو دیکھا تھا؟ نجمی نے جواب دیا۔ "نہیں ٹھیک رات کے بارہ بجے۔
اسوقت بھی وہی وقت ہے۔ اگر تفصیل سے کہوں گا۔ تو تم ڈر جاؤ گے پھر کبھی سنا دونگا۔
اب تو تمھیں نیند آرہی ہوگی۔ یوسف نے کہا نیند تو نہیں آرہی ہے مجھے تو اس بات پر حیرت
ہو رہی ہے۔ کہ کسی مرے ہوئے آدمی کو جاگتے میں کوئی کیونکر دیکھ سکتا ہے۔" نجمی نے کہا
حیرت کی کیا بات ہے۔ انسان کا دماغ اُسے سب کچھ دکھا سکتا ہے۔ اسوقت تم اس
چکر میں نہ پڑو۔ یہ فلسفہ پھر کبھی سمجھاؤنگا۔ اب ایک بجنے والا ہے۔ دیکھو بڑی بی بیچاری
بیں بیٹھے ہی بیٹھے سو گئیں۔" یوسف نے کہا مجھے خبر نہیں تھی کہ آپ کا قصہ اسقدر بڑا ہے
نجمی نے کہا میں خود اسوقت نہیں کہتا مگر پرسوں تم چلے جاؤ گے۔ اور اماں جان کے سامنے
میں تم سے بے تکلفی سے بات نہیں کر سکتا۔ اس وقت میں نے اپنی زندگی کے مفصل حالات
اور واقعات تم سے بیان کر دیئے اس کے علاوہ میرے حالات آئینے کی طرح صاف
ہیں۔ تم جس سے چاہو پوچھ لو اور پھر نواب متن صاحب سے میرا مقابلہ کر لو۔ یوسف
کو ہنسی آگئی۔ نجمی نے کھڑے ہوتے ہوئے اپنا سگریٹ کا ڈبہ میز پر سے اُٹھا کر

ایک سگریٹ جلایا اور یوسف سے پُوچھا تمھیں کھیل کون کون سے آتے ہیں۔" یوسف نے کہا یہی معمولی کھیل "۔ نجمی نے پُوچھا ٹینس وغیرہ کھیل لیتے ہو ؟ یوسف نے جواب دیا۔ " جی ہاں" نجمی نے کہا۔ " اور کرکٹ فٹبال یوسف نے ہنس کر کہا جی نہیں"۔ نجمہ نے کہا اچھا خدا حافظ پرسوں تم کو لیکر چلیں گے یوسف نے کہا میرا وہ بکس ظفر صاحب کے ہاں سے منگوا دیجیے گا۔ زنانے کپڑے سب اسی میں ہیں۔" نجمی نے جاتے ہوئے کہا۔ " ہاں وہاں لڑکی بن کر رہنا پڑیگا۔"

اٹھارواں باب

بیرسٹر عتیق الزماں اپنے زنانے مکان کے برآمدے میں آرام کرسی پر پڑے ہوئے ہیں۔ سگار اُن کے ہاتھ میں ہے۔ اسوقت وُہ بہت غصّہ میں معلوم ہوتے ہیں۔ پانچ چھ کرسیاں اِدھر اُدھر رکھی ہوئی ہیں۔ ایک کرسی پر بیرسٹر صاحب کی بیوی ذکیہ بیگم گلے پر ہاتھ رکھے چپکے بیٹھی ہیں۔ دوسری کرسی پر شمس الزماں ہیں۔ اُن کے قریب انور زماں اور سلطانہ خاموش بیٹھے ہیں۔ بیرسٹر صاحب کے گھر والے اُن کے غصّہ سے کانپتے ہیں۔ بیرسٹر صاحب نے اپنے دونوں بیٹوں اور انور زماں کو تار دیکر کسی خاص کام کے لئے بُلایا ہے۔ اِس وقت سب لوگ جمع ہیں۔ نجمی قصداً اپنے باپ کے سامنے آکر نہیں بیٹھے۔ وہ اپنے باپ کے تیور سے سمجھ رہے ہیں۔ کہ ضرور کسی نے انکی شکایت کی ہے۔ زیادہ تر ان کا گمان رحمت اللہ کی طرف ہے۔"

بیرسٹر صاحب نے اِدھر اُدھر غصّہ کی نظر سے دیکھکر اپنی بڑی بیٹی سلطانہ سے پوچھا۔ " نجمی کہاں ہیں" سلطانہ نے جواب دیا اندر کمرے میں لیٹے ہیں۔ موٹر میں آنے کی وجہ سے تکان ہوگئی ہے۔ بیرسٹر صاحب نے کہا۔ اُن کی یہاں ضرورت ہے بلاؤ پھر خود ہی سوچکر کہا اچھا ٹھہر جاؤ پہلے تم سے کچھ پوچھنا ہے "۔ سلطانہ

گھبرائیں۔ شمس الزماں اور انور نے ایک دوسرے کی طرف تعجب سے دیکھا بیرسٹر صاحب کی بیوی نے کہا آخر کون سی بات ایسی ہے۔ جس کی وجہ سے تم نے سب کو جمع کیا ہے؟ بیرسٹر صاحب نے انور کی طرف مخاطب ہو کر کہا آج چوتھا روز ہے میرے پاس ایک صاحب لکھنؤ سے آئے تھے وہ کسی رئیس کے مصاحب معلوم ہوتے تھے۔ مجھ سے ایک مقدمہ کے متعلق مشورہ کرنے آئے تھے۔ جو واقعات انھوں نے بیان کئے ہیں وہ نہایت افسوسناک ہیں۔ اگر درحقیقت ان کا کہنا صحیح ہے۔ تم مجھے اور تم لوگوں کو دنیا میں کسی کو منہ دکھانے کی جگہ نہیں ان کو تو میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا۔ کہ میرے پاس وقت نہیں ہے کسی اور سے جا کر مشورہ لیں۔ تم سب کو اسی وجہ سے تار دیکر بلایا ہے۔" انور زماں نے کہا کونسا معاملہ ہے۔ ماموں جان آپ مجھے بتایئے، بیرسٹر صاحب نے کہا تم نے نواب ننّن صاحب کا نام سنا ہے۔؟ انور نے کہا جی ہاں میں ان کی ذات شریف سے اچھی طرح واقف ہوں۔

نواب ننّن کا نام سُنکر تہمی دروازہ۔ ۔ ۔ کے قریب آکر کان لگا کر سننے لگے .....

بیرسٹر صاحب نے کہا۔ پھر تو تمھیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ ننّن صاحب اپنی شادی کسی لڑکی سے کر رہے تھے۔ انور نے کہا جی ہاں معلوم ہے۔ سلطانہ نے اس لڑکی کو دیکھا بھی ہے" بیرسٹر صاحب نے تعجب سے کہا۔ "سلطانہ نے اس کو کہاں دیکھا؟ سلطانہ بولیں۔" ہیں نے ڈپٹی مظہر احمد کے لڑکے کی شادی میں دیکھا تھا وہ اپنی والدہ کے ساتھ آئی تھی"۔۔

بیرسٹر صاحب نے تیوری پر بل ڈال کر کہا اس لڑکی کے والدین نہیں ہیں" سلطانہ نے کہا جی ہاں۔ والدین تو نہیں ہیں مظفر کی خالہ نے اُس کو پرورش کیا ہے۔ وہ اپنی لڑکیوں کی طرح رکھتی ہیں" بیرسٹر صاحب نے کہا۔ "مظفر کی خالہ کے پاس تو وہ چند روز سے تھی اصل میں نواب صاحب کی بیوی نے اسے پالا تھا۔ ان کے مرنے کے بعد اُن نواب کی بھاوج کے پاس آگئی تھی" سُلطانہ نے کہا۔ "مجھے اس بات کی خبر نہیں" بیرسٹر صاحب نے پوچھا تمھیں معلوم ہے۔ کہ وہ لڑکی شادی سے چند روز قبل غائب ہو گئی یا غائب کر دی گئی" انور نے کہا۔ "اگر نواب صاحب

کی بیوی نے اُس کی پرورش کی تھی تو ایک لحاظ سے وُہ نواب کی لڑکی ہوتی تھی۔ اُس سے شادی کرتے ہُوئے نواب کو ڈوب مرنے کی جگہ تھی بہت اچھا ہوا وہ بھاگ گئی"

بیرسٹر صاحب نے انور کی طرف غصہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمھیں کیا مطلب نواب کو اختیار تھا۔ ڈوب مرنے کی جگہ تو تم لوگوں کو ہے۔ اپنے عہدوں کا بھی خیال نہیں کیا۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔" انور نے حیران ہو کر پوچھا۔ "ہم لوگوں نے کیا کیا؟ بیرسٹر صاحب نے سُلطانہ کی طرف دیکھ کر کہا دیکھو سُلطانہ جھوٹ بولنے کی.... ضرورت نہیں ہے۔ سچ سچ بتا دو۔ وُہ لڑکی آج کل کہاں ہے۔ سُلطانہ نے.... پریشانی کے لہجہ میں کہا۔" ابا جان مجھے کیا خبر وہ کہاں ہے۔ میں نے تو ایک دفعہ سے دوسری دفعہ اُس کی صورت بھی نہیں دیکھی ظفر کی خالہ لکھنؤ میں رہتی ہیں۔ وہیں وُہ کمبخت نواب رہتا ہے۔ سُنا ہے شادی بھی وہیں ہو رہی ہے؟ بیرسٹر صاحب: "پتہ چلتا ہے کہ تم لوگوں کی سازش سے وہ لڑکی غائب کی گئی ہے۔ تمھیں اس کے ساتھ بہت ہمدردی معلوم ہوتی ہے۔ آخر نواب کو تم نے کمبخت کیوں کہا۔" انور نے ذرا تیزی سے کہا۔ "ماموں جان آپ کیا فرما رہے ہیں۔ ہم لوگ کیوں اس کو غائب کرتے میری سمجھ میں نہیں آتا وہ کون بدمعاش آپ کے پاس آیا تھا۔ اور کیا کیا لغو باتیں بیان کر گیا۔"

بیرسٹر صاحب نے کہا سُنا ہے وہ لڑکی بہت خوبصورت ہے۔ شاید سلطانہ کو نجمی کے واسطے پسند آگئی ہو۔" سُلطانہ نے کہا۔ "وہ ہے تو بہت خوبصورت اور مجھے پسند بھی آگئی تھی۔ مگر جب میں نے اُس لڑکی کو دیکھا تھا۔ اُس وقت تک رعنا کے مرنے کی خبر نہیں آئی تھی۔ بیشک مجھے اُس کے ساتھ ہمدردی ہوگئی تھی۔ اور میرے اوپر کیا منحصر ہے۔ بڈھے نواب کے ساتھ شادی کا سُن کر سب ہی کو اُس کے ساتھ ہمدردی تھی۔" بیرسٹر صاحب نے پوچھا کیا نجمی کو بھی اس کے ساتھ ہمدردی تھی؟ سُلطانہ نے جواب دیا نجمی نے اُسے کہاں سے دیکھا تھا جو انھیں ہمدردی ہوتی۔"

بیرسٹر صاحب نے کہا شاید تمہارے ہاں دیکھا ہو سلطانہ نے کہا "ابا جان میرے ہاں تو اس لڑکی نے قدم تک نہیں رکھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا آپ کیوں ایسی باتیں کر رہے ہیں"۔ بیرسٹر صاحب نے کہا تم سچ کہہ رہی ہو تمہیں خبر نہیں" انور جلدی سے بولے۔ "خدا کی قسم ہم لوگوں کو اس لڑکی کے متعلق بالکل خبر نہیں" بیرسٹر صاحب نے کہا اگر تمہیں خبر نہیں تو مجھ سے سنو وہ لڑکی آج کل نجمی کے پاس ہے" انور نے کہا ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں کبھی یقین نہیں کرونگا"

بیرسٹر صاحب نے غصہ سے کہا تم کو یقین کرنا پڑیگا۔ دو مہینے سے نجمی کے پاس ہے۔ شمس الزماں اپنے باپ سے بہت ڈرتے تھے۔ اتنی دیر سے خاموش بیٹھے تھے مگر نجمی کے اوپر اتنا بڑا الزام سن کر انھوں نے بھی اپنے باپ سے پوچھا نجمی کے پاس وہ لڑکی آئی کس طرح بیرسٹر صاحب نے تیز آواز سے کہا "مجھے کیا خبر انھوں نے اپنے دوست ظفر احمد کے ذریعہ سے غائب کرایا ہوگا۔ مردانے کپڑے پہنا کر اپنے ہاں رکھ چھوڑا ہے۔ اب نواب کو اطلاع ہو گئی ہے۔ وہ عدالتی کارروائی کرنا چاہتے ہیں اسی کے متعلق انھوں نے اپنے مصاحب مرزا افتخار کو میرے پاس بھیجا تھا۔ مجھ سے مشورہ پوچھا تھا۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ نجمی میرا کون ہے۔ شمس الزماں نے پوچھا آپ نے نواب صاحب کے آدمی سے کیا کہا؟

بیرسٹر صاحب نے کہا۔ "میں اس سے یہ کیا کہتا کہ وہ سعادت مند صاحبزادے میرے ہی ہیں۔ مجھے ٹالنا پڑا۔ میں نے کہہ دیا کہ مجھے فرصت نہیں ہے کسی اور بیرسٹر کے پاس جاؤ۔ اب نجمی جانیں اور نواب جانیں مجھے کچھ مطلب نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ کوئی بھی جرم کا کام کریں گے۔ آئی۔سی۔ایس کے تین حروف انہیں بری کر دیں گے"۔

انور زماں بیرسٹر صاحب کے سامنے ذرا بیباکی سے بات کر لیتے تھے۔ انھوں نے غصہ سے کہا "نواب کی مجال ہے۔ کہ وہ نجمی کے خلاف کوئی کارروائی کر سکیں۔ میں انکو اس کا اچھی طرح مزہ چکھاؤں گا" شمس الزماں نے کہا۔ مجھے تو یقین نہیں آتا کہ نجمی نے اس لڑکی کو فرار کرایا ہو" یہ بات دوسری ہے۔ کہ وہ لڑکی خود

بھاگ کر نجمی کے ہاں آگئی ہو یا بیرسٹر صاحب نے کہا بہر حال بات ایک ہی ہے۔ وہ خود آئی یا نجمی نے بلایا۔ لوگوں کی نگاہ میں اب اُنکی کوئی وقعت اور عزت نہیں رہی اُنھوں نے تو اپنے چچا کو بھی مات کیا۔ روزی کو رفیق الزماں نے کسی کے گھر سے بھگایا نہیں تھا۔ مگر نجمی نے اس لڑکی سے شادی کر کے خوب اپنے خاندان کا نام روشن کیا۔"

انور نے مسکرا کر کہا اچھا شادی بھی کر لی ہے۔

ذکیہ بیگم بولیں آخر نجمی یہاں موجود تو ہے اُس سے کیوں نہیں پوچھ لیا جاتا ایسا تو وہ ہرگز نہیں کر سکتا کہ بغیر ہم لوگوں کو اطلاع کیے بغیر شادی بھی کر گئے ہیں۔ ...

بیرسٹر صاحب نے تیوری چڑھا کر کہا۔ "اتنا بڑا جرم تمھارے صاحبزادے نے کر لیا۔ شادی کرتے میں انہیں کیا شرم آتی ہے۔" سلطانہ نے کہا۔ "نجمی نے شادی تو کبھی نہیں کی ہوگی۔ ابھی کا تو ذکر ہے۔ جب نجمی الہ آباد سے واپس آئے ہیں۔ میں نے اُن سے شادی کا ذکر کیا تھا اور سچی بات ہے۔ میں نے اُسی لڑکی کا نام لیا تھا۔ مگر اُنھوں نے کانوں پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ تو یوسف کی بہن سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر کہتے تھے بغیر امّاں جان اور ابّا جان کی مرضی کے نہیں کرونگا۔" ذکیہ بیگم نے پوچھا "یوسف کی بہن بھی ہے۔؟ سلطانہ نے کہا! تھوڑے دن ہوئے یوسف نجمی کے پاس آئے تھے۔ اُن سے معلوم ہوا تھا کہ اُنکی ایک بہن ہے۔ وہ ہماری ماں کے مرنیکے بعد سے کسی رشتہ دار کے ہاں رہتی ہے۔"

بیرسٹر صاحب نے کہا "اگر ہم سے بغیر اجازت نجمی یوسف کی بہن سے شادی کر لیتے تو ہمیں اعتراض نہ ہوتا۔ بلکہ ہم ان کے اس جذبۂ ہمدردی کی قدر کرتے۔"

نجمی کمرے میں سب باتیں سن رہے تھے۔ غصّہ کی حالت میں برابر ٹہل رہے تھے۔ لیکن اس وقت اپنے باپ کا سامنا نہیں کرنا چاہتے تھے۔" ذکیہ بیگم نے سلطانہ سے کہا۔ "تم نے مجھ سے پہلے ذکر نہیں کیا بلا سے یوسف کی بہن ہی سے شادی ہو جاتی۔"

انور زماں نے نجمی کو آواز دیکر بلایا۔ نجمی خود اب زیادہ ضبط نہیں کر سکتے تھے۔ غصّہ سے اُن کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا وہ انور کے پاس والی کرسی پر آکر بیٹھ گئے۔

انور نے کہا۔ "نجمی تم سے کچھ دریافت کرنا ہے۔" نجمی نے کہا فرمائیے۔"

انور نے پوچھا سنا ہے۔ تم نے شادی کر لی ہے"۔ نجمی نے غصہ کے لہجہ میں کہا ابھی تو نہیں کی۔ ابھی کوئی لڑکی تمہارے ہاں ہے۔؟ نجمی نے جواب دیا ہاں ہے تو سہی۔" انور نے تعجب سے کہا کیا تم نے کسی لڑکی کو چھپا رکھا ہے؟ نجمی نے جواب دیا جی ہاں! سلطانہ نے پریشان ہو کر کہا۔"کیا تم سچ کہتے ہو؟ نجمی نے کہا ہاں یہ واقعہ ہے"۔ اپنے باپ کے سامنے نجمی کی اس بیباکانہ گفتگو پر سلطانہ اور شمس الزماں دم بخود اُن کی شکل دیکھنے لگے بیرسٹر صاحب غصہ سے اپنا منہ دوسری طرف پھیرے بیٹھے تھے انور نے نجمی سے پوچھا وہ لڑکی تمہارے پاس کس طرح آئی تعجب ہے۔ تم نے مجھے اور سلطانہ کو بھی خبر نہیں کی۔" نجمی نے جواب دیا انور بھائی یہ قصہ بڑا طویل ہے۔" شمسی نے کہا بہر حال معلوم تو ہونا چاہیئے"۔ نجمی نے کہا بھائی جان اگر آپ لوگ میرے کہنے کا یقین مانیں تو میں واقعات بتاؤں ورنہ جو الزام میرے اوپر لگایا گیا ہے اُسی کو ٹھیک سمجھئے۔ میں جمن صاحب اور اس مرزا سے خود ہی سمجھ لونگا۔ آج ہی جا کے دونوں کو ہتھکڑیاں ڈلواتا ہوں۔ انھوں نے سمجھا کیا ہے۔" انور نے کہا تم پہلے مفصل حال مجھے بتا دو۔ اگر ان دونوں کو تمام عمر جیل خانے میں نہ سڑوایا ہو تو کلکٹری سے استعفیٰ دیدوں گا۔"

بیرسٹر صاحب نے انور اور نجمی کو غصہ کی نظر سے دیکھ کر پھر منہ پھیر لیا۔"

نجمی نے کہا۔"میں نے آپ سے یوسف سے متعلق اس روز کہا تھا اور بکس کا بھی ذکر کیا تھا۔ یوسف جب میرے پاس سے جانے لگا تو اُس نے مجھ سے وقت دریافت کیا۔ مجھے افسوس ہوا کہ اس بیچارے کے پاس گھڑی نہیں ہے۔ میں نے اپنی گھڑی اُس کو دیدی اُس لڑکے سے مجھے بہت ہمدردی اور خاص قسم کی محبت ہو گئی۔ باوجود اتنے بڑے حادثہ کے اُس کو مجھ سے ذرا شکایت نہ تھی۔ بلکہ ڈاکٹر کو بلانے اور اُس کی والدہ کو موٹر پر گھر تک پہنچانیکا احسانمند تھا۔ اب آپ ہی لوگ بتلائیے مجھے اس کے ساتھ ہمدردی کرنی چاہیئے۔ یا بدسلوکی؟ شمسی نے کہا تمہارا تو معاملہ تھا مگر ہم لوگوں کو بھی اس کے ساتھ ہمدردی ہے۔ جہاں تک ہو سکے اُس کی مدد کرنی چاہیئے

بیرسٹر صاحب خاموش بیٹھے ہوئے تھے مگر شمسی کی بات پر انھوں نے بھی گردن ہلائی یعنی ٹھیک ہے۔

ذکیہ بیگم نے کہا۔ "بیٹا یوسف کا قصہ بعد میں سنانا پہلے اس لڑکی کا حال بیان کرو۔ نجمی نے کہا۔ "اماں جان آپ لوگ پہلے پوری داستان سن لیجیے پھر جو دل چاہے میرے حق میں فیصلہ کیجیے گا۔" انور نے کہا۔ "تم کہے جاؤ فیصلہ جو کچھ ہونا ہے ہو جائیگا۔"

نجمی نے شروع سے آخر تک اس لڑکی کے ملنے کا حال بیان کیا اور کہا "مجھے دولہے پر جانے کی جلدی تھی میں اس کا حال معلوم کرنا چاہا۔ تاکہ اپنے جانے سے پہلے اس کو اس کے گھر پہنچا دوں رحمت اللہ کی موجودگی میں اس کا پتہ وغیرہ دریافت کیا۔ مگر معلوم ہوا وہ لاوارث ہے ....

.... ہے۔ اس کا کوئی نہیں ہے میں بہت گھبرایا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ آخر مجبور ہو کر میں نے اس کو پولیس کی دھمکی دی۔ اس نے میری بات کا جواب تو کچھ نہیں دیا مگر دروازہ میں سے ہاتھ بڑھا کر مجھے ایک گھڑی دی۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کیونکہ یہ وہی گھڑی تھی جو میں نے یوسف کو دی تھی میں نے اس سے پوچھا تمھارے پاس یہ گھڑی کہاں سے آئی میں نے تو یوسف کو دی تھی۔"

اس نے جواب دیا آپ مجھے یوسف ہی سمجھیے۔ اس کی اس بات سے میں بہت چکرایا۔ کبھی خیال کرتا تھا۔ کہ یوسف کی بہن ہے۔ کبھی سوچتا تھا اس نے گھڑی چرا لی ہے۔ غرض میں نے طرح طرح سے پوچھا مگر اس نے یہی جواب دیا کہ میں خود ہی یوسف ہوں۔"

انور نے سلطانہ کی طرف دیکھکر ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ اچھا لطیفہ رہا۔" شمسی نے پوچھا کیا واقعی یوسف لڑکا نہیں تھا۔" نجمی نے جواب دیا نہیں۔" بیرسٹر صاحب کرسی پر سنبھل کر بیٹھ گئے ان کی تیوری کے بل بھی ذرا کم ہو گئے تھے وہ اب نجمی کی طرف دیکھ رہے تھے اور جلدی جلدی سگار کا دھواں منہ سے نکال رہے تھے۔ انور نے کہا۔ "نجمی تم خاموش کیوں ہو گئے آگے کہو کیا ہوا؟ جو واقعات اس رات یوسف نے نجمی کو سنائے

تھے وہ سب انھوں نے بیان کئے۔ سلطانہ نے کہا۔ "تم ابھی وقت میرے پاس لیکر کیوں نہیں آ گئے؟" نجمی نے کہا میں نے تو اُس سے کہا تھا۔ مگر وہ کانپور جانے پر راضی نہ ہوئی۔ دوسرے میں نے یہ خیال کیا کہ انور بھائی کو اس بکس کے اندر "بم" کا شبہ تھا لڑکی کو اپنے گھر میں کیسے رکھیں گے؟" انور نے ہنس کر کہا واہ یوسف کی بہن کو تو ہم سر آنکھوں پر بٹھاتے" سلطانہ بھی مسکرائیں۔ مگر بیرسٹر صاحب کی موجودگی کی وجہ سے نجمی پر کسی نے فقرہ نہیں کسا۔ نجمی نے کہا۔ "وہ لڑکی چاہتی تھی کہ اُس کو میں اماں جان کے پاس پہنچا دوں مگر اُس کے حالات سُن کر مجھے خیال تھا کہ اماں جان یہاں رکھنا پسند نہیں کریں گی۔"

انور نے بیرسٹر صاحب کی طرف آنکھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اور ماموں جان بھی تو ایک بھاگی ہوئی لڑکی کو اپنے گھر میں نہیں گھُسنے دیتے۔" انور کی بات پر بیرسٹر صاحب نے کچھ مُنہ تو بنایا مگر بولے نہیں۔ نجمی نے کہا۔ "انہی وجوہات سے میں نے مناسب سمجھا کہ اس کو وہیں رہنے دوں مجھے اسی دن دورے پر جانا تھا۔ چنانچہ رحمت اللہ کو گھر پر چھوڑا اور اس سے تاکید کردی کہ روزانہ کی اطلاع دیتا رہے۔

شمسی نے کہا اس لڑکی کو اکیلا چھوڑ گئے؟ نجمی نے کہا اور کیا کرتا جب اس کا کہیں ٹھکانا ہی نہیں تھا اور اس کی بربادی کا باعث میں ہی تھا۔ تو کیا گھر سے نکال دیتا۔ خدا کا شکر ہے اتنا بے حمیت نہیں ہوں۔ نجمی نے یہ جملہ ذرا غصّہ میں اور زور دیکر کہا۔"

انور نے کہا۔ "شاباش! ہمیں تم سے ایسی ہی امید ہے۔" سلطانہ نے پوچھا کیا اب بھی وہ لڑکی تمھارے ہاں ہے؟ نجمی نے اپنے دورے سے واپس آنیکے بعد کے واقعات بتائے۔ مسٹر مائیکل کی بات چیت اور پھر یوسف نے جو اپنا مفصل حال بتایا تھا۔ وہ سب سنایا۔ سلطانہ نے کہا۔ "میں تو اس کی صورت دیکھ کر ہی حیرت میں رہ گئی تھی۔" انور بولے۔ "وہ مرزا حرامزادہ مجھے مل جائے تو مارے ہنٹروں کے اس کی کھال نکال دوں۔۔

یہاں مشورہ پوچھنے آیا تھا بدمعاش

اب بیرسٹر صاحب کا غصّہ بھی رفو چکر ہو گیا تھا اُنھوں نے نجمی سے پوچھا لڑکی کے باپ کا کیا نام ہے؟

نجمی نے کہا۔ "مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ کوئی فیلڈن ہیں۔"
بیرسٹر صاحب نے کھڑے ہوتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا۔ "تم اس لڑکی کو فوراً یہاں بلوا لو۔"

اپنے باپ کے جانے کے بعد نجمی نے کہا میں خود اس لڑکی کو لیکر آج یہاں آنیوالا تھا۔ مگر ابا جان کے تار سے سخت پریشان ہو کر آنا پڑا۔ انور نے کہا نجمی تم نے کمال ہی کر دیا دو قدم پر میں موجود تھا مگر تم نے مجھے بھی خبر نہیں کی یہ کونسی عقلمندی تھی۔ نجمی نے جواب دیا میرا خیال تھا کہ سب واقعات زبانی آپ سے بیان کروں مگر آپ کے پاس جانیکی فرصت نہیں ملی۔ آپ بھی دورہ پر تھے میں بھی ڈیڑھ مہینے دورہ پر رہا واپس آیا تو وہ عیسائی لوگ آ گئے کئی روز اسی کشمکش و پیچ میں رہا کہ آخر معاملہ کیا ہے یوسف کی طرف سے تقاضا تھا کہ اُن کو اماں جان کے پاس پہنچا دوں اگر ابا جان کا تار نہ گیا ہوتا تو آج میں معہ یوسف کے یہاں ہوتا۔" انور نے ہنس کر کہا اور آج ہی تمھارا نکاح پڑھوا دیا جاتا۔"

نجمی نے غصہ سے کہا انور بھائی آپ اس قسم کی باتیں نہ کیجئے مجھے اسوقت سخت غصہ آرہا ہے۔ سلطانہ نے کہا۔ "سچ تو ہے ابا جان نے پوچھا نہ گچھا فضول..... ناراض ہونے لگے۔" شمسی نے کہا۔ "ابا جان کو ان واقعات کی کیا خبر تھی اُن سے دوسرے طریق سے بیان کئے گئے تھے۔ نجمی نے کہا۔ "انہیں یہ مناسب تھا کہ بغیر تحقیق کئے ہوئے ایک بدمعاش کے کہنے پر اتنا بڑا الزام میرے اوپر لگایا؟ کیا میری تربیت ایسی ہی ہوئی تھی۔ کہ پرائی بہو بیٹیوں کو بھگاتا پھروں؟ آخر کونسی بات انھوں نے پہلے میری ایسی دیکھی تھی؟ بچپن میں شادی کر دی اس پر میں نے دم نہیں مارا۔ انگلستان سے واپس آکر جاپان جانا چاہا انھوں نے مجھے روک دیا میں خاموش ہو گیا۔ اصل میں رعنا کی موت کا باعث بھی یہ خود ہی ہیں۔ نہ اپنے بھائی سے قطع تعلق کرتے نہ یہ واقعہ پیش آتا۔ اگر چچا جان بیچارے نے روزی سے شادی کر لی تھی تو کیا گناہ کیا تھا۔"

شمسی نے کہا۔ "تم اتنا رنج کیوں کرتے ہو۔ خود ہی سوچو کہ ابا جان نے جس طرح

یہ حالات سُنتے ہی اُس کا اثر اُن کے دل پر کس قدر ہوا ہوگا۔" نجمی نے کہا "یہ تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن مجھ سے بھی تو پوچھ لیا ہوتا۔ اور اگر میرا اعتبار نہیں تھا تو اپنے نوکر رحمت اللہ کو بلا کر پوچھ لیتے۔ مگر وہاں تو چچا جان کی مثال بھی آگئی۔ دوزی کا بھی ذکر ہو گیا۔ (آئی۔سی۔ایس) کا طعنہ بھی دیدیا۔ واہ واہ یہ اچھا غصّہ ہوا۔"

انور نے کہا خیر اب جانے دو ان باتوں کو۔ تم آج ہی جا کر یوسف کو لے آؤ۔ نجمی نے کہا۔ "میں اب قیامت تک یوسف کو اپنے ساتھ نہیں لاؤنگا۔ آپ یا بھائی جان جا کر لے آئیے۔" سلطانہ نے کہا "واہ یہ بھی کوئی بات ہے۔ وہ بیچاری ان دونوں کو کیا جانے تمہیں ہی لانا پڑے گا۔" نجمی نے کہا میں تو لاؤنگا نہیں۔ تم انور بھائی کے ساتھ چلی جاؤ لے آنا۔" سلطانہ نے کہا تم تو بالکل ہی خفا ہو گئے اِس بیچاری لڑکی نے کیا قصور کیا ہے۔" انور نے کہا یہ تو ہیں بے وقوف ہم ان کی شادی اسی ہفتہ میں کردیں گے۔"

نجمی نے کہا۔ "انور بھائی آپ بھی کیا باتیں کر رہے ہیں۔ اب میں شادی نہیں کرونگا۔

سلطانہ نے ہنس کر کہا۔ "پھر یوسف کی شادی کس سے ہوگی۔ نجمی نے کہا میں کیا جانوں یوسف کو اختیار ہے۔ میں نے اُن کے باپ کو تار دیدیا ہے۔ ممکن ہے وہ آکر لے جائیں۔"

انور نے کہا ایسے ایسے باپ بہت دیکھے ہیں۔ اگر تم نے یوسف سے شادی نہیں کی تو اُس کے ساتھ بے انصافی ہوگی اور اپنے اوپر بھی ظلم کروگے نجمی نے کہا یوسف کے ساتھ تو بے انصافی کی کوئی بات نہیں۔ رہا اپنے اوپر ظلم کرنا تو انور بھائی معاف کیجئے گا میرے اوپر تو شروع ہی سے میرے بزرگوں نے ظلم کیا ہے۔ اور پھر مُعاملہ کو ایسا کردیا کہ میں خود اپنا گلا کاٹوں"۔

ذکیہ بیگم نے کہا۔ "بیٹا بڑے افسوس کا مقام ہے تم اپنے باپ کی ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا بیٹھے اور ایسا برا مان گئے کہ اب شادی ہی سے انکار کرنے لگے کیا انکو اتنا حق نہیں ہے۔ کہ تمہیں ٹیڑھے راستہ پر چلتا ہوا دیکھکر سیدھا راستہ بتائیں"

نجمی نے کہا اگر میں گمراہ ہو گیا ہوتا جب تو یا خواہ مخواہ سیدھے راستہ پہ پتھر ڈالدے۔ دوسرے اُن کے کہنے کا طریقہ ایسا تھا جس سے میرے دل کو بڑا صدمہ ہوا۔ اگر سامنے

بٹھا کر ڈانٹ دیتے تو مجھے اتنا برا نہیں لگتا۔ ظفر غریب کو اس معاملہ کی خبر تک نہیں مگر انھوں نے کہا کہ ظفر کے ذریعہ سے اس کو بھگایا ہے۔ ایسا تو کمینہ نہیں ہوں نہ ظفر ہی اس قسم کا آدمی ہے۔ میں سب باتیں کمرہ میں سُن رہا تھا۔" شمسی نے کہا۔ "اب زیادہ رنج نہ کرو واقعی ابا جان نے سخت سخت الفاظ کہے تھے مگر تم جانتے ہو انھیں بھی اس لغو خبر پہ غصہ آگیا تھا۔ وہ تمھاری نیک نامی اور بھلائی کے خواہاں ہیں انکو تمھاری سعادتمندی ہونہاری ... اور فرمانبرداری پر فخر ہے" وہ کوئی ایسی بات نہیں چاہتے جس سے تمھاری نیک نامی پر دھبہ آئے۔ جب سے رعنا کے مرنے کی خبر معلوم ہوئی ہے۔ وہ برابر اسی فکر میں ہیں۔ کہ بہتر سے بہتر کوئی لڑکی ملے جس سے تمھاری شادی کیجائے۔ اکثر مجھے لکھتے ہیں کہ ہم دونوں نے نجمی کے ساتھ بہت بے انصافی کی تھی اب اس کی تلافی ہونی چاہیئے۔" انور نے کہا۔ بس دو تین روز میں تلافی ہو جائے گی۔ ماموں جان کی بھی مرضی معلوم ہوتی ہے۔ ابھی کہہ کر گئے ہیں کہ اس لڑکی کو بلوا لو۔"

سلطانہ نے کہا۔ "اماں ایسی لڑکی ہے کہ آپ دیکھ کر خوش ہو جائیں گی۔"

ذکیہ بیگم نے کہا بڑا بول قاضی کا پیادہ ہوتا ہے۔ میں نے ظفر کو بہت نام رکھا تھا کہ اُس نے میم سے شادی کرلی۔ یہ خبر نہیں تھی کہ میری بھو بھی انگریزنہ کی بیٹی آئیگی وہی نیلی آنکھیں .... لال بال، نجمی کو ہنسی آگئی۔

سلطانہ نے کہا۔ "نہیں اماں نہ تو اس کی نیلی آنکھیں ہیں نہ لال بال" انور نے کہا ممانی جان بال ہونگے ہی کہاں وہ تو لڑکا بنی ہوئی ہے۔"

ذکیہ بیگم نے کہا۔ "ہے ہے سر منڈی بیٹر ہے۔" سلطانہ نے کہا۔ "واہ وا اُس کی تو لمبی سی چوٹی تھی۔" انور نے نجمی سے پوچھا بتاؤ بھئی تم شرماکیوں رہے ہو سر پہ بال ہیں یا گنجی ہے۔"

نجمی نے کہا شرمانے کی کیا بات ہے یوسف کے بال کٹے ہوئے ہیں۔"

انور نے کہا۔ "ممانی جان سنا آپ نے بال بھی کٹے ہوئے ہیں سوٹ بھی پہنتی ہے زرینہ کو تو بلاؤ وہ بھی اپنی بھاوج کا حلیہ سُن لیں۔" ذکیہ بیگم نے کہا۔ بیٹا جلتا

لوگوں کو نام رکھا تھا۔ وہ سب ہمارے آگے آئیگا۔" سلطانہ نے کہا نہیں اماں وہ تو مجبوری کو مردانے کپڑے پہنتی ہے۔ یہاں اگر خدانخواستہ کیوں پہنتے لگی۔"
انور نے کہا۔ "شمسی کل نجمی کے ساتھ چلیں اور اس لڑکی کو لیکر آئیں شمسی نے کہا میں ضرور چلتا مگر ایک ہی دن کی چھٹی تھی تم جاکرے آؤ۔ جب نجمی کی شادی ٹھہر جائیگی تو پندرہ بیس روز کے لئے سلمہ کو لے کر آؤں گا۔ انہیں ان باتوں کی خبر ہی نہیں۔
انور نے کہا۔ "تم بھی عجیب آدمی ہو دو مرتبہ میں نے سلمہ کو بلانے کا خط بھیجا مگر مگر کچھ جواب ہی نہیں دیا اور دنیا بھر کی باتیں لکھتے ہو مگر مطلب کی بات اڑا جاتے ہو۔
شمسی نے کہا میں نے تو سلمہ سے کہدیا تھا جو اُن کا دل چاہے جواب دیدیں۔
ذکیہ بیگم نے کہا۔ بس اب چل کر کھانا کھاؤ۔ نجمی بہت تھکا ہوا ہے۔ ذرا دوپہر کو سو جائے تو اچھا ہے۔" سب لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اُنیسواں باب

رات کے گیارہ بج چکے ہیں۔ نجم الزماں کی کوٹھی میں آج غیر معمولی خاموشی ہے۔ یوسف اپنے کمرہ میں گردن جھکائے کسی سوچ میں بیٹھے ہیں۔ میز پر ایک دھیمی روشنی کا لیمپ اور ٹائم پیس رکھتی ہے۔ یوسف کی نظریں بار بار گھڑی پر پڑ رہی ہیں۔ بڑی بی چارپائی پر بیٹھی ہوئی اونگ رہی ہیں۔ برآمدہ میں رحمت اللہ بستر پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا ہے دور سے گیدڑوں کے بولنے کی آواز آرہی ہے۔ کوٹھی کے قریب کتے بھونک کر لوگوں کو ہوشیار کر رہے ہیں۔ بڑی بی نے یوسف سے کہا اب رات زیادہ ہوگئی ہے۔ آپ آکر لیٹ جائیے یوسف نے کہا خبر نہیں کیا بات ہے۔ اب تک نجمی صاحب نہیں آئے میری طبیعت بہت پریشان ہو رہی ہے۔ ...
رحمت اللہ نے باہر سے پوچھا۔ "بڑی بی کیا بات ہے۔ یوسف میاں ابھی تک سوئے نہیں۔" بڑی بی نے جواب دیا۔ "صاحب کی وجہ سے پریشان ہیں

رحمت اللہ نے کہا نہیں صاحب گھبرانے کی کیا بات ہے اب آتے ہی ہوں گے۔ تار میں کس وقت پہنچنے کو لکھا ہے"۔ یوسف نے کہا۔" تار میں تو صرف یہ لکھا تھا۔ کہ ہم اور انور بھائی رات کو پہنچیں گے۔"

رحمت اللہ نے کہا ہمارے صاحب کے مزاج میں ابھی لڑکپن بہت ہے چلے ہی دیر میں ہونگے یا پھر کانپور میں ٹھہرے ہونگے۔ انور میاں بھی تو ساتھ ہیں۔ رات کو کھانا کانپور ہی میں کھایا ہوگا۔ بس صاحب میں سمجھ گیا یہی بات ہے۔ بارہ بجے تک یہاں پہنچیں گے۔ آپ بے فکری سے سو جائیے۔ یوسف نے کہا۔" خدانخواستہ موٹر نہ بگڑ گئی ہو۔"

رحمت اللہ نے کہا۔" نہیں صاحب نئی گاڑی ہے۔ بگڑنے کا کیا کام سڑک بھی ایسی بنی ہوئی ہے۔ جیسے شیشے کی۔"

یوسف نے بڑی بی سے آہستہ سے کہا۔" بڑا دل گھبرا رہا ہے۔ آج تو چاروں طرف سونا ہی سونا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کہیں جنگل میں بیٹھے ہیں۔ تم سو نہ جانا۔ بڑی بی نے جمائی لے کر پاندان کھولتے ہوئے کہا نہیں میں جاگ رہی ہوں۔ ڈر کی کیا بات ہے۔" یوسف نے کہا۔" خبر نہیں نجمی صاحب کو اُن کے والد نے تار دیکر کیوں بلایا تھا۔" بڑی بی نے کہا۔" رحمت اللہ کہتے تھے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صاحب کی کہیں شادی ٹھہرائی جا رہی ہے۔ اُن سے پوچھنے کو بلایا ہوگا۔" یوسف نے کہا۔" ہاں شاید ایسا ہی ہو۔ مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اب انور صاحب ان کے ساتھ کیوں آ رہے ہیں۔"

بڑی بی نے کہا۔" رحمت اللہ کہتے تھے صاحب کہیں اور شادی نہیں کریں گے۔ وہ انور صاحب کو آپ کے دکھانے کے واسطے لا رہے ہوں گے۔" یوسف نے کہا یہاں کسی کو لاکر دکھانے کی کیا ضرورت تھی میں تو شروع ہی سے کہہ رہی تھی۔ کہ مجھے وہاں پہنچا دیں مگر خبر نہیں کیا مصلحت تھی نجمی صاحب ہمیشہ ٹالتے رہے۔ بڑی بی نے کہا یہ تو بات نہیں معلوم ہوتی۔ پرسوں ہی تو صاحب نے کہا تھا دو تین روز میں دیکھو جلسہ ہے وہ تو تار آنے سے گھبرا کر چلے گئے نہیں تو آپکو ضرور ساتھ لیجاتے انہیں آپ کی تکلیف کا بہت خیال ہے۔"

رحمت اللہ نے باہر سے پوچھا بڑی بی کیا بات ہے۔ ابھی تک یوسف میاں سوئے نہیں۔ کوئی کہانی شروع کردوں؟ بڑی بی نے کہا۔ "ہاں بھیا کہانی تم بڑی اچھی کہتے ہو۔ کتنی یاد ہیں۔" رحمت اللہ نے کہا۔ "میرا کیا پوچھتی ہو سینکڑوں کہانیاں یاد ہیں۔ پورا قصہ تو حاتم طائی کا رٹا پڑا ہے۔ چہار درویش نوک زبان ہے گل بکاولی۔ جان عالم کا طوطا۔ اور الف لیلیٰ کی بہت سی کہانیاں آتی ہیں۔ اور خدا تمہارا بھلا کرے بے نظیر بدر منیر کا قصہ یاد ہے جو کہو سنا دوں۔ بولو کونسی سنو گی بڑی یا چھوٹی۔"

بڑی بی نے کہا۔ "کوئی چھوٹی سی سنا دو۔" یوسف نے بڑے بی کو اشارے سے منع کیا۔ بڑی بی نے رحمت اللہ سے کہا۔ "اب رہنے دو صاحب آتے ہونگے۔ کہانی ادھوری رہ جائیگی۔" رحمت اللہ نے پوچھا کیا بجا ہے؟ یوسف نے کہا ساڑھے گیارہ۔" رحمت اللہ نے کہا پھر تو میں ایک چھوٹا سا چٹکلا سنائے دیتا ہوں۔ بڑی بی ہنکارہ بھرتی جانا۔ ایک گاؤں میں سات خیلائیں رہتی تھیں۔ دن بھر سوت کاتا کرتی تھیں جب بہت سا جمع ہو جاتا تھا۔ تو بازار میں بیچ آتی تھیں۔ ایک دفعہ گھر سے نکلتے نکلتے شام ہو گئی۔ جب شہر میں پہونچیں تو رات کے بارہ بج گئے تھے۔۔ سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ انھوں نے ان عورتوں کو دیکھ کر ٹوکا۔ "ارے کہاں جاتی ہو؟ خیلاؤں نے جواب دیا سوت بیچنے جا رہے ہیں۔ سپاہیوں کو شبہ ہوا کہ معلوم نہیں کون عورتیں ہیں کہاں سے چوری کر کے بھاگی ہیں۔ اُس نے سب کو کوتوالی پہنچا دیا۔ ساتوں کی ساتوں حوالات میں بند کر دی گئیں۔ اب ایک دوسرے سے کہنے لگیں۔ بہن کوئی بات کرو کہ رات کٹے ایک بولی آپ بیتی کہیں یا پرائی بیتی؟ دوسرے نے کہا بہن آپ بیتی کہو۔ ساتوں اس پر راضی ہو گئیں۔ ایک نے کہا بہن میرا میاں سوداگر تھا۔ روپئے پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی نوکر چاکر لونڈی۔ غلام۔ اللہ کا دیا گھر میں سب کچھ تھا۔ کیوڑہ۔ زعفران۔ مشک وغیرہ سفیدہ گودام کے گودام گھر میں بھرے پڑے تھے۔ میرے میاں انہیں چیزوں کی تجارت کرتے تھے۔ مگر وہ ہمیشہ مجھ سے یہی کہا کرتے تھے۔ کہ اللہ کا دیا گھر میں سب کچھ موجود ہے۔ مگر نہ تو تم گھر کو صاف رکھتی ہو نہ تو کچھ پہنتی اوڑھتی ہو۔

میرا دل چاہتا ہے۔ جب گھر میں آؤں صاف ستھرا گھر ہو۔ تم بنی سنوری گاؤ تکیہ سے لگی بیٹھی ہو بہن روز یہ باتیں سنتے سنتے میرا جی جل گیا۔ ایک دن میاں تو کہیں باہر گئے ہوئے تھے میں نے کیا کام کیا کہ لونڈیوں ماماؤں کو ساتھ لگا کر سب گودام کھول ڈالے اور بڑی بڑی دیگیں نکلوا کر جتنی زعفران تھی سب ایک دیگ میں ڈال کر گلاب اور کیوڑے کے کنستر اس میں چھوڑ دیئے دوسری دیگ میں سفیدہ بھگو دیا۔" رحمت اللہ یہیں تک کہنے پایا تھا۔ کہ کسی کے پیر کی آہٹ معلوم ہوئی اس نے آواز دیکر پوچھا کون ہے۔ کیا صاحب آ گئے؟ یوسف کمرے کے دروازے کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے رحمت اللہ لالٹین لیکر اٹھا۔ دو آدمی خاکی کپڑے پہنے منہ پر ڈھاٹے باندھے ہاتھوں میں پستول لئے ہوئے بالکل برآمدہ کے قریب آ گئے۔ اس سے پہلے کہ۔۔ رحمت اللہ کچھ بولے ایک آدمی نے جھپٹ کر اس کو دبوچ لیا۔ دبلا پتلا بڈھا آدمی ہاتھ پیر بھی نہیں ہلا سکا۔ دوسرا شخص کمرے کی طرف بڑھا یوسف گھبرا کر بڑی بی سے لپٹ گئے۔ بڑھیا نے زور سے ایک چیخ ماری اس آدمی نے بڑی پھرتی سے بڑھیا کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اسے دھکا دیا اور یوسف کا ہاتھ پکڑ کر الگ کھینچ لیا۔ پھر بڑی بی کے ہاتھ پیروں میں رسی باندھ کر پلنگ پر ڈال دیا دوسرے آدمی نے یہی سلوک رحمت اللہ کے ساتھ کیا۔ اس کے بعد دونوں یوسف کی طرف متوجہ ہوئے۔ یوسف کا رنگ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔ وہ نیم بیہوشی کے عالم میں تصویر کی طرح ایک کونے میں کھڑے تھے ان میں سے ایک شخص نے رومال پر کوئی چیز چھڑک کر یوسف کے ناک اور منہ پر باندھ دیا۔ اس کے بعد نہایت اطمینان سے۔۔ یوسف کو اٹھا کر باہر نکل گئے۔ زیادہ سے زیادہ دس منٹ اس کارروائی میں لگے ہونگے

ٹھیک بارہ بجے نجم الزماں کی موٹر کوٹھی میں داخل ہوئی۔ باہر کے برآمدہ میں ایک نوکر سو رہا تھا۔ نجمی نے زور زور سے موٹر کا ہارن بجایا نوکر گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر کے کمرے کھولے گئے انور زماں بھی نجمی کے ساتھ تھے انھوں نے جمائی لیتے ہوئے نجمی سے کہا کانپور میں بہت دیر ہو گئی اب تو بارہ بج گئے مجھے نیند آ رہی ہے۔" نجمی نے کہا آپ نے خود ہی دیر لگائی۔" انور نے کہا "نہ تم فلم دیکھنے جاتے نہ اتنی دیر لگتی۔" نجمی نے کہا بہت دن سے تصویر کی تعریف سن رہا تھا ہے اچھی مگر اسمیں کوئی خاص دیر نہیں لگی۔ دس بجے گھر آ گیا تھا۔

خیر ابھی تو بارہ ہی بجے ہیں۔ آپ میرے بستر پر لیٹ جائیے میں رحمت اللہ کو بلواتا ہوں۔ وہ میرے لئے دوسرا بستر بچھا دے گا۔" نجمی نے نوکر سے پوچھا کیا رحمت اللہ سو گیا؟ نوکر نے جواب دیا "حضور گیارہ بجے تک تو جاگ رہے تھے۔ اب خبر نہیں نجمی نے ذرا زور سے کہا تمہیں کیا خبر ہو گی تم خود پڑے سو رہے تھے ہمارے دونوں کتے کہاں ہیں۔ انکی آواز بھی نہیں ہے۔" نوکر نے کہا "حضور کتے تو رحمت اللہ کی طرف رہتے ہیں"

نجمی نے کہا اور چوکیدار کہاں ہیں۔ ہمارے پیچھے تم سب لوگوں کو خوب آزادی مل جاتی ہے۔ جاؤ رحمت اللہ کو جگا کر لاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد نوکر نے آکر جواب دیا۔ حضور بہت آوازیں دیں مگر رحمت اللہ نہیں اٹھتے۔"

نجمی نے کہا رحمت اللہ کی نیند تو ایسی نہیں ہے۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ نوکر نے کہا۔ حضور دروازہ تو کھلا ہوا ہے۔ نجمی نے پوچھا کیا روز صحن کا دروازہ کھلا رکھتے تھے؟ نوکر نے کہا جی نہیں آٹھ بجے سے بند کر لیتے تھے۔"

نجمی پریشان ہو کر کھڑے ہو گئے۔ ہینچی کیس میں سے اپنا ٹارچ نکالا۔ انور نے پوچھا تم کہاں جاتے ہو میرا خیال ہے تمہارے انتظار میں دروازہ کھلا رکھا ہو گا۔"

نجمی نے کہا۔ "نہیں انور بھائی میں کبھی اُس طرف سے نہیں جاتا وہ دروازہ تو دن کے وقت بھی بند رکھواتا ہوں۔"

انور بھی نجمی کے ساتھ ساتھ کھڑے ہو گئے دونوں انگنائی کے دروازہ کی طرف آئے نجمی کا پیر کسی سخت چیز پر پڑا انھوں نے ٹارچ کی روشنی ڈالی تو ایک پستول تھا۔ انور نے پوچھا کیا چیز ہے۔" نجمی نے جواب دیا دیکھئے پستول معلوم ہوتا ہے۔ انور نے اٹھا کر دیکھا تو بھرا ہوا پستول تھا۔

نجمی نے پریشانی کے لہجہ میں کہا بڑا غضب ہو گیا انور بھائی میں اندر نہیں جاتا خبر نہیں یوسف کو کس حال میں دیکھوں گا۔ افسوس میری غلطی سے اس کی جان گئی۔ اب میں کیا کروں۔"

انور خود گھبرائے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا تم چلو تو سہی بغیر دیکھے کیوں

ایسا خیال قائم کر لیا۔" نجمی نے کہا "یہ پستول آخر کہاں سے آیا؟" انور نے کہا "پستول ابھی چلایا نہیں گیا ہے۔ اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ تم گھبراؤ نہیں اندر تو چلو۔" دونوں انگنائی میں آئے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لیمپ بدستور جل رہا تھا۔ برآمدہ میں لالٹین رکھی تھی۔ رحمت اللہ بھی اپنے پلنگ پر سو رہا تھا۔ انور نے نجمی سے کہا۔ "یہاں تو سب معاملہ ٹھیک ہے۔ رحمت اللہ بھی سو رہا ہے۔ تم فضول گھبرا گئے۔ نجمی نے اسی گھبراہٹ کی حالت میں کہا "یہ پستول کیا بتاتا ہے۔"

انور نے کہا۔ "تم آؤ تو سہی"

نجمی نے برآمدہ میں پہنچ کر زور سے رحمت اللہ کو آواز دی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انور نے ٹارچ کی روشنی ڈالی رحمت اللہ چارپائی پر رسّی سے بندھا پڑا تھا۔ ناک سے خون جاری تھا۔ منہ پر ایک کپڑا بندھا ہوا تھا۔ نجمی پریشانی کے عالم میں کمرے میں گھس گئے وہاں بڑی بی کو اسی حالت میں پایا انکی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ یوسف کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ نجمی اپنا سر پکڑ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔۔۔

انور نے جلدی سے بڑی بی کے منہ سے کپڑا نکالا ان کی باچھیں کٹ گئی تھیں۔ منہ سے خون نکل رہا تھا۔ مگر ہوشیار تھیں۔ انور نے نجمی سے کہا پہلے اپنے حواس درست کرکے کوئی تدبیر کرو ذرا سا پانی مجھے دو میں ان کے حلق میں ڈالوں شاید یہ کچھ حال بتا سکیں؟

نجمی بالکل خاموش تھے اُنھوں نے صراحی میں سے پانی لاکر دیا انور نے بڑی بی کی رسیاں کھول کر اُن کے منہ میں چند قطرے پانی کے ٹپکائے۔ نجمی نے پوچھا "یوسف کہاں ہیں؟ بوڑھیا نے بڑی مشکل سے کہا لے گئے" نجمی نے پوچھا کون لوگ تھے؟ کیسے لے گئے؟ بڑی بی کا سانس ابھی تک قابو میں نہیں تھا۔ وہ کچھ بولنا چاہتی تھیں مگر بول نہیں سکتی تھیں نجمی نے کہا انور بھائی میں جاتا ہوں۔ انور نے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ نجمی نے جواب دیا یوسف کی تلاش میں۔" انور نے کہا۔ "بھائی ذرا صبر تو کرو ابھی بڑی بی کے حواس درست ہو جاتے ہیں کچھ پتہ نشان تو معلوم ہو۔ تم ذرا کسی نوکر کو بلاؤ تھوڑا سا گرم دودھ

لائے ہیں اِنکے مُنہ میں ڈالوں۔ اور رحمت اللہ بیچارہ اُسی حالت میں پڑا ہے۔ خبر نہیں زندہ بھی ہے یا نہیں جلدی کسی آدمی کو بلاؤ۔

نوکر خانساماں اور ایک چپڑاسی جو نجمی کے ساتھ گیا تھا گھبرائے ہوئے آئے انور نے چپڑاسی سے کہا۔ "تم جلدی ڈاکٹر صاحب کو لیکر آؤ۔" نجمی نے کہا پہلے... ڈی۔ایس۔پی صاحب کے ہاں جاکر یہاں کا سب حال کہو اور انکو فوراً لیکر آؤ۔" خانساماں اور دوسرا نوکر رحمت اللہ کی دیکھ بھال کرنے لگے۔ انور نے چمچے سے تھوڑا تھوڑا دودھ بڑی بی کے حلق میں ٹپکایا تھوڑی دیر میں بڑھیا کے اوسان... درست ہوئے نجمی نے پوچھا یوسف کے اوپر پستول تو نہیں چلایا تھا؟ بڑھیا نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ "نہیں۔" نجمی نے پوچھا تم نے کسی کو پہچانا کون آدمی تھے؟ بڑی بی نے رک رک کر کہا منہ پر ڈھاٹے تھے۔ مگر ایک آدمی کو پہچانا۔" نجمی نے گھبرا کر پوچھا کون آدمی تھا؟ بڑی بی نے کہا۔ "مرزا کا لڑکا۔" نجمی نے کہا دوسرا کون تھا؟ بڑی بی نے کہا "میں نہیں جانتی۔ کالا کالا تھا۔" نجمی نے پوچھا کس طرح لیگئے؟

بڑی بی نے کہا۔ "رومال پر دوا چھڑک کر ناک پر باندھ دیا اور گود میں اُٹھا کر لیگئے۔" بڑھیا اِتنا کہکر رونے لگی۔" نجمی وہی پستول اُٹھا کر کھڑے ہو گئے انور نے ہاتھ پکڑ کر کہا کیا کرنے ہو؟ نجمی نے کہا۔ "کرنا کچھ نہیں جارہا ہوں۔"

انور نے کہا۔ "ذرا ٹھہر جاؤ۔ ڈی۔ایس۔پی کو آجانے دو۔" نجمی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا میں نہیں ٹھہر سکتا جتنی دیر لگے گی اتنا ہی خطرہ زیادہ ہے۔ آپ اس وقت مجھے نہ روکئے۔" انور نے پوچھا آخر کس طرف جاؤ گے؟ نجمی نے کہا جس طرف میرا دل کہیگا۔ آپ یہاں کا انتظام کیجئے۔"

نجمی بڑی تیزی سے کمرے کے باہر نکل گئے۔" انور نے کہا۔ "کیا..... غضب کرتے ہو میں تمھیں تنہا کبھی نہیں جانے دونگا۔ ٹھہرو میں بھی چلتا ہوں۔"

نجمی نے کہا آپ کی ضرورت نہیں ہے۔" سروپ کمار آتے ہوں گے انکو میرے پیچھے لکھنؤ بھیجدیجئے گا۔" انور نے کہا تمھیں کیا خبر کہ وہ لوگ لکھنؤ گئے ہیں۔

نجمی نے کہا اور کہاں جائیں گے۔ کانپور کی طرف سے تو ہم آ ہی رہے تھے۔
آپ مجھے جانے دیجئے دیکھئے ایک بج چکا وہ لوگ کبھی کے پہنچ گئے ہونگے۔"
نجمی دوڑ کر موٹر کے پاس پہنچ گئے۔ انور بھی انکے پیچھے دوڑے "۔ خدا کے واسطے نجمی ذرا ٹھہرو۔ چپڑاسی کو تو آجانے دو۔ اکیلے کہاں جارہے ہو۔ نجمی نے موٹر اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا "میں اب ایک منٹ نہیں ٹھہر سکتا"۔ اسی وقت سروپ کمار ڈپٹی۔ ایس پی اپنی موٹر پر آ گئے۔ نجمی کو ذرا رکنا پڑا۔ سروپ کمار نے موٹر روکتے ہی چلا کر پوچھا کیا واقعہ گزرا؟ نجمی نے کہا تم جلدی میری موٹر پہ آجاؤ۔ راستہ میں بتادونگا۔" سروپ کمار نے کہا بغیر واقعہ معلوم کئے میں کیا کر سکتا ہوں انور زماں نے کھڑے کھڑے سرسری طور سے کچھ حالات بتائے۔" سروپ کمار نے پوچھا وہ لڑکی کون تھی؟ نجمی نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر موٹر پہ بٹھاتے ہوئے کہا ابھی سب بتادونگا۔" سروپ کمار کے ساتھ ایک داروغہ اور دو کانسٹبل بھی تھے اُنھوں نے داروغہ جی کو سب باتیں سمجھا کر اپنی موٹر پہ بٹھایا اور نجمی کے ساتھ خود بیٹھ گئے آگے نجمی کی موٹر اور پیچھے داروغہ جی والی موٹر روانہ ہوئیں۔ نجمی موٹر بہت تیز چلا رہے تھے۔ اور سروپ کمار سے باتیں کرتے جا رہے تھے۔ داروغہ جی نے بھی موٹر تیز کردی تھی تھوڑی دور آگے چل کر داروغہ جی نے چلا کر کہا ڈپٹی صاحب ہماری موٹر آگے چلنے دیجئے۔" سروپ کمار نے نجمی سے کہا ذرا موٹر کی رفتار دھیمی کرو۔ داروغہ جی کچھ کہہ رہے ہیں۔" نجمی نے موٹر دھیمی کرلی۔ داروغہ جی کی موٹر بالکل پیچھے آکر لگ گئی۔ سروپ کمار نے گردن نکال کر پیچھے مڑ کر پوچھا داروغہ جی کیا کہتے ہو؟
داروغہ جی نے جواب دیا حضور ہماری موٹر آگے چلنے دیجئے۔" نجمی نے کہا نہیں ہم آگے چلیں گے پیچھے خاک اُڑتی ہے کچھ نظر نہیں آتا۔" سروپ کمار نے داروغہ جی سے کہا نہیں ہماری ہی موٹر آگے چلے گی۔" داروغہ جی نے کہا "حضور میں ایک میل آگے نکالے لیتا ہوں۔ مگر مصلحت یہی ہے کہ ہماری ہی موٹر آگے چلے۔" سروپ کمار نے نجمی سے کہا۔
"داروغہ جی کی موٹر ہی کو آگے جانے دو وہ تجربہ کار آدمی ہیں۔" نجمی نے کہا خدا تم پولیس والوں سے بچائے میں نہ ڈالے ابھی تک میں دس میل آگے نکل گیا ہوتا۔" سروپ کمار نے

داروغہ جی سے کہا آپ بڑھ جائیے اپنی موٹر مگر ذرا تیز چلوائیے۔ جنٹ صاحب کو بہت جلدی
ہے۔" داروغہ جی نے موٹر آگے نکال لی اور کوئی پچاس میل کی رفتار سے بڑھوا کر پھر تیس میل
سے چلوانے لگے۔ نجمی کو بھی مجبوراً اپنی موٹر تیس میل پر لانی پڑی۔ انھوں نے جھلا کر سروپ
کمار سے کہا۔ "دیکھا تم نے داروغہ نے کیا بدمعاشی کی ہے۔ اب گرد و غبار کی وجہ سے
میں بھی اپنی موٹر تیز نہیں کر سکتا۔ ان لوگوں کے ہاتھ تو کوئی کیس لگ جانا شرط ہے اپنی...
کارگزاری دکھانے کیلئے معاملہ کو طول دینا چاہتے ہیں۔ اب بتاؤ کس طرح جلدی پہنچ سکتے ہیں
یہاں ایک ایک منٹ قیمتی ہے۔" سروپ کمار نے سگریٹ جلاتے ہوئے بڑے اطمینان
سے کہا "چلے چلو ابھی پہنچے جاتے ہیں۔ دیکھو گھڑی میں ڈیڑھ بجا ہے۔ ایک بجے ہم چلے تھے
دس میل تک تم نے پچاس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلائی بلکہ تم اور تیز ہی کرتے جا رہے
تھے۔" نجمی نے کہا "میں تو ساٹھ ستر سے بھی تیز چلاتا اور اب تک پہنچ گیا ہوتا۔ تھوڑی دیر تم
نہ آتے تو کہیں کا کہیں نکل گیا ہوتا۔" سروپ کمار نے کہا "تم اکیلے کیا کر لیتے۔" نجمی نے جواب دیا "کچھ
نہ کچھ تو کر ہی لیتا تمھارے آنے سے اتنی دیر ہو گئی" سروپ کمار نے کہا "پہلی غلطی تو تمھاری یہ
تھی کہ اس قصہ کو تم نے مجھ سے چھپائے رکھا۔" نجمی نے غصہ سے کہا "دیکھو اس بدمعاش
نے موٹر روک لی۔" سروپ کمار نے کہا "کوئی وجہ ہوگی۔" نجمی نے کہا "وجہ کیا ہوگی پریشان
کرنا ہے۔" سروپ کمار نے کہا "انھیں فائدہ کیا ہو گا تمھیں پریشان کر کے۔" نجمی کی موٹر بھی اب
دھیمی پڑ گئی۔ داروغہ جی دوڑتے ہوئے چلے آ رہے تھے انھوں نے چلا کر کہا "حضور
سڑک کے دائیں طرف ایک موٹر کھڑی ہے۔" نجمی نے فوراً موٹر روک دی اور جلدی سے
دروازہ کھول کر اتر پڑے سروپ کمار بھی اتر پڑے داروغہ جی نے کہا۔ "حضور کوئی
ایک فرلانگ پر ایک موٹر کھڑی نظر آ رہی ہے۔ آپ لوگ یہیں ٹھہریئے میں ابھی پتہ لگا کر آتا ہوں۔"
نجمی نے کہا "ہم بھی چلتے ہیں۔" داروغہ جی نے کہا "حضور پہلے تو میں اپنے آدمیوں کو لیکر موٹر
کے پیچھے سے جا کر دیکھ لوں۔ ابھی حضور کا جانا مناسب نہیں ہے۔ شاید ڈاکوؤں
کی موٹر خراب ہو گئی ہے۔ اور انہیں مجبوراً رکنا پڑا ہو۔ اسوقت وہاں جانے میں خطرہ
ہے۔ ایسا نہ ہو وہ لوگ فیر کر دیں میں نے اسی خیال سے اپنی موٹر آگے رکھی تھی میں

جانتا تھا کہ ڈاکو موٹر بہت تیز چلائیں گے ممکن ہے ٹیوب پھٹ جائے اور اُن کو ٹھہرنا پڑے حضور تو جلدی میں دیکھتے نہیں میں دیکھ بھال کر چل رہا تھا۔ سروپ کمار نے کہا اچھا آپ جلدی جا کر پتہ چلائیے۔" نجمی بھی آگے بڑھے سروپ کمار نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا ہم لوگ ذرا دور سے دیکھیں گے۔ داروغہ جی دونوں سپاہیوں کو لیکر آگے بڑھے۔ سروپ کمار نجمی کو لیکر آگے وہاں موٹر پر بیٹھ گئے اور آہستہ آہستہ موٹر کو آگے بڑھایا جس موٹر کو داروغہ جی نے بتایا تھا وہ قریب آگئی تھی لیکن کوئی آدمی اس کے قریب نظر نہیں آتا تھا۔ داروغہ جی نے دبے پاؤں موٹر کے پیچھے شیشے میں سے جھانک کر دیکھا پھر دوسرے سپاہی کو اشارے سے بلایا اُس نے دیکھ کر داروغہ جی کو بلایا۔ نجمی نے سروپ کمار سے کہا یہ لوگ کیا تماشا کر رہے ہیں کیوں نہیں موٹر میں گھس جاتے۔" نجمی خود پستول ہاتھ میں لیکر موٹر سے کود پڑے۔ سروپ کمار بہتیرا روکتے رہے مگر وہ آگے بڑھ گئے مجبوراً سروپ کمار کو پیچھے جانا پڑا۔ نجمی نے بڑی تیزی سے موٹر کے قریب پہنچکر اُس کا دروازہ کھول دیا۔ ایک ہاتھ میں پستول تھا۔ دوسرے میں ٹارچ۔ سروپ کمار پیچھے تھے۔ انھوں نے داروغہ جی سے ڈانٹ کر کہا آگے کیوں نہیں بڑھتے؟"

تین چار ٹارچوں کی روشنی ایک ساتھ موٹر کے اندر پڑی دو آدمی بے حس و حرکت موٹر میں پڑے تھے۔ داروغہ جی نے کہا حضور یہ تو کچھ اور ہی معاملہ نظر آتا ہے۔ دو آدمی جکڑے پڑے ہیں۔" سروپ کمار نے کہا موٹر سے باہر نکالو اور ان کی تلاشی لو۔ سپاہیوں نے دونوں آدمیوں کو گھسیٹ کر باہر نکالا۔ نجمی موٹر کے اندر گھس گئے اور ٹارچ کی روشنی میں ایک ایک چیز اُٹھا کر دیکھنے لگے۔ موٹر کی گدیاں نکال کر باہر پھینکدیں۔ مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ نجمی نے پریشانی کے لہجہ میں کہا یہاں تو اور کوئی نہیں ہے۔" سروپ کمار نے کہا ٹھہرو اُن سے پوچھا جاتا ہے۔ سپاہیوں نے دونوں آدمیوں کی تلاشی لی ایک کی جیب میں سے ایک پستول اور کچھ نوٹ نکلے۔ نجمی نے ٹارچ کی روشنی میں دونوں کی صورت دیکھی اور حیرت زدہ ہو کر سروپ کمار سے کہا یہ دونوں تو میرے پاس آچکے ہیں۔ ایک کا نام ہیگل ہے اور دوسرے کا نام نہیں جانتا یہ ضرور مرزا کا ہوگا ہے۔ سروپ کمار نے کہا اور

وہ لڑکی کیا جنات تھی - کہ اُن کے پنجے سے نکل بھاگی۔ نجمی نے کہا اب مجھے اُس کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی معلوم ہوتا ہے - ان ظالموں نے اُس کو کہیں ڈال دیا ہے۔ نجمی پریشانی کی حالت میں اِدھر اُدھر ڈھونڈنے لگے - سروپ کمار اِن کے پیچھے تھے۔ نجمی نے کہا۔ "میرا جی چاہتا ہے یہی پستول اِن دونوں کے مار دوں۔" سروپ کمار نے کہا جب کسی کے سر پر عشق کا جنون سوار ہوتا ہے تو اس کی عقل بھی ماری جاتی ہے - بھلے آدمی یہ تو خیال کرو وہ کمبخت خود ہی موٹر میں بندھے پڑے تھے کیا یوسف کی روح نے باندھ دیا تھا انکو۔"

نجمی نے کہا مگر یوسف تنہا تو اِن دونوں کو نہیں باندھ سکتے تھے - ان دونوں نے خود ہی ایک دوسرے کو باندھ دیا ہوگا میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سروپ کمار نے کہا ارے بھئی تمھارا دماغ اسوقت بالکل ہی بیکار ہو رہا ہے -"

داروغہ جی نے کہا - "حضور اِن دونوں کی تلاشی لے لی - ایک آدمی کی جیب میں سے پستول اور نوٹ نکلے ہیں - سروپ کمار نے پوچھا وہ لوگ کہتے کیا ہیں ؟

داروغہ جی نے جواب دیا۔ "وہ کہتے ہیں ڈاکوؤں نے باندھ کر ڈال دیا تھا -" سروپ کمار نے کہا - "چلو ہم خود چل کر پوچھتے ہیں۔" نجمی نے کہا - "میں اُن کے قریب نہیں جاؤنگا میرے ہاتھ سے ایک آدھ کا خون ہو جائیگا۔" سپاہی دونوں آدمیوں کو پکڑے کھڑے تھے - سروپ کمار نے پوچھا تمھارے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا کس نے تمھیں باندھا تھا - اِن میں سے ایک نے کہا ہم لوگ لکھنؤ جا رہے تھے - ہماری موٹر خراب ہوگئی اُس کو ہم لوگ ٹھیک کرنے لگے - سامنے والے درختوں میں سے چار پانچ آدمی ڈنڈے لئے ہوئے آئے اور اُنھوں نے مار پیٹ کر باندھ کر ڈال دیا۔" سروپ کمار نے پوچھا اور تمھارے ساتھ کون تھا ؟ اُس آدمی نے کہا - "آپ نے دیکھ تو لیا ہم دو ہی آدمی ہیں -" سروپ کمار نے کہا جنٹ صاحب کی کوٹھی سے جس لڑکی کو لیکر آئے تھے - وہ کہاں ہے ؟ دونوں نے جواب دیا ہم تو کسی کو نہیں لائے ہیں خود ڈاکوؤں نے لوٹ لیا سروپ کمار نے کہا اچھا ہم ابھی پوچھے لیتے ہیں - داروغہ جی ذرا ہنٹر تو لاؤ یہ ہمیں اُلّو بنانا چاہتے ہیں۔" داروغہ جی تو اسی بات کے منتظر ہی تھے -

اُنھوں نے پانچ سات ہنٹر کس کر لگائے دوسرا ساتھی ڈر گیا۔ اُس نے گھبرا کر کہا "میں بے قصور ہوں ابھی سارا حال بتاتا ہوں۔ سروپ کمار نے کہا "داروغہ جی ہاتھ روک لو"
مائیکل نے کہا۔" صاحب اس آدمی نے اُس لڑکی کو وہاں سے نکالا اور موٹر میں لیکر ہم لوگ روانہ ہوئے ہماری موٹر لکھنو کی طرف بڑی تیزی سے جا رہی تھی۔ یہاں سے تھوڑی دور پیچھے کی طرف ایک موٹر کھڑی تھی وہ شاید خراب ہو گئی تھی۔ دو آدمی ٹھیک کر رہے تھے۔ ہم لوگ تیزی سے نکلے چلے آئے۔ اس جگہ آکر ہماری موٹر کا ٹیوب پھٹ گیا ہم اُتر کر دوسرا پہیہ بدلنے لگے۔ اتنی دیر میں وہ موٹر بھی آگئی ہماری موٹر کو کھڑا دیکھکر اُنھوں نے اپنی موٹر روک لی۔ اس میں سے دو سکھ اُتر کر آئے اُن کے پیچھے ایک انگریز تھا۔ اُن لوگوں نے ہمیں موٹر میں باندھ کر ڈال دیا اور اُس لڑکی کو نکال کر لیگئے" سروپ کمار نے کہا یہ سب باتیں تم نے سچ کہی ہیں؟ مائیکل نے کہا۔ "میں نے آپ سے بالکل سچ کہا ہے"
سروپ کمار نے دوسرے آدمی سے کہا "تم بولو" اُس نے کہا جو کچھ اس نے کہا ہے ٹھیک ہے"

سروپ کمار نے داروغہ جی سے کہا۔ "ان دونوں آدمیوں کو ہماری موٹر میں بٹھا کر لیچلو۔ ایک سپاہی کو انکی موٹر کی دیکھ بھال کیلئے یہاں چھوڑ دو۔ صبح ان لوگوں کی مرمت ہوگی۔" داروغہ جی نے ان دونوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر موٹر میں بٹھا لیا" سروپ کمار نے نجمی سے کہا "اب چلو یہ لوگ خوب ملے"۔ نجمی نے کہا بیکار ملے۔ جس تلاش میں نکلا تھا اُس کو تو نہیں پایا" سروپ کمار نے کہا جن لوگوں سے خطرہ تھا وہ تو ہاتھ آ گئے۔ اب اُن سے شاید اور کچھ حال معلوم ہو۔ ابھی اچھی طرح مار نہیں پڑی ہے۔" نجمی نے کہا۔ "جو کچھ ان لوگوں نے بتایا ہے کبھی تو معلوم ہوتا ہے۔ صحیح ہے اور کبھی خیال ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے کسی دوسری موٹر پر یوسف کو چلتا کر دیا ہے اور ان کے ساتھیوں نے ان کو باندھ کر ڈال دیا ہو تاکہ کسی کو ان پر شبہ نہ ہو" سروپ کمار نے کہا اس بات کا تو وہ خود اقبال کرتے ہیں کہ اس لڑکی کو تمھارے ہاں سے لیکر آئے تھے۔ اب ہم کیا بالکل گدھے ہیں۔ کہ ان کو چھوڑ دیں گے اور پھر وہ اپنے مقصد میں

کامیاب ہو جائیں۔" نجمی نے کہا۔ "تمہیں تم نہیں جانتے وہ نواب بنن بھی تو اس لڑکی کی تلاش میں ہو گئے۔ میرے خیال میں ان لوگوں نے دوسری موٹر پر بٹھا کر اس کو نواب کے ہاں بھجوایا ہے۔
سروپ کمار نے کہا خیر اس وقت تو تم واپس چلو صبح نواب کے ہاں چلیں گے۔" نجمی نے کہا صبح تک خبر نہیں کیا کا کیا ہو جائیگا۔ میں تو اسی وقت جانا چاہتا ہوں۔" سروپ کمار نے کہا۔ "اگر اس بات کی تحقیق ہوتی کہ وہ لڑکی نواب ہی کے ہاں ہے تو اسی وقت چلتے چلتے مگر صرف شبہ پر تین بجے رات کو ایک معزز آدمی کے گھر کی تلاشی لینی میری رائے میں مناسب نہیں ہے آگے تمھیں اختیار ہے۔ میں ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔" نجمی نے کچھ سوچ کر کہا خیر تمھاری رائے نہیں ہے۔ تو واپس ہی چلو۔" سروپ کمار نے موٹر اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "گھر چل کر سب حالات تفصیل کیساتھ مجھے بتانا تاکہ میں اس کے مطابق کارروائی کروں۔" صبح چار بجے کے قریب یہ لوگ واپس پہنچے سروپ کمار نے تمام واقعات انور زماں کو سنائے انہوں نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا ضرور یوسف کو کوئی اور لوگ ان بدمعاشوں سے چھڑا کر لے گئے۔ مگر نجمی کو یقین نہیں آتا تھا۔ اس کا خیال تھا۔ کہ نواب بنن کے پاس یوسف کو پہنچا دیا گیا ہے۔ وہ پریشانی کی حالت میں کمرے میں ٹہل رہے تھے رحمت اللہ بھی اب ہوشیار ہو گیا تھا سروپ کمار نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "اس وقت تو میں جا رہا ہوں۔ صبح آٹھ بجے تک آ جاؤنگا۔" نجمی نے کہا۔ تم رات بھر کے جاگے ہوئے ہو جا کر سو رہو میں تو اس انتظار میں ہوں۔ کہ ذرا روشنی نمودار ہو جائے اور روانہ ہوں۔"

ڈاکٹر صاحب نجمی کو ہمدردی کی نظروں سے دیکھتے ہوئے موٹر میں بیٹھ گئے سروپ کمار نے نجمی سے کہا میں ابھی تھوڑی دیر میں نہا کر آتا ہوں اب سونے کا کیا وقت ہے۔ نواب صاحب کے ہاں تم کسی قسم کی بات چیت نہ کرنا میں اور انور زماں پوچھ گچھ کریں گے۔" دن کے دس بجے سروپ کمار ڈی۔ ایس۔ پی کی موٹر نواب بنن صاحب کے پھاٹک پر جا کر ٹھہری۔ بنن صاحب حسب معمول اپنے دیوانخانہ میں گاؤ تکیہ سے لگے بیٹھے تھے۔ چاندی کا حقہ پاس رکھا تھا۔ میر صاحب کا دستور ہی تھا۔ کہ مینہ جائے آندھی جائے مگر صبح آٹھ بجے سے بارہ بجے تک بنن صاحب کے ہاں بیٹھنا نہیں جاتا تھا۔ شہر بھر کی خبریں اور افواہیں نواب صاحب کو سنایا

کرتے تھے۔ اس وقت بھی ایک اُردو کا اخبار رکھا ہوا تھا میر صاحب چشمہ لگائے اخبار پڑھ رہے تھے۔ کلن خاں ملازم نے جاکر اطلاع دی حضور کوئی افسر لوگ آئے ہیں۔ سب سوٹ بوٹ والے ہیں ایک پولیس کی وردی پہنے ہیں سر پر بڑا سا ٹوپ لگائے ہیں۔ دو لال پگڑی والے بھی ساتھ ہیں۔"

. . . .

"نواب صاحب نے غصّہ سے کہا ابے کیا بکتا ہے۔ لال پگڑی والوں کا یہاں کیا کام ہے۔ کسی اور کے ہاں آئے ہونگے نامعقول کہیں کا۔" میر صاحب بولے کلن خان تمھیں تمیز نہیں دیکھ رہے ہو۔ اس وقت سرکار لڑائی کی خبریں سُن رہے ہیں۔ بیچ میں ایک شگوفہ چھوڑ دیا۔" کلن خاں نے کہا۔ "میر صاحب آپ فضول گرم ہوتے ہیں جاکر دیکھئے تو سہی دروازے پر موٹر کھڑی ہے۔ ایک سپاہی پوچھنے آیا تھا۔ کہ نواب صاحب گھر میں ہیں یا نہیں۔" بنن صاحب نے گھبرا کر کہا ارے بھئی یہ کیا قصہ ہے کوئی مرزا کی تلاش میں تو نہیں آیا ہم کیا جواب دیں گے وہ ظالم تو ہمیں بھی لوٹ کر لیگیا۔ مگر ہم نے حوالہ تھانہ پولیس نہیں کیا۔ اب ہمارے دروازہ پر پولیس کیسے آئی؟" میر صاحب نے کہا حضور اُس ناخلف نے تو مجھ غریب کو بھی موس لیا۔ مگر میں نے منہ سے بھاپ نہیں نکالی۔" نواب صاحب نے کہا۔ "ارے میاں تم اسوقت اپنا دکھڑا کیوں لے بیٹھے ذرا باہر جاکر دیکھو کیا معاملہ ہے۔" میر صاحب اُٹھنے بھی نہ پائے تھے۔ کہ سروپ کمار اپنی چھڑی ہلاتے ہوئے دروازے میں داخل ہوئے۔ انکے پیچھے انور زماں اور رحیم بھی تھے۔ بنن صاحب نے ان لوگوں کو آتے دیکھ کر گھبراہٹ کے لہجہ میں میر صاحب سے کہا بھئی ذرا جلدی سے ہمارے دانت تو اُٹھا دو آج ابھی تک ہم نے چوکا بھی نہیں چڑھایا تھا لاحول ولاقوۃ نہ آنکھوں میں سُرمہ ہے۔ اور نہ بالوں میں خضاب کبھی آج تک اس حُلئے سے افسران سے نہیں ملے تھے۔ بھلا وہ بھی کیا خیال کریں گے۔ ارے بھئی للہ کرسیاں تو رکھوا دو۔"

بنن صاحب اپنی دوپلیا ٹوپی سر پر رکھ کر اُن لوگوں کے استقبال کو آگے بڑھے۔ بہت جُھک کر تینوں کو تسلیمات بجالائے اور بڑے تپاک سے کرسیوں پر بٹھایا سروپ کمار نے کہا۔ "نواب صاحب آپ بھی تشریف رکھئے۔" بنن صاحب جلدی میں دانت نہیں لگا

سکے تھے۔ دو ڈھانس کی طرح منہ پر رومال رکھکر ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ نجمی قہر آلود نظروں سے انکو دیکھ رہے تھے۔ سروپ کمار نے انور زمان نجم الزماں اور اپنے متعلق نواب صاحب کو بتاکر کہا معاف کیجئے گا۔ ہم لوگ بغیر اطلاع آپ کے ہاں آگئے۔" بنن صاحب نے کہا اطلاع کی کیا ضرورت تھی حضور کا گھر ہے میں تو اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں۔ کہ حضور نے قدم رنجہ فرمایا ارے کوئی ہے پان سگریٹ پیش کرو۔" سروپ کمار نے کہا ہم لوگ آپ کے پاس ایک خاص ضرورت سے آئے ہیں۔" بنن صاحب نے جلدی سے کہا فرما۔ یئے فرمائیے جو حکم ہو میں حاضر ہوں۔"

سروپ کمار نے کہا۔ "دیکھئے نواب صاحب آپکو صحیح صحیح واقعات بتلانے ہونگے" بنن صاحب نے پریشان صورت بناکر کہا کیا مجال جو دروغ گوئی سے کام لوں۔ جو کچھ میرے علم میں ہوگا۔ حلفیہ بیان کر دونگا۔" سروپ کمار نے کہا "آپ کی بیگم صاحبہ کے پاس مس ہیلن لیڈی ڈاکٹر کی بھتیجی رہتی تھیں" نواب نے کہا۔ "جی ہاں جی ہاں بیشک رہتی تھیں" سروپ کمار نے کہا اس لڑکی کے باپ کا تار ڈاکٹر صاحب کے پاس آیا ہے۔ اسوجہ سے ہم لوگ آپکے پاس آئے ہیں۔ وہ آج کل کہاں ہیں؟

بنن صاحب پریشان ہوکر میر صاحب کی طرف دیکھنے لگے (جو ایک کونے میں دو زانو بیٹھے تھے) انور زماں نے کہا۔ "نواب صاحب! آپنے کوئی جواب نہیں دیا۔" . . .

بنن صاحب نے ٹھنڈا سانس لیکر کہا کیا عرض کروں عرصہ ہوا ان کا انتقال ہوگیا۔" نجمی کا دل نہیں مانا انھوں نے کہا۔ "ہم لوگ آپکی بیگم صاحبہ کے متعلق نہیں پوچھ رہے ہیں۔ بلکہ اس لڑکی کو دریافت کر رہے ہیں۔" بنن صاحب نے کہا۔ "حضور میں نے نور چشمی ہی کے متعلق عرض کیا ہے۔ عین عالم جوانی میں انھوں نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔"

نجمی نے پوچھا کتنا عرصہ گزرا؟ بنن صاحب نے کہا دو ماہ ہوئے۔ کیا وہ لڑکی آپکے ہاں رہتی تھی؟ بنن صاحب نے جواب دیا جی نہیں۔ جب سے گھر میں سے انتقال ہوا تھا نور چشمی میری بھاوج صاحبہ کے پاس رہتی تھیں وہیں ان کا انتقال ہوا؟ سروپ کمار نے کہا "ہمیں اس لڑکی کے باپ کو اطلاع کرنی ہے۔ سب مفصل حال بتائیے کتنے عرصے بیمار رہیں آپ نے کون کون سے ڈاکٹروں کا علاج کروایا۔" بنن صاحب نے کہا حضور علاج کی نوبت

ہی کہاں آئی دو گھنٹے ہی میں چٹ پٹ ہو گئیں۔ جیسے بلی نے کبوتر کو دبوچ لیا۔" سروپ کمار نے کہا آپ نے اس کی قبر تو پختہ بنوا دی ہوگی۔ ہم لوگ دیکھنا چاہتے ہیں۔ بنن صاحب نے گھبرا کر کہا قبر وغیرہ کے متعلق میں اپنی بھاوج سے دریافت کر کے آپکو بتاؤنگا۔ میں تو میت میں بھی شریک نہیں ہو سکا سنا ہے۔ ان کی لاش کو عیسائی لوگ لے گئے۔" نجمی نے انگریزی میں سروپ کمار سے کہا ان کو بھی دھوکا دیا گیا ہے اب تم خاموش رہو میں خود بات کروں گا۔

نجمی نے بنن صاحب سے کہا ہمیں آپکے ہاں کے کل حالات معلوم ہیں مہربانی فرما کر مرزا شاہنواز بیگ کو ہمارے سپرد کر دیجئے وہی اس لڑکی کو آپ کی بھاوج کے ہاں سے بھگا کر لے گیا تھا اور آپ سے یہ کہدیا کہ وہ مر گئی۔" بنن صاحب ہکا بکا میر صاحب کی طرف دیکھنے لگے۔ نجمی نے کہا آپ گھبرائیں نہیں ہم آپ کے کسی معاملہ میں دخل نہ دیں گے صرف آپ مرزا کو ہمارے حوالے کر دیجئے بنن صاحب نے کہا حضور وہ مردود تو دو ماہ سے غائب ہے۔ ہماری بھاوج بیچاری کا کچھ زیور بھی اس کی بیوی نے اڑا دیا دونوں لاپتہ ہیں سنا ہے اس کے لڑکے نے بھی ملازمت چھوڑ دی۔ میں نے بہت تلاش کرایا مگر کچھ پتہ نہیں چلا۔ آپ ٹھیک فرماتے ہیں۔ اسی نمک حرام نے لڑکی کو بھی غائب کیا ہوگا۔"

نجمی کھڑے ہو گئے سروپ کمار نے کہا۔" نواب صاحب ہم نے آپ کو بہت تکلیف دی معافی چاہتے ہیں۔" بنن صاحب نے کھڑے ہوتے ہوئے بڑی عاجزی کے ساتھ کہا حضور مجھے کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے ہیں۔ خود ہی نادم ہوں کہ کوئی خدمت آپکی نہیں کر سکا اور اس مرزا حرامزادے کی وجہ سے اب دیکھئے میرے اوپر کیا الزام لگایا جاتا ہے۔ مجھے اس لڑکی کے باپ کی طرف سے اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ خدا بڑھاپے میں میری عزت رکھے"۔

سروپ کمار نے کہا۔" آپ گھبرائیں نہیں ہم آپ کی مدد کریں گے۔" بنن صاحب نے دست بستہ کہا بس حضور ہی کا بھروسہ ہے۔ میں تو خادم ہوں۔" نجمی نے غصہ سے کہا نواب صاحب! آپکو معلوم تھا کہ وہ لڑکی کس کی ہے۔ اپنی عزت اور بڑھاپے کا خیال

پہلے ہی کرنا چاہیئے تھا۔"

مسروپ کمار نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے نجمی سے انگریزی میں کہا۔ کیوں بیچارے بڑھے کو ڈرا رہے ہو۔ وہ خود ہی گھبرایا ہوا ہے۔"

نجمی نے دانت پیس کر کہا تم نہیں جانتے یہ بڈھا اس لائق ہے۔ کہ اس کو گولی مار دیجائے اسی طبقہ نے ہندوستان کو برباد کیا ہے۔۔ جواری۔ شرابی چور بدمعاش دنیا بھر کے جرائم پیشہ ان لوگوں کے گھر سے پرورش پاکر نکلتے ہیں۔ انور زماں نے کہا اس میں کیا شک ہے۔" نجمی زور سے موٹر کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئے۔"

بیسواں باب

پروفیسر رفیق الزماں کی زندگی آج کل نہایت خاموشی اور روپوشی کی حالت میں بسر ہو رہی ہے۔ روزی کے بھاگنے کے بعد سے وہ بالکل ہی گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ نہ کہیں آئیں نہ کہیں جائیں۔ گھر پر بھی بہت ہی کم کسی سے ملتے ہیں۔ انھوں نے اپنی چھ ماہ کی رخصت میں دو مہینے کی اور توسیع کرائی ہے۔ اب اگر ان کو کسی بات سے دلچسپی ہے تو وہ اپنے بیٹے کی شادی ہے۔ وہ چاہتے ہیں جتنی بھی جلدی ہو سکے فاروق کی شادی کرلیں۔ کئی بار اپنی بھاوج سے فاروق کی شادی کا تقاضا کر چکے ہیں۔ فاروق کی پریکٹس بھی اب اچھی خاصی چلنے لگی ہے۔ دل کی بیماریوں کے علاج کے وہ ماہر ہیں انھوں نے اپنا پرائیویٹ کام شروع کیا ہے۔

شام کے سات بجے ہیں۔ پروفیسر صاحب اپنے مطالعہ کے کمرے میں بیٹھے ہوئے کوئی کتاب دیکھ رہے ہیں۔ فاروق نے آکر کہا۔ "پاپا کوئی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔" پروفیسر نے کتاب بند کرکے پوچھا۔ "کون صاحب ہیں کہاں سے آئے ہیں۔" فاروق نے جواب دیا کوئی یورپین ہیں۔ دو آدمی ہیں۔ ایک نے فیلڈن اپنا نام بتایا ہے پروفیسر نے کچھ سوچ کر کہا۔ میرے ملنے والوں میں تو کوئی اس نام کے نہیں ہیں۔ تم خود ان

سے مل کر بات چیت کر لو۔ جانتے ہو میں آج کل اپنے ملاقاتیوں سے بھی کم ملتا ہوں؟
فاروق نے کہا وہ تو مع سامان کے ٹیکسی پر آئے تھے۔
پروفیسر نے کہا کہاں سے آئے ہیں؟ فاروق نے کہا وہ کہتے ہیں بمبئی سے آئے ہیں۔ آپ سے کوئی خاص کام ہے۔" پروفیسر نے کتاب میز پر رکھ کر کہا۔ خاص کام کیا ہوگا۔ خیر تم چلو میں کپڑے پہن کر آتا ہوں۔" پانچ منٹ کے بعد پروفیسر رفیق الزماں ملاقاتی کمرے میں آئے۔ مسٹر فیلڈن اور ان کے ساتھی نے کھڑے ہو کر ہاتھ ملایا پروفیسر کچھ متحیر ہو کر دونوں کو دیکھنے لگے۔ مسٹر فیلڈن نے مسکرا کر پوچھا کیا آپ ہی مسٹر رفیق الزماں ہیں؟ پروفیسر نے کہا جی ہاں میرا ہی نام رفیق الزماں ہے۔ فیلڈن نے فاروق کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ آپ کے کیا ہیں؟" پروفیسر نے کہا۔ ہاں یہ میرا لڑکا ہے۔ اس کا نام فاروق رفیق ہے۔" مسٹر فیلڈن نے کہا اس وقت میرے آنے سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔" پروفیسر نے کہا میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوا تکلیف کی کوئی بات نہیں۔" مسٹر فیلڈن نے کہا۔ مجھے آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا مگر یہ کام کا وقت ہوتا ہے"۔ . . . .
. . . . پروفیسر نے تعجب سے پوچھا۔ . . . .
آپ مجھے کب سے جانتے ہیں؟ مسٹر فیلڈن نے جواب دیا بارہ برس پیشتر سے میرا اور آپ کا ایک رشتہ سا ہو گیا ہے۔" پروفیسر نے کہا شاید آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہو میں تو بارہ برس سے جاپان میں تھا۔ ابھی واپس آیا ہوں۔ کوئی چھ مہینے ہوئے۔" مسٹر فیلڈن نے کہا۔ یہ آپ کے جاپان جانے اور واپس آنے کا حال آج سے چار پانچ روز قبل معلوم ہوا ورنہ بارہ سال تک میں ایک سخت غلط فہمی میں مبتلا رہا۔ کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں آپ کے کچھ خانگی حالات دریافت کروں گا اس سوال پر پروفیسر کچھ خاموش ہو گئے۔ مسٹر فیلڈن نے کہا میرا سوال ہی ایسا ہے۔ کہ اس کے جواب میں آپ کو ضرور پس و پیش ہوگا۔ آج کل لڑائی کا زمانہ ہے۔ ہر شخص احتیاط برتتا ہے۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نہ تو کوئی جاسوس ہوں نہ خفیہ پولیس کا آدمی۔ میں تو آپ کو ایک خوشخبری سنانے

آیا ہوں ۔ مجھے لندن سے واپس آئے ایک ہفتہ ہوا ۔ پروفیسر نے کہا جب آپ حال ہی لندن سے واپس آئے ہیں تو آپ کو میرے خاندانی حالات سے کس طرح واقفیت ہوئی ۔ ؟ مسٹر فیلڈن نے کہا " میں بارہ سال پہلے کلکتہ میں تھا مجھے کچھ ایسے حالات معلوم ہیں ۔ جن سے آپ ابھی تک بے خبر ہیں ۔ اگر اجازت دیں تو میں آپ سے کچھ دریافت کروں " پروفیسر نے کہا بڑی خوشی سے پوچھیے "

مسٹر فیلڈن نے کہا ۔ " پہلے تو آپ یہ بتائیے کہ آپکے کتنے بچے ہیں " ؟ پروفیسر نے کہا ۔ میرا صرف یہ ایک لڑکا ہے " مسٹر فیلڈن نے مسکرا کر کہا کوئی لڑکی نہیں ہے ؟ پروفیسر نے ٹھنڈا سانس لیکر کہا " ایک لڑکی بھی تھی لیکن اس کا قصہ بڑا دردناک ہے ۔ بس اتنا کہدینا کافی ہے ۔ کہ وہ سمندر میں ڈوب گئی ۔

مسٹر فیلڈن نے گردن ہلا کر کہا " وہ سمندر میں ڈوب گئی کیا اُس کے ڈوبنے کا پورا حال آپ مجھے بتائینگے یعنی کوئی انجان آدمی نہیں ہوں ۔ بارہ سال سے میرے اور آپ کے تعلقات خدا نے وابستہ کر دیئے ہیں ۔ یہ بات ضرور ہے ۔ کہ کبھی آپ سے ملاقات کا موقعہ نہیں ملا لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں ۔ کہ آپ مجھے اپنا سچا دوست پائینگے ۔ لڑکی کے مفصل حالات سب مجھے بتا دیجئے ۔ پروفیسر نے کہا مجھے کوئی عذر نہیں ہے ۔ مگر میں حیران ہوں ۔ کہ آپ کو ان معاملات میں کیوں اس قدر دلچسپی ہے ۔ مسٹر فیلڈن نے کہا پہلے آپ لڑکی کے ڈوبنے کا مفصل حال سنائیے ۔ پھر میں آپ کو کچھ واقعات بتاؤں گا ۔ پروفیسر نے کہا میں اپنے گھر والوں کو اپنے ساتھ جاپان لے جانا چاہتا تھا ۔ لیکن میری بیوی نے میرے ساتھ جانے سے انکار کر دیا ۔ اُس نے کہا وہ ایک مہینے کے بعد اپنے بھائی کے ساتھ جائیگی ۔ چنانچہ میں ان کو یہاں چھوڑ گیا ۔ مسٹر فیلڈن نے پوچھا آپ کے لڑکے کہاں تھے ۔ پروفیسر نے کہا یہ اپنے چچا کے پاس تھے ۔ ان کو تعلیم کی وجہ سے یہیں چھوڑ دیا تھا ۔ مسٹر فیلڈن نے کہا ہاں ٹھیک ہے ۔ اچھا تو آپ کی بچی جاپان پہنچی یا نہیں پروفیسر نے رنجیدہ لہجے میں کہا ایک مہینے کے بعد میری بیوی تنہا پہنچی اور مجھ سے بیان کیا کہ بچی کی آیا اس کو کشتی پر سیر کرانے لیگئی تھی کشتی اُلٹ گئی اور بچی ڈوب گئی ۔ مجھے

میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ فاروق کبھی مسٹر فیلڈنگ کو دیکھتے تھے۔ کبھی اُن کے ساتھی کو اور کبھی اپنے باپ کی طرف یہی حالت مسٹر فیلڈن کے ساتھی کی تھی مسٹر فیلڈن نے پروفیسر سے پوچھا آپ کی بیوی آپ کے بچّوں کی سوتیلی ماں تھی۔ پروفیسر نے روزی کے سب حالات مسٹر فیلڈنگ کو سنائے۔ مسٹر فیلڈنگ نے پوچھا۔ "روزی اب کہاں ہے؟" پروفیسر نے جواب دیا وہ مہینے سے غائب ہے نا مسٹر فیلڈنگ نے کہا۔ "اتنے عرصہ آپ کے پاس رہنے کے بعد وہ کیوں چلی گئی" پروفیسر نے کہا اس کے جانے کی وجہ یہ ہوئی کہ میرے لڑکے فاروق کو کئی خط ملے جو رام پیاری آیا نے کلکتہ سے جاپان روزی کے پاس بھیجے تھے۔ ان خطوط سے یہ پتہ چلا کہ روزی نے خود ہی آیا کے ذریعے سے لڑکی کو غائب کرایا تھا۔ ان خطوں میں یہ بھی لکھا تھا کہ اب لڑکی ایسی جگہ چلی گئی ہے۔ جہاں سے کسی کو اس کی خبر نہیں معلوم ہو سکتی مسٹر فیلڈنگ نے پوچھا کیا روزی آپ کے پاس سے کچھ زیور وغیرہ بھی لے گئی ہے۔ پروفیسر نے جواب دیا گھر کا کل قیمتی سامان اور کئی ہزار کا زیور وہ اپنے ساتھ لے گئی ہے۔ مسٹر فیلڈنگ نے کہا آپ نے روزی کے بھاگنے کی اطلاع پولیس میں نہیں کرائی۔ پروفیسر نے کہا مجھے اب نہ روزی کی گرفتاری کی فکر ہے۔ نہ زیور کا خیال اب تو میں لڑکی کی جستجو میں ہوں کئی مرتبہ فاروق کو کلکتہ بھیج چکا ہوں۔ مگر وہاں سے بھی کوئی پتہ نہیں چلا۔ یوروپ اور امریکہ میں جہاں جہاں میرے اور لڑکے کے ملنے والے تھے۔ سب کو لکھ چکا ہوں۔ مگر ابھی تک کوئی پتہ نہیں چلا۔ اب سے بڑھ کر مجھے اس بات کا خیال ہے کہ اس لڑکی کی شادی بچپن میں اُس کی ماں نے میرے بھتیجے سے کر دی تھی۔ میں نے ابھی تک اُن لوگوں کو یہ نہیں بتایا کہ اُس لڑکی کو زندہ غائب کر دیا تھا۔ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ وہ ڈوب چکی آجکل میری زندگی عجیب کشمکش کی حالت میں گزر رہی ہے۔ میں نے سب سے ملنا جلنا ترک کر دیا ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی میں آپ سے ملتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ مسٹر فیلڈنگ نے کہا میں آپ کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا رہا ہوں۔ کہ آپ نے سب مفصل حالات مجھے بتا دیئے۔ اب میری داستان سُنئے میں امریکہ کا رہنے والا ہوں میرے کوئی اولاد نہیں ہے۔ مجھے اور میری بیوی کو سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ جس زمانے میں آپ جاپان گئے تھے

میں ہندوستان آیا ہوا تھا ایک دن میں اور میری بیوی کلکتہ کے بڑے پادری صاحب کے ہاں ملنے گئے ہوئے تھے۔ وہاں ایک عورت آئی اُس کے ساتھ ایک چار پانچ سال کی نہایت خوبصورت لڑکی تھی۔ فاروق نے بات کاٹ کر کہا کیا آپ نے اُس لڑکی کو لے لیا تھا مسٹر فیلڈ ٹنگ نے کہا دیکھئے آپ مجھے پورا قصہ سنا لینے دیجئے۔ بیچ میں دخل نہ دیجئے پروفیسر نے کہا آپ فرمایئے مسٹر فیلڈ ٹنگ نے کہا میری بیوی اس بچی کو دیکھ کر بے قرار ہوگئی اور پادری صاحب سے پوچھنے لگی۔ یہ کس کی لڑکی ہے۔ پادری صاحب نے اُس عورت سے دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا وہ لاوارث لڑکی تھی اور وہ عورت اسے مشن میں داخل کرانے لائی تھی۔ پادری صاحب نے اس لڑکی کو لینے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ بہت چھوٹی تھی میری بیوی نے پادری صاحب سے کہا میں اس لڑکی کو لینا چاہتی ہوں پادری صاحب نے میری بیوی کو سمجھایا اور منع کیا انہوں نے کہا اکثر عورتیں زیور کے لالچ میں بچوں کو اُن کے گھر سے لے آتی ہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں بڑے لوگ اپنی لڑکیوں کو خوب زیور پہناتے ہیں۔ اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ زیور اُتار کر بچوں کو مار ڈالتی ہیں۔ اور جو عیسائی آیا ہوتی ہیں۔ وہ مشن میں دے دیتی ہیں۔ آپ کہاں ان جھگڑوں میں پھنستی ہیں۔ مگر میری بیوی کو وہ لڑکی ایسی پسند آئی تھی۔ کہ انہوں نے پادری صاحب کو مجبور کیا کہ وہ اس عورت سے بات چیت کر کے وہ لڑکی ہمیں دلوا دیں میں نے بھی کہا ہماری اکیلی زندگی گذر رہی ہے۔ اس لڑکی کو کہاں کہاں اپنے ساتھ لئے پھریں گے۔ مگر اُن کو تو گویا اس لڑکی کو دیکھ کر ایک جنون سا ہو گیا تھا۔ اور وہ بچی بھی میری بیوی کی گود میں آکر اُس عورت کے پاس جانے سے انکار کرنے لگی۔ مجھے بھی مجبوراً خاموش ہونا پڑا میری بیوی نے کہا اگر اس لڑکی کے وارث مل گئے تو ہم خود ان کے سپرد کر دیں گے۔ پادری صاحب نے اس عورت کا پتہ اور نام لکھ کر اس کے انگوٹھے کا نشان لگوا لیا میری بیوی نے اُسے کچھ انعام دے کر رخصت کیا۔ فاروق نے پوچھا کیا وہ لڑکی آپ ہی کے پاس ہے۔ مسٹر فیلڈ ٹنگ نے کہا یہ تو بڑی مشکل کی بات ہے۔ آپ مجھے پورے حالات نہیں بتانے دیتے"۔ فاروق پھر خاموش ہو گئے۔" مسٹر فیلڈ ٹن نے پھر اپنی باتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ مجھے اسی روز جانا تھا۔ میں نے پادری صاحب سے کہہ دیا۔ کہ اگر اس لڑکی کے وارثوں کا

پینز چلے تو مجھے فوراً اطلاع دیں اپنا پتہ میں نے لکھوا دیا۔ لڑکی بہت کم بولتی تھی مگر میری بیوی کو ایک منٹ کے واسطے نہیں چھوڑتی تھی۔ میں عجیب کشمش و پیچ میں تھا آٹھ روز کے بعد ہم لوگ جہاز پر سوار ہو گئے مگر پادری صاحب کا کوئی خط اس عرصہ میں نہیں ملا۔ مسٹر فیلڈن نے ذرا خاموش ہوکر اپنا پائپ جلایا پروفیسر سکوت کے عالم میں مسٹر فیلڈن کی باتیں سُن رہے تھے فاروق کے دل کو صبر نہیں آتا تھا انہوں نے کہا آپ نے اس لڑکی سے اُس کے ماں باپ کا حال نہیں دریافت کیا چار پانچ سال کی بچی تھی باتیں ضرور کرتی ہوگی۔" مسٹر فیلڈن نے پائپ کھینچتے ہوئے گردن ہلا کر کہا ہاں پوچھا کیوں نہیں بچی بڑی سمجھدار تھی مگر باتیں کم کرتی تھی۔ اس کے علاوہ یہ دقت تھی۔ کہ وہ بچی ہندوستانی زبان بولتی تھی۔ اور صرف میری بیوی سے بات کرتی تھی۔ جو اردو بالکل نہیں جانتی تھی میں کچھ تھوڑی سی سمجھ لیتا تھا۔ لیکن وہ لڑکی مجھ سے بھی ڈرتی تھی اور میرے سامنے منہ پھلا کر خاموش ہو جاتی تھی جہاز پر ایک انگریز مجھکو ایسے مل گئے جو خوب اچھی طرح اُردو بولتے تھے۔ مگر بچی کی خاموشی کی وجہ سے کامیابی نہیں ہوئی میری بیوی نے پھر یہ ترکیب کی کہ چند سوالات لکھوا کر یاد کئے۔ تمہارا کیا نام ہے۔ تمہارے باپ کا کیا نام تھا تمہارا گھر کہاں ہے؟ اسی قسم کے کئی سوالات انھوں نے یاد کئے اور پردے کے پیچھے اُردو سمجھنے والے صاحب کو بٹھا دیا۔ خود اُس بچی سے پوچھنا شروع کیا۔" مسٹر فیلڈن نے پھر پائپ پینا شروع کر دیا۔ فاروق نے پوچھا پھر اُس لڑکی نے اپنا نام وغیرہ بتایا؟ مسٹر فیلڈن نے مسکرا کر کہا ہاں اُس نے اپنا نام رعنا سلطان بتایا اور اپنے باپ کا رفیق الزماں اور یہ بھی کہا کہ میرے بھائی فاروق ہیں۔ وہ چچا ابا کے ہاں ہیں لیکن چچا ابا کا نام نہیں جانتی تھی چچا ابا ہی کہتی تھی۔ جب اس سے یہ پوچھا کہ تمہارے باپ کہاں ہیں۔ تو اُس نے کہا ماما کہتی ہیں وہ سمندر میں ڈوب گئے۔ پروفیسر نے ایک لمبا سانس لے کر کہا کاش ڈوب جاتے"۔ فاروق نے نہایت بے تابی سے پوچھا۔ "پہلے آپ یہ بتا دیجئے کہ وہ لڑکی زندہ ہے یا نہیں مسٹر فیلڈن نے فاروق کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا گھبراؤ نہیں پورے حالات سن لو"۔ فاروق اسوقت بہت بے چین تھے۔ انکا چہرہ سرخ ہو رہا تھا وہ کرسی سے کھڑے ہوکر ٹہلنے لگے مسٹر فیلڈن نے کہا میرے بچے دل کی اسوقت جو کیفیت ہوگی میں خوب سمجھ رہا ہوں۔ لیکن تھوڑی دیر صبر سے کام لو۔ میں

چاہتا ہوں مفصل حال سناؤں۔ فاروق نے کہا جب ننکی ماں کی طرف سے مایوسی تھی مجبوراً صبر ہی کرنا پڑا۔" لیکن اب اُمید کی جھلک نظر آرہی ہے۔ صبر نہیں ہو سکتا۔ اندر سے دل بیتاب ہے مہربانی فرما کر آپ پہلے اتنا بتا دیجئے کہ وہ زندہ ہے۔ کہ نہیں۔ مسٹر فیلڈن نے کہا اگر وہ زندہ نہ ہوتی تو میں اسوقت تمہارے پاس کبھی نہ آتا۔ سمجھ لو کہ وہ زندہ ہے۔" پروفیسر نے کہا آپ آگے کا حال بیان کیجئے۔" مسٹر فیلڈن نے کہا بچی کی باتوں سے یہ تو حال معلوم ہو گیا کہ جو کچھ اس عورت نے کہا تھا وہ غلط تھا۔ مگر کچھ صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کبھی کہتی تھی بچاری اماں مر گئیں کبھی کہتی تھی۔ اماں ہیں امریکہ پہنچنے کے بعد بھی میں برابر پادری صاحب کو لکھتا رہا کہ جس طرح ممکن ہو اس بچی کے رشتہ داروں کا پتہ لگائیں۔ مگر یا تو ان لوگوں نے توجہ نہیں کی یا درحقیقت انکو پتہ نہیں چلا۔ میری بیوی اسقدر خوش تھیں گویا انکو بادشاہت مل گئی چھ مہینے کے اندر اندر لڑکی ایسی گھل مل گئی گویا وہ ہماری ہی لڑکی تھی اپنے باپ اور بھائی کا نام بھی بھول گئی۔ اگر کوئی اس کے باپ کا نام پوچھتا تھا تو وہ فوراً میرا نام بتاتی تھی۔ میری بیوی کی کوشش اور محبت سے وہ بہت جلدی انگریزی لکھنے لگی۔ بڑی ذہین لڑکی تھی لیکن انتہائی خاموش اور شرمیلی سوائے میری بیوی کے وہ مجھ سے بھی کھل کر بات نہیں کرتی تھی۔" پروفیسر نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس لڑکی کی یہی عادت تھی۔ فاروق نے کہا آپ ذرا اس داستان کو مختصر کر دیجئے۔

مسٹر فیلڈن نے مسکرا کر پھر اپنی باتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ ایک سال تک میری بیوی نے اس لڑکی کو اسقدر پیار اور محبت سے رکھا کہ شاید انکی اپنی لڑکی بھی ہوتی تو اتنی محبت نہ کرتیں مگر خدا کو منظور نہ تھا۔" پروفیسر نے گھبرا کر پوچھا کیا کوئی اس لڑکی کو لے گیا؟ مسٹر فیلڈن نے کہا نہیں لڑکی کو تو کوئی نہیں لے گیا۔ بلکہ میری بیوی چند روز کی بیماری کے بعد رخصت ہو گئیں۔ سب سے زیادہ مشکل کا سامنا میرے لئے اس بچی کی پرورش کا تھا میں اسکول میں بھی داخل کرنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر میں اسکو لیکر اپنی بہن مس ہیلن کے پاس لندن گیا۔ انہوں نے بڑی خوشی سے بچی کو پرورش کرنیکا وعدہ مجھ سے کیا۔ دو سال کے بعد مس ہیلن ہندوستان میں لیڈی ڈاکٹر ہو کر آگئیں۔" فاروق نے گھبرا کر پوچھا کیا اس لڑکی کو لندن

میں چھوڑ آئیں۔" مسٹر فیلڈن نے ہنس کر کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے - میں نے تمام حالات اس لڑکی کے بتا دیے تھے اور ان سے کہہ دیا تھا - کہ اگر تمہیں اس کے رشتہ داروں کا پتہ چلے تو فوراً مجھے تار سے اطلاع دینا میں خود آکر اپنا اطمینان کر کے لڑکی کو ان کے سپرد کردوں گا - قصہ مختصر چھ سال فلورا اُن کے پاس مسوری میں رہی -"

فاروق نے کہا آپ نے اُس کا نام فلورا رکھا تھا ؟ مسٹر فیلڈن نے کہا ہاں میں بتانا بھول گیا تھا - میری بیوی نے اس کا نام فلارنس رکھا تھا مگر پیار سے ہم دونوں فلورا کہتے تھے -" پروفیسر نے کہا - "آپ، آگے کا حال سنائیے" مسٹر فیلڈن نے کہا - میری بہن نے اس کی تربیت بہت اچھی کی اور اُردو کی تعلیم بھی دلوائی وہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتی تھیں کہ اس کے بھائی اور چچا کا پتہ کہیں چل جائے معاف کیجئے آپ کے متعلق تو یہ غلط فہمی تھی کہ آپ ڈوب گئے ہیں - بچی نے یہی کہا - خیر تو میری بہن بھی اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکیں - مسٹر فیلڈن پھر اپنا پائپ سلگانے لگے - فاروق نے پوچھا - آپکی بہن آج کل کہاں ہیں - "مسٹر فیلڈن نے کہا چھ سال گزرے اُن کا انتقال ہو گیا" پروفیسر نے گھبرا کر پوچھا اور آپ کی لڑکی کہاں گئی" مسٹر فیلڈن نے مسکرا کر کہا میری یا آپ کی ؟ پروفیسر نے کہا" اب وہ میری نہیں ہے آپکی ہی ہے" فاروق نے کہا یہ تو بتائیے وہ آپ کی بہن کے انتقال کے بعد کہاں گئی ؟ مسٹر فیلڈن نے کہا میری بہن نے مرتے وقت اس کو ایک بیگم کے سپرد کر دیا تھا اور ان کو سب واقعات بتا دیے تھے فلورا مجھکو برابر لکھا کرتی تھی - کہ وہ بہت آرام سے اُن کے پاس رہتی ہے بیگم صاحب نے خود بھی مجھے اطمینان دلایا تھا - کہ لڑکی بہت خوش ہے - چھ مہینہ کا عرصہ گزرا کہ ایک دن فلورا کا تار مجھے ملا جس سے معلوم ہوا کہ موٹر کے ایکسیڈنٹ سے بیگم صاحبہ کا انتقال ہو گیا" فاروق نے کہا ارے وہ بیچاری بھی چل دیں - اس لڑکی کی قسمت میں یہی لکھا تھا -" مسٹر فیلڈن نے کہا - "خدا کا حکم" پروفیسر نے کہا - اب وہ لڑکی کہاں ہے ؟ مسٹر فیلڈن نے کہا - "بیگم صاحبہ کے انتقال کی خبر سے مجھے بہت پریشانی ہوئی میں نے فوراً تار دیا کہ گھبرانا نہیں میں آرہا ہوں مشکل جہاز کا ٹکٹ ملا اور میں چار پانچ مہینے کا لمبا سفر طے کر کے بمبئی پہنچا -" فاروق نے کہا مجھے آپ بتلائیے

بیگم صاحبہ کس شہر میں رہتی تھیں۔ میں جاکر پتہ چلاؤں۔"

مسٹر فیلڈن نے کہا تم گھبراؤ نہیں میں تمہاری بہن کو تم سے ملاؤں گا۔" پروفیسر نے پوچھا میں بڑی دیر سے اس فکر میں ہوں کہ آپکو میرا پتہ کیسے معلوم ہوا حالانکہ میرے متعلق تو آپکو یہ غلط فہمی تھی۔ کہ میں دنیا سے کوچ کر چکا ہوں۔ مسٹر فیلڈن نے کہا بمبئی میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا جسکو خدائی مرضی سمجھنا چاہیئے جہاز سے اُترنے کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ دو چار روز ہوٹل میں ٹھہر کر آرام کر لوں۔ اس کے بعد فلورا کے پاس جاؤں میرے کمرے سے ملا ہوا جو کمرہ تھا اُس میں چند ہندوستانی عیسائی ٹھہرے ہوئے تھے اُن کے ساتھ ایک مُلازمہ تھی۔ اُس کا نام رام پیاری تھا۔ وہ اکثر میرے کمرے کے سامنے سے کسی نہ کسی کام کے واسطے آتی جاتی تھی۔ پہلے تو میں نے کچھ خیال نہیں کیا ایک دن صبح کے وقت وہ عورت چائے کی ٹرے لئے آرہی تھی۔ میں کمرے کے باہر کھڑا ہوا تھا۔ وہ بالکل میرے قریب سے گزری میری نظر اتفاقیہ اُس کے اوپر پڑی میں حیران ہو گیا کیونکہ یہ وہی عورت تھی جو فلورا کو پادری صاحب کے ہاں لیکر گئی تھی۔ میں نے اس کو بہت غور سے دیکھا اور اُس کے ہاتھوں کو دیکھا کیونکہ اُس کے ایک ہاتھ میں چھ اُنگلیاں تھیں۔ بارہ سال کی ناکامی کے بعد خود بخود اس عورت کے مل جانے سے خوشی ہوئی۔ میں نے اسکو فوراً پکارا اور پوچھا تونے مجھے پہچانا اس نے مجھے غور سے دیکھ کر کہا نہیں میں نے خیال کیا کہ عموماً ان لوگوں کا حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ بارہ سال پیشتر کا واقعہ اسکو یاد نہیں رہا ہوگا چنانچہ میں نے اس کو پتہ اپنا بتایا وہ پریشان ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ میری باتوں کی آواز سنکر کمرے میں سے ایک شخص نکل کر باہر آیا مگر میری صورت دیکھ کر ہی گھبرا گیا اور فوراً ہی اندر چلا گیا۔ میں نے رام پیاری سے کہا میں بہت دن سے تیری تلاش میں تھا۔ سچ سچ بتاؤ وہ کس کی بچی تھی۔ مجھے اب اس کا حال معلوم ہو گیا ہے۔ یہ میں نے اسکو دھمکی دی۔ اور کہا ابھی تجھکو پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔ رام پیاری کچھ نہیں بولی۔ لیکن کمرے میں سے وہی شخص نکل آیا۔ اور دو عورتیں بھی اُس کے ساتھ آئیں ایک جوان تھی دوسری ادھیڑ عمر کی اُس نے مجھ سے کہا یہ عورت ہمارے ہاں بیس سال کی ملازم ہے۔ آپ کو دھوکا ہوا ہے۔ یہ کسی لڑکی کو نہیں

لے گئی اچھا کہ وہ عورت رام پیاری کو کمرے میں لے جانے لگی۔ مجھے شبہ ہوا۔ کہ رام پیاری تو بولتی نہیں یہ لوگ کیوں اُس کی طرف سے بول رہے ہیں۔ میں نے ہوٹل کے منیجر کو بلا کر ان لوگوں کے متعلق دریافت کیا معلوم ہوا ایک مہینے سے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس وقت میں خاموش ہو گیا۔ مگر مجھے یقین ہو گیا۔ کہ ضرور یہ لوگ بھی اس میں شریک تھے۔ دو تین گھنٹے کے بعد ان کا سامان جانا شروع ہو گیا۔ میں نے منیجر کو بلا کر کہا یہ لوگ چور ہیں ہوٹل سے جانے نہ پائیں اُسی وقت ٹیلیفون کر کے میں نے پولیس انسپکٹر کو بلایا رام پیاری کو کمرے میں سے بلوا کر اس کو بہت کچھ ڈرایا دھمکایا وہ میرے قدموں پر گر پڑی اور کہا میری کوئی خطا نہیں ہے۔ میں تو اُن کے ہاں نوکر تھی۔ انہی کے حکم سے اس بچی کو مشن میں دینے گئی تھی۔ آپ میری خطا معاف کر دیں۔ اور مجھے پولیس میں نہ دیں۔ تو میں ان لوگوں کا اور کچھ حال آپکو بتاؤں میں نے اُس سے وعدہ کیا کہ میں تجھے کوئی سزا نہیں دلواؤں گا۔ سب حال بتا دے رام پیاری نے آپ کے ہاں کے سب واقعات مجھے بتائے اور یہ بھی کہا کہ اب یہ لوگ، آپ سے چوری کر کے بھاگے ہیں۔ زیور وغیرہ بمبئی میں فروخت کر دیا تھا ان باتوں کے علاوہ ایک خبر رام پیاری سے میں نے ایسی سنی جس سے میں بہت پریشان ہوا اور گھبرا کر اُسی دن بمبئی سے روانہ ہو گیا۔ پروفیسر نے کہا وہ کونسی خبر تھی۔ مسٹر فیلڈن نے کہا رام پیاری نے مجھے بتایا کہ روزی نے اپنے بھتیجے کو فلورا کی تلاش میں بھیجا ہے۔ پروفیسر نے پوچھا روزی کو کیسے خبر ہوئی کہ فلورا ہندوستان میں ہے۔ اُس نے تو باہر بھیج دیا تھا مسٹر فیلڈن نے کہا رام پیاری نے مجھے بتایا تھا۔ کہ روزی آپکے ہاں سے بھاگ کر سیدھی کلکتہ پہنچی رام پیاری آیا کو بھی اپنے ساتھ لے گئی وہاں جا کر اُس نے اپنے آپکو اُس لڑکی کی خالہ بتایا رام پیاری نے اُس کی تصدیق کی پادری صاحب نے میری بہن کا پتہ بتا دیا۔ . . روزی نے فوراً اپنے بھتیجے کو وہاں روانہ کیا اور خود بھی وہاں آکر ٹھہری۔ مسٹر فیلڈن پھر ہانپ پینے لگے۔ پروفیسر نے پوچھا کیا پادری صاحب کو خبر تھی۔ کہ لڑکی آپ کی بہن کے پاس ہے۔ مسٹر فیلڈن نے کہا ہاں میری بہن نے ہندوستان آتے ہی پادری صاحب کو اطلاع کر دی تھی۔ تاکہ کوئی لڑکی کا رشتہ دار وہاں جائے تو وہ ان کے پاس بھیج دیں۔" پروفیسر نے کہا میں نے تو اپنے لڑکے کو کلکتہ کے مشن میں بھیجا تھا مگر وہاں

کچھ بھی پتہ نہیں چلا۔ مسٹر فیلڈن نے کہا پادری صاحب اب بہت ضعیف ہو گئے ہیں۔ انھوں نے وہاں کا کام چھوڑ دیا ہے۔ علیحدہ اپنی کوٹھی میں رہتے ہیں۔ رام پیاری نے سب مجھے بتایا تھا۔ فاروق نے کہا۔ یہ تو بڑا غضب ہوا کہیں سائمن کو فلورا نہ مل جائے اور وہ اس کو لیکر چلا جائے۔" مسٹر فیلڈن نے مسکرا کر کہا۔ "چلا تو گیا تھا مگر جب خدا مہربان ہوتا ہے۔ تو دشمن اپنی ہر کوشش میں ناکام رہتا ہے۔" پروفیسر نے پریشانی کے لہجے میں کہا۔ "کیا لڑکی اس کمبخت کو مل گئی تھی؟" مسٹر فیلڈن نے کہا ہاں۔ لیکن عین موقع پر میں پہنچ گیا۔" مسٹر فیلڈن اب خاموش ہو کر رومال سے اپنا چہرہ اور گردن پونچھنے لگے۔ ان کا رنگ سرخ سرخ تھا۔ سر پر پورے تمام بال تھے۔ چھوٹی چھوٹی چمکدار آنکھیں اور چھوٹی سی ناک تھی۔ پتلے پتلے ہونٹ نیچے کے دانت سب موجود تھے۔ اوپر دو چار ہی تھے بھورے رنگ کا سوٹ پہنے تھے۔ پروفیسر بھی ہلکے سلیٹی رنگ کے سوٹ میں تھے۔ فاروق پتلی دھاری دار پتلون اور صرف قمیص پہنے تھے۔ مسٹر فیلڈن کے ساتھی گہرے سبز رنگ کا اور کوٹ اور اسی رنگ کی شام کی پہننے کی ٹوپی اوڑھے تھے۔ مسٹر فیلڈن اور پروفیسر صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے بیچ میں میز رکھی ہوئی تھی مقابل کی دو کرسیوں پر فاروق اور مسٹر فیلڈن کے ساتھی بیٹھے تھے۔ فاروق اپنی دونوں کہنیاں میز پر ٹیکے ہوئے تھے اور دونوں ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھے جھکے ہوئے مسٹر فیلڈن کو دیکھ رہے تھے۔ مسٹر فیلڈن کے خاموش ہوتے ہی فاروق نے کہا مہربانی فرما کر جلدی فرمایئے آپ . . . خاموش کیوں ہو گئے؟

مسٹر فیلڈن نے کہا جس وقت میں نے رام پیاری سے یہ سنا کہ روزی نے اپنے بھتیجے کو لڑکی کی تلاش میں بھیجا ہے۔ تو میں گھبرایا اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مع رام پیاری کے آپ کے چاروں ملازموں کو پولیس کے حوالہ کیا اور خود روانہ ہو گیا۔ کانپور تک پہنچنے میں تو مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ مگر بیگم صاحب کا مکان تلاش کرنے میں بہت پریشانی اٹھانی پڑی۔ فاروق نے پوچھا آپ کی بہن تو مسوری میں رہتی تھیں؟" مسٹر فیلڈن نے کہا۔ ہاں بیگم صاحب پہلے مسوری میں تھیں پھر وہ ضلع اناؤ کے کسی گاؤں میں رہنے لگی تھیں۔" فاروق نے اپنے باپ

کی طرف دیکھ کر کہا "پاپا نجمی بھی اناؤ ہی میں ہیں"۔ مسٹر فیاڈرن نے کہا کانپور سے میں نے ایک ٹیکسی
لی اور شام کے وقت روانہ ہوا ڈرائیور نے کہا تھا۔ کہ اناؤ بہت قریب ہے۔ مگر یہاں پہنچکر وہ
گاؤں ڈھونڈنے میں بہت دیر لگی۔ رات کو دس بجے بیگم صاحب کا مکان ملا تو اس
کو مقفل پایا۔ ایک چوکیدار موجود تھا۔ اُس نے کہا یہ مکان چھ مہینے سے بند ہے۔ اور اس
کے رہنے والے لکھنؤ میں ہیں۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ چوکیدار سے کچھ پتہ چل جاوے
مگر اس نے اپنی لاعلمی ظاہر کی مجبور ہو کر لکھنؤ کی طرف روانہ ہوا کیونکہ میرے پاس ایک پتہ بیگم
صاحب کا اور تھا وہ انکے شوہر نواب صاحب کا تھا میں نے سوچا لڑکی ضرور نواب صاحب کے
پاس ہوگی۔ میری موٹر کافی تیز رفتار سے لکھنؤ کی طرف جا رہی تھی۔ کہ سڑک کے کنارے ایک
موٹر کھڑی ہوئی دیکھی قاعدہ کے مطابق میرے ڈرائیور نے موٹر روک لی ان لوگوں سے
جاکر دریافت کیا۔ انھوں نے کہا آپ جائیے ہمیں کچھ ضرورت نہیں ہے۔ میں بھی موٹر سے
اُتر پڑا تھا۔ اور ٹہلتا ہوا ان لوگوں کے قریب چلا گیا۔ اندھیرے میں کچھ نظر تو نہیں آیا
لیکن موٹر کے اندر سے کسی کے کراہنے کی آواز آتی۔ میں نے آگے بڑھ کر ان لوگوں سے پوچھا۔
کیا آپکے ساتھ کوئی مریض ہے۔؟ ایک شخص نے کہا ہاں میں نے ازراہ ہمدردی ان سے کہا
میری موٹر میں جگہ ہے۔ آپ مریض کو اس میں بٹھا کر لے چلئے۔ جہاں آپ کہینگے میں پہنچا دونگا
آپ کے دوسرے ساتھی موٹر ٹھیک کر کے لے جائینگے۔ بیمار کو تکلیف ہو رہی ہوگی وہ شخص تو خاموش
ہو گیا۔ دوسرے نے جھلا کر کہا آپ سے ایک مرتبہ کہہ تو دیا۔ ہمیں آپکی مدد کی ضرورت نہیں ہے
آپ تشریف لے جائیے اُس کے ساتھی نے کہا یہاں زیادہ دیر ٹھہرنے میں خطرہ ہے۔ پہلے
نے کہا اگر خطرہ ہے تو تم چلے جاؤ۔ میں مریض کو نہیں جانے دونگا۔ غرض دونوں میں بحث
ہونے لگی۔ میں حیران تھا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ میرے ڈرائیور نے کہا صاحب آپ تو چلئے
یہ کوئی بدمعاش معلوم ہوتے ہیں۔ شاید کسی کو بھگا کر لائے ہیں۔ ایسا نہ ہو پولیس آجائے
اور مفت میں ہم بھی پیچھے پھریں۔ میرے دل میں فوراً ہی یہ خیال آیا کہ کہیں یہی بدمعاش
تو فلورا کو نہیں لے آیا۔ میں نے ڈرائیور سے کہا دیکھو انسان کا فرض ہے کہ ایک مظلوم کو ظالم
کے پنجے سے چھڑائے۔ وہ دو آدمی ہیں اور ہم تین ہمیں چاہیئے کہ ایک بے کس کی مدد

کریں۔ میرا ڈرائیور ایک سکھ تھا دوسرا اس کا بھائی تھا۔ میں نے کہا میں تم کو انعام دونگا۔ وہ راضی
ہو گئے۔ میرے پاس پستول تھا ہم لوگ آگے بڑھے اتنی دیر میں وہ دونوں بدمعاش آپس میں
مارپیٹ کرنے لگے تھے۔ یہ موقع ہمارے واسطے بہت اچھا تھا۔ میرے ساتھیوں نے...
جھپٹ کر دونوں کی کمریں دبالیں۔ میں نے پستول دکھا کر ان دونوں سے کہا۔ اگر صحیح حالات
نہ بتاؤ گے تو تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ وہ بدمعاش اچانک حملے سے گھبرا گئے۔ ایک دوسرے
پر الزام لگانے لگے۔ اور اس قسم کی باتیں کیں کہ مجھے یقین ہوگیا کہ ضرور یہ کسی لڑکی کو بھگا کر لائے
ہیں۔ میں نے اپنی موٹر کے مالک سردار جی سے کہا دیکھو یہ لوگ جانے نہ پائیں ان دونوں بھائیوں
نے اپنے صافے اتار کر خوب مضبوطی سے ان دونوں کو جکڑ دیا میں نے بھی اس کی مدد کی اس کام سے
فارغ ہو کر میں موٹر کے اندر گیا اور ٹارچ کی روشنی میں دیکھا تو ایک لڑکے کی ناک اور منہ پر رومال...
بندھا ہوا تھا۔ اور بے ہوش پڑا تھا بے چینی کی حالت میں ہاتھ پاؤں پٹخ رہا تھا اور ہلکی سی آواز کراہنے
کی اس کے منہ سے نکل رہی تھی۔" میں نے فوراً اس کے منہ پر سے رومال کھولا اور اپنے ساتھیوں
کی مدد سے اس لڑکے کو اپنی موٹر میں لاکر ڈالا مسٹر فیلڈن نے پھر اپنا پائپ سلگایا۔ فاروق
نے مسکرا کر کہا آپ ہمیشہ ایسے موقع پر آکر خاموش ہوتے ہیں۔ کہ میں اپنا دم گھونٹ کر
رہ جاتا ہوں۔ مسٹر فیلڈن نے مسکرا کر کہا میرے پاس ہمیشہ ضروری دواؤں کا بکس رہتا
ہے۔ میں نے فوراً اپنا بکس کھول کر بیہوشی دور کرنے کی دوا اس کو سنگھائی اور آدھ گھنٹے کے بعد
وہ ہوشیار ہوگیا۔ فاروق نے اپنا منہ موڑ کے مسٹر فیلڈن کے ساتھی کی طرف مسکرا کر دیکھا پروفیسر
نے پوچھا وہ لڑکا کون تھا مسٹر فیلڈن نے فاتحانہ انداز میں صوفے سے ٹیک لگا کر پائپ
پیتے ہوئے کہا لڑکا نہیں تھا۔ بلکہ وہ آپکی ظلو رانی تھی۔ پروفیسر نے خوش ہو کر کہا خوب۔ مگر آپکو
مگر آپ نے پہچانا کیسے وہ تو چھوٹی سی آپکے پاس سے آگئی تھی۔ مسٹر فیلڈنگ نے کہا
کہ جوانی کی تصویر میرے پاس تھی۔ فاروق نے پوچھا ان لوگوں کا کیا حشر ہوا۔ مسٹر فیلڈنگ
نے کہا ان لوگوں کو اسی طرح ان کی موٹر میں ڈلوا دیا۔ فاروق نے پوچھا بندھا ہوا۔
مسٹر فیلڈن نے ہنس کر کہا اور زیادہ جکڑ کر فاروق نے کہا آپ نے پولیس میں کیوں
نہیں دیا۔ مسٹر فیلڈن نے کہا مجھے یہاں آنے کی جلدی تھی میں کیوں اپنی جان مشکل میں

ڈالتا۔ رات کو ہوٹل میں ٹھہرا صبح چھ سات بجے روانہ ہوگیا۔ اب مسٹر ملیاڈن کھڑے ہوگئے اور انہوں نے اپنے ساتھی کے سر پر سے ٹوپی اتار کر کہا فلورا اٹھو اور اپنے باپ بھائی سے ملو آج میں ایک بہت بڑی ذمہ داری سے سبکدوش ہوا۔

اکیسواں باب

یوسف کو گم ہوئے آج چوتھا دن ہے۔ نجمی اور سروپ کمار نے اس چار دن کے اندر لکھنؤ کی خاک چھان ڈالی تمام ٹیکسیوں کے نمبر لکھوائے ہر ڈرائیور کا بیان لیا اور جو کوشش ہو سکتی تھی کی مگر سب بے سود داروغہ جی گاؤں دیہات میں مرزا کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے۔ دونوں مجرموں نے اقبال جرم کر لیا تھا۔ مرزا کے لڑکے کا بیان تھا۔ کہ مائیکل کلکتہ سے اس لڑکی کی تلاش میں آیا تھا۔ اور پانچسو روپے دینے کا وعدہ کیا۔ مائیکل کہتا تھا۔ وہ لڑکی اس کی خالہ کی تھی۔ اس وجہ سے اپنے ساتھ لیجانا چاہتا تھا۔ ایک فقیرنی کے ذریعے معلوم ہوگیا تھا۔ کہ اس گھر میں کوئی لڑکی رہتی ہے۔ مرزا کا لڑکا تو پہلے ہی اس کی تلاش میں تھا۔ چار دن پہلے دونوں نجم الزماں کے پاس اسی ٹوہ میں گئے تھے۔ اس معاملے کی خبر صرف دو چار آدمیوں کو تھی دونوں مجرم حوالات میں تھے۔ سروپ کمار خفیہ طور سے تحقیقات کر رہے تھے رحمت اللہ کے کوئی اندرونی چوٹ نہیں آئی وہ اب ٹھیک ہوگیا تھا۔ لیکن نجم الزماں کی حالت چار روز میں ایسی ہوگئی تھی۔ گویا چار مہینے کے بیمار کھانا پینا۔ سوا کسی بات کا انہیں ہوش نہیں تھا۔ نہ چار روز سے نہائے تھے نہ کپڑے تبدیل کئے تھے۔ بالوں پر خاک پڑی ہوئی شیو بڑھا ہوا ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی آنکھیں جاگنے کی وجہ سے سرخ بالکل پاگل معلوم ہوتے تھے۔ صدمہ ان کو معاملے کے سرے کا بھی ہوا تھا۔ لیکن اس صدمہ کا احساس نہ تھا۔ وہ ایک تیر کا زخم تھا۔ جس کی جلن چمک ٹیس درد اور کھٹک کو وہ محسوس کرتے تھے۔ مگر یوسف نے تو ان کے اوپر ایک بم پھینکا تھا۔۔

جس سے ان کے حواس ہی جلتے رہے تھے۔ وہ بت کی طرح خاموش ہو گئے تھے سب کے کہنے سننے سے کھانے کی میز پر بیٹھ جاتے تھے۔ مگر نوالہ حلق میں پھنس کر رہ جاتا تھا۔ بہت مشکل سے دو چار لقمے پانی کے گھونٹوں سے اُتارتے تھے معلوم ہوتا تھا۔ گلے کی رگیں خشک ہو گئیں ہیں۔ وہ سونے کے واسطے بستر پر لیٹتے تھے۔ مگر ایک دم چونک کر اٹھ بیٹھتے تھے۔ گویا کسی نے آسمان سے زمین پر گرا دیا۔ کئی راتیں اُنہوں نے ٹہل ٹہل کر گزاری تھیں۔ انور زماں نے پریشان ہو کر نجمی کے والد کو بلا لیا تھا۔ ان کی ماں بہن بھی آ گئیں تھیں۔ بیرسٹر صاحب نے اپنے بڑے بیٹے شمس الزماں کو بھی مشورے کیلئے بلایا تھا۔ نجمی کی والدہ ذکیہ بیگم اپنے بیٹے کی حالت دیکھ دیکھ کر بلکھلائی جاتی تھیں۔ اُنہوں نے بیسیوں منتیں مُرادیں یوسف کے ملنے کی مانی تھیں۔ بیرسٹر صاحب کو سخت افسوس تھا کہ نہ وہ نجمی کو بلاتے نہ یہ واقعہ پیش آتا انور زماں ہر وقت سائے کی طرح نجمی کے ساتھ رہتے تھے۔ ذکیہ بیگم نے کئی مرتبہ فاروق کو اطلاع کرنے کیلئے کہا مگر نجمی کی مرضی نہیں تھی۔

اس وقت شام کی چاہ ہو رہی تھی۔ صرف بیرسٹر صاحب دوسرے کمرے میں تھے باقی سب لوگ ایک ہی میز پر چاہ پی رہے تھے۔ انور اور شمس نے زبردستی نجمی کو بھی میز پر بٹھا دیا۔ ذکیہ بیگم اپنے بیٹے کی صورت دیکھ کر بہت رنجیدہ تھیں۔ سلطانہ اور رضیہ کا بھی دل بھر آیا تھا۔

نجمی چائے کی پیالی ہاتھ میں لیے ایک طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ اچانک فاروق نے کمرے کے دروازہ میں آکر کہا:۔ آداب عرض!

نجمی چونک پڑے اور انھوں نے کہا میں نے منع کیا تھا آپ لوگوں نے انہیں بھی خبر کر دی" ابھی کوئی جواب نہیں دینے پایا تھا کہ فاروق ہلتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ انور نے کہا۔ "خوب آئے تمہاری ہی ضرورت تھی" فاروق نے کہا کیا بات ہے۔ ؟ کیا کہیں نجمی کی شادی ٹھہرائی جا رہی ہے ؟ ذکیہ بیگم بولیں! بیٹا میں تو تمہیں تار دلوانے والی تھی" فاروق کرسی پر بیٹھتے ہوئے شکایت آمیز لہجہ میں کہنے لگے جی ہاں آپ نے سب کو تو پہلے ہی جمع کر لیا۔ اب میں خود آ گیا۔ تو آپ کہتی ہیں تار دلوا رہی تھیں۔ فاروق نے نجمی

سے کہا کیوں نجمی! یہ کیا بات ہے بغیر میرے مشورہ کے تمہاری شادی کیسے ٹھیرنے لگی؟ نجمی
نے کہا تم ابھی ریل سے اتر کر آرہے ہو چل کر منہ ہاتھ دھولو، چائے پیو، فضول باتوں میں کیوں
پڑ گئے۔ فاروق نے کہا میرا تو یہ اصول ہے۔ جب کہیں جاتا ہوں گاڑی سے اتر کر
ویٹنگ روم میں نہا کر دھوکر بن سنور کر پہنچتا ہوں" نجمی نے پیالی بڑھاتے ہوئے کہا تو پھر
چائے پیو" فاروق نے کہا چائے بغیر تمہارے کہے سے ہی پیوں گا۔ مگر تم نے یہ اپنی حالت کیا
بنا رکھی ہے۔ کیا داڑھی بڑھا رہے ہو کسی مولوی صاحب کی لڑکی سے شادی ہو رہی ہے؟
نجمی ایک کھسیانی مسکراہٹ سے فاروق کی طرف دیکھنے لگے فاروق نے ذکیہ بیگم سے کہا
"چچی اماں معلوم ہوتا ہے آپ لوگ نجمی پر جبر کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے چچا ابا بھی خفا ہو گئے
ہیں۔ میں تو اُن کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہ کسی معمولی بات پر کہیں نہیں جاتے معلوم ہوتا ہے
آجکل کوئی پیچیدہ مسئلہ چھڑا ہوا ہے۔ دیکھو زبردستی کی شادی اچھی نہیں ہوتی۔ ذکیہ بیگم
نے ٹھنڈا سانس لیکر کہا بیٹا ہم لوگوں کو زبردستی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ نجمی جلدی سے بولے
بھئی میں بیمار ہو گیا تھا۔ یہ سب لوگ مجھے دیکھنے آئے ہیں۔ فاروق نے کہا بیمار ہوئے تھے
مجھے کیوں نہیں بُلایا۔ نجمی نے کہا کوئی ایسی بیماری نہیں تھی۔ چوٹ لگ گئی تھی۔ تمہیں
بُلا کر کیا کرتا فاروق نے کہا۔ کیا پھر موٹر لڑا دی تھی۔ ایک دفعہ اُستانی کو مار چکے ہو۔ اب کسی
اُستاد سے ٹکر لی فاروق کے اس جملے پر نجمی کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اُس رات
کا منظر اور یوسف کی صورت کا خیال کر کے اُن کے دل پر چوٹ لگی۔ وہ فوراً کرسی سے کھڑے
ہو گئے۔ فاروق نے ہاتھ پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا۔ اپنی چوٹ تو مجھے دکھاؤ۔ میں نے بھی
کئی سال ضائع کر کے یہ کام سیکھا ہے۔ شاید میری مرہم پٹی سے تمہیں سکون ہو۔ انور اور شمشی
بالکل خاموش تھے۔ فاروق نے اپنی جیب میں سے سگریٹ کا ڈبہ نکال کر میز پر رکھا۔
اُس کے اندر ایک سنہری کلائی کی گھڑی بھی تھی۔ پہلے فاروق نے سگریٹ کا ڈبہ انور کو دیا۔
انھوں نے ایک سگریٹ نکال لیا پھر شمشی نے ایک سگریٹ لیا اس کے بعد فاروق نے ڈبہ
نجمی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "پی کر دیکھو کتنے بڑھیا سگریٹ ہیں" نجمی نے بادل ناخواستہ
ڈبہ اُٹھایا سگریٹ نکالنے لگے تو اُن کی نظر گھڑی پر پڑی سگریٹ چھوڑ کر انھوں نے

پہلے گھڑی کو نکال لیا اور دیکھا۔ ایکدم اُن کے چہرے پر سرخی آگئی وہ گھبرا کر فاروق کی طرف... دیکھنے لگے۔" فاروق نے کہا " میری شکل کیا دیکھتے ہو پہلے سگریٹ تو پیو خاص قسم کے ہیں۔" نجمی نے پوچھا " یہ گھڑی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ فاروق نے کہا کیا تمہیں پسند آگئی میری ہوتی تو دیدیتا۔ مگر کسی بیوقوف کی ہے۔ نجمی نے پوچھا تمہیں کس طرح ملی ہے۔ فاروق نے کہا کہہ تو دیا ایک احمق شخص ہے۔" نجمی نے بڑی بیتابی سے کہا " فاروق خدا کے واسطے جلدی بتاؤ یہ گھڑی تمہیں کس نے دی ہے" ؟ فاروق نے کہا آخر تم اسقدر بیتاب کیوں ہوگئے کیا تمہاری گھڑی ہے۔؟..

............؟ نجمی نے کہا ہاں دیکھو ڈھکنے میں اندر کی طرف میرا نام کھُدا ہے۔ فاروق نے پوچھا کیا کسی نے چرائی تھی؟ نجمی نے جواب دیا " ہاں " فاروق نے کہا مگر مجھے تو کسی چور بدمعاش کے پاس نہیں ملی، ایک شریف آدمی کے پاس ملی تھی

اسوقت میز پر سب خاموش بیٹھے ان دونوں کی باتیں سُن رہے تھے نجمی کی بیتابی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی اُنھوں نے فاروق کے کندھے پر ہاتھ رکھکر خوشامدانہ لہجہ میں کہا " فاروق جلدی بتاؤ میں سخت پریشان ہوں"

فاروق نے انور زماں سے کہا " انور بھائی اس گھڑی میں کیا راز ہے۔ جو نجمی اسقدر بیقرار ہو رہے ہیں۔" انور نے کہا بھئی ایک کھوئی چیز ملی ہے۔ اور وہ بھی ایک.. عجیب طریقے سے ان کا بیقرار ہونا ٹھیک ہے۔"

فاروق نے کہا کوئی چیز بھی ہو ایک معمولی گھڑی زیادہ سے زیادہ سو سوا سو کی ہوگی۔" نجمی نے کہا تمہیں اس سے کیا مطلب چاہے وہ پیسہ کی ہو مجھے یہ بتاؤ کس کے پاس تھی؟ فاروق نے کہا بھئی جس ڈبہ میں میں بیٹھا تھا۔ اسی میں ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ خاصا خوبصورت اور شریف بھی معلوم ہوتا تھا یہاں سے دو تین اسٹیشن پہلے وہ کسی کام سے اُترا اور اپنی گھڑی میرے ہاتھ میں دیتا گیا۔ گاڑی چھوٹ گئی مجھے مجبوراً گھڑی اپنے ساتھ لانی پڑی اس کا اسباب بھی نہیں تھا۔ ورنہ میں اسمیں رکھ دیتا۔"

نجمی کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ انھوں نے پوچھا کیا وہ اکیلا تھا؟

فاروق نے کہا ہاں مردانے ڈبہ میں تو اکیلا ہی تھا۔ شاید زنانی گاڑی میں اُسکی بیوی ہوگی۔ نجمی نے ہنس کر کہا تم بڑے بیوقوف ہو۔" فاروق نے کہا تم سے تو زیادہ نہیں ہوں ایک معمولی بات پر تمام کنبے کو جمع کر لیا آخر اس گھڑی میں کون سے لعل جڑے ہوئے تھے ذرا دکھاؤ تو سہی غور سے دیکھوں۔ گھڑی کے لئے پاگل بن گئے۔" نجمی نے کہا گھڑی کے پیچھے کون پاگل بنا ہے تم یہ بتاؤ وہ لڑکا کہاں سے آرہا تھا۔ اُس کا کیا نام تھا؟۔ فاروق نے کہا۔ "یہ سب میں نے اس سے نہیں پوچھا لونڈا سا تھا میں کیا بات کرتا ہاں اتنا معلوم ہے کہ وہ یہیں آرہا تھا۔ شاید دوسری گاڑی سے آئے اسی وجہ سے میں اس کی گھڑی لے آیا ہوں اب اسکو ڈھونڈھنے اسٹیشن جانا پڑے گا۔"
نجمی نے انور زماں سے کہا بھائی یہ تو وہی معلوم ہوتا ہے۔" انور نے کہا۔ "ضرور۔ گھڑی اور کس کے پاس سے مل سکتی تھی۔"

سلطانہ نے خوش ہو کر کہا۔ "اماں! آپ نے سنا یوسف مل گئے۔"

ذکیہ بیگم نے کہا۔ "وہ یہ اُسی گھڑی کا قصہ تھا الٰہی تیرا شکر میں تو ابھی جا کر نفل پڑھتی ہوں۔ چار دن میں میرا بچہ آدھا بھی نہیں رہا اپنے ابا سے تو جا کر کہو۔ نجمی کی حالت سے اُن کے اوپر بڑا اثر ہے۔" فاروق نے کہا انور بھائی مجھے بھی تو بتاؤ یہ کیا قصہ ہے اس گھڑی میں تو کچھ راز معلوم ہوتا ہے۔"

ذکیہ بیگم نے کہا۔ "ارے انور! فاروق سے کیوں نہیں کہہ دیتے یہ بھی کوئی بات ہے۔ سارے زمانے کو معلوم ہو گیا۔ تھانہ پولیس سب کچھ ہو رہا ہے۔ اپنے گھر والوں سے پردہ ہے۔" شمس الزماں نے کہا "ہاں فاروق کو ضرور بتانا چاہئے۔"

انور زماں نے کہا۔ نجمی اب میں کہے دیتا ہوں۔

فاروق نے کہا آپ نجمی سے کیوں پوچھتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں آج سارا گھر ان کے اشاروں پر چل رہا ہے۔

انور زماں نے تمام حالات فاروق کو سنا دئے۔ فاروق نے ہنس کر نجمی سے کہا یہ کہئے موٹر ایکسیڈنٹ سے لوگوں کو ایسی چوٹیں بھی لگتی ہیں۔"

نجمی اس وقت خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے انھوں نے کہا فاروق تم سے سچ کہتا ہوں یوسف کی شکل بالکل تمھاری سی ہے۔ اسی وجہ سے وہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے۔" فاروق نے کہا شمس بھائی ذرا سنئے گا کیسی خوشامد خوروں کی سی باتیں کر رہے ہیں۔" نجمی نے کہا۔ "وہ نہیں میں ایمان سے کہتا ہوں۔ تم نے غور نہیں کیا۔"

فاروق نے کہا "میں نے تو اسے آنکھ بھر کے بھی نہیں دیکھا۔"

نجمی نے کہا۔ "میں اس کی تصویر دکھاؤں؟ فاروق بولے۔ "وہ ہاں ذرا لاؤ کہیں ایسا نہ ہو نہ کوئی اور لڑکا ہو اور تمھاری ساری خوشی کرکری ہو جائے"۔

نجمی فوراً اپنے اٹیچی کیس میں سے تصویر نکال لائے۔ فاروق دیکھ کر مسکرانے لگے۔

نجمی نے پوچھا بتاؤ "یہی تھا؟ فاروق نے کہا "ہاں ایسی ہی صورت تھی" سب نے اس تصویر کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ذکیہ بیگم نے اپنا چشمہ منگوایا۔ فاروق نے کہا چچی اماں بھگوڑی بہو کو کیا دیکھتی ہیں پہلے مجھے مٹھائی کھلوائیے۔

ذکیہ بیگم نے تصویر کو غور سے دیکھ کر کہا۔ "اے نجمی سچ تو کہتا ہے ہو بہو فاروق کی شکل ہے۔" فاروق نے ذرا گھبرا کر کہا ارے بھئی میں اس لڑکے کے جھگڑے میں ایک ضروری بات کہنا بھول گیا تمھارا خانساماں انگریزی کھانا پکانا بھی جانتا ہے یا نہیں

نجمی نے کہا۔ ہاں ہاں ہر قسم کا انگریزی کھانا پکا لیتا ہے کیا تم انگریزی کھانا کھاتے ہو؟ فاروق نے کہا میں تو نہیں کھاتا ایک انگریز کے لئے چاہیئے۔"

نجمی نے کہا وہ کون انگریز ہے؟ فاروق نے بغیر کسی مسکراہٹ کے کہا تمھارا خسر۔" نجمی نے فاروق کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر کہا تم بڑے بیہودہ ہو گئے

فاروق نے سادگی سے کہا اس میں بیہودگی کی کیا بات ہے۔ بھئی اس رشتہ کا یہی نام ہے۔ بلکہ میں نے تو مہذب لوگوں کی طرح خسر کہا ہے۔

سُسرا تو نہیں کہا۔"

نجمی نے کہا۔ "کیسا رشتہ؟ تم کیا کہہ رہے ہو؟

فاروق نے کہا - "اتنے جلدی بھول گئے - وہ غریب تو تمہاری وجہ سے سخت پریشان ہے - کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے -"

نجمی نے کہا تم کس کے متعلق کہہ رہے ہو میں نہیں سمجھا "

فاروق نے کہا "مسٹر فیلڈن کے متعلق کہہ رہا ہوں -"

نجمی نے تعجب سے پوچھا - "کیا مسٹر فیلڈن آ گئے؟" فاروق نے کہا "وہ ہمارے ہاں دو روز سے ٹھہرے ہوئے ہیں - یہ گھڑی آپ کی بیوی نے اپنی شناخت کے لئے بھیجی ہے - کیونکہ آپ ان کو اس گھڑی کے ذریعہ سے پہچانتے ہیں -"

نجمی نے حیرت سے کہا - "یہ کیا کہہ رہے ہو؟ مسٹر فیلڈن کو اُن کی لڑکی کہاں سے ملی؟ فاروق نے کہا وہ بیچارے اپنی لڑکی کو ڈھونڈھتے پھر رہے تھے اتفاق سے بدمعاشوں کی موٹر خراب ہو گئی تھی - مسٹر فیلڈن ان کی مدد کے لئے پہنچے موٹر میں لڑکی بیہوش پڑی ہوئی ملی مفصل حال وہ خود تمہیں بتائیں گے - اب مہربانی کر کے جلدی سے داڑھی مونڈو اور نہا دھو کر تیار ہو جاؤ - آج میں تمہیں دولھا بنا دونگا "

نجمی نے کہا - "کچھ پاگل تو نہیں ہوئے ہو -"

فاروق نے کہا - "قسم خدا کی میں مذاق نہیں کر رہا اُس لڑکی سے وعدہ کر کے آیا ہوں -" نجمی نے کہا واہ واہ اچھا وعدہ کیا -"

فاروق نے کہا - "میں ذرا چچا کے پاس جاتا ہوں ان سے کچھ مشورہ کرنا ہے تم اتنی دیر میں نہا دھو کر تیار ہو جاؤ - مسٹر فیلڈن اور پاپا معہ اس لڑکی کے تھوڑی دیر میں موٹر سے آتے ہوں گے -"

سلطانہ نے خوش ہو کر کہا - "سچ کہو" فاروق نے کہا واقعی میں جھوٹ نہیں کہہ رہا وہ لوگ ایک گھنٹہ میں یہاں پہنچ جائیں گے - آج نجمی کو ضرور دولھا بنایا جائے گا -"

سلطانہ نے کہا۔ "دو چار دن میں تیاری ہو جائیگی۔ ابھی کپڑے بھی تو ... دولھا میاں کے سے نہیں ہیں۔"

فاروق نے کہا۔ "دو چار دن کیسے یہ کام تو آج ہی ہو گا۔ دیکھو کپڑے بھی ابھی آئے جاتے ہیں۔"

فاروق نے اٹھ کر اپنا سوٹ کیس کھولا۔ ایک کمخواب کی شیروانی اور ... بنارسی صافہ نکال کر سلطانہ کو دیا۔ نجمی نے گھبرا کر کہا ارے ارے یہ کیا وہاں تم لائے ہو۔ اچھا میرے اوپر ہاتھ صاف کیا۔"

فاروق نے ذکیہ بیگم سے کہا۔ "دیکھئے چچی اماں یا تو اس لڑکی کے پیچھے جوگی بنے ہوئے بیٹھے یا اب دولھا بننے سے انکار کر رہے ہیں۔"

ذکیہ بیگم نے مسکرا کر نجمی سے کہا بیٹا تمہارا کیا ہرج ہے کپڑے پہن لو۔

نجمی نے کہا واہ واہ اماں جان کوئی موقع بھی ہو۔"

فاروق نے کہا۔ "مسٹر فیلڈن آج ہی اپنی لڑکی کی شادی کریں گے اور کونسا موقع آئے گا۔"

ذکیہ بیگم نے کہا۔ "اے بیٹا اس وقت قاضی کہاں سے آئیں گے؟

فاروق نے کہا۔ "قاضی جی آپ کو کیا فکر ہو تی"

ذکیہ بیگم نے کہا۔ "نکاح کون پڑھائے گا" فاروق نے کہا کسی مسجد میں سے ملاں جی کو بلالیں گے" نجمی نے کہا۔ "اب تم نے مجھے بالکل ہی الو سمجھ لیا ہے۔ اماں بھی راضی ہو گئیں" ذکیہ بیگم نے کہا۔ فاروق کہہ رہے ہیں۔ مسٹر فیلڈن آج ہی اپنی لڑکی کی شادی کر دینگے۔" نجمی نے کہا۔ "میں تو آج تیار نہیں ہوں۔"

فاروق نے کہا۔ "زیادہ باتیں نہ بناؤ لڑکی کے باپ نے مجھ سے کہلا ہے۔ شادی تو پہلے ہی ہو چکی ہے۔

اب تو صرف دولھا بنانا باقی ہے۔

نجمی نے تیوری چڑھا کر کہا "وہ بالکل غلط کہتے ہیں۔" انور نے مسکرا کر کہا "معلوم ہوتا ہے۔ شادی کر لی تھی چھپا رہے ہو"۔ نجمی نے غصّہ سے کہا "آپ لوگوں کو میری بات کا یقین نہیں تو یہی سہی۔" فاروق نے مسکرا کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "انور بھائی ذرا میرے ساتھ آیئے۔ میں چچا ابا سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" نجمی نے کہا۔ "خدا کے واسطے انہیں آج کے لئے تیار نہ کر لینا۔"

فاروق نے کہا "اچھا پہلے تم جا کر اپنی داڑھی تو مونڈھو مسٹر فیلڈن بھی دیکھ کر کیا کہیں گے کہ لڑکی نے کس جنگل کے بن مانس کو پسند کیا ہے۔"

انور زماں کو ساتھ لے کر فاروق بیرسٹر صاحب کے پاس گئے اور اُن کو رعنا کے تمام واقعات بتائے نجمی نے رحمت اللہ کو بلا کر کھانے وغیرہ کے متعلق سمجھایا۔ بوا مریم کو یوسف کی خوشخبری سنائی خود نہا دھو کر تیار ہوئے۔ سُلطانہ اور زرینہ نے خوشی خوشی کمروں کی صفائی کرائی گلدانوں میں تازے پھول رکھوائے۔ یوسف کے کمرے کو خاص طور پر سجایا۔ آٹھ بجے مسٹر فیلڈن معہ پروفیسر رفیق الزماں کے موٹر سے پہنچے فاروق نے اُن لوگوں کو بیرسٹر عتیق الزماں کے کمرے میں پہنچا دیا انور اور شمسی بھی وہیں چلے گئے فاروق اور سلطانہ نے زبردستی نجمی کو شیروانی پہنائی زرینہ دور سے کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھی۔ فاروق نے کہا۔ "ارے بی تم بھی اگر بھائی کو دولھا بنواؤ۔ میں کوئی کاٹ تھوڑی لونگا۔" نجمی نے کہا سلطانہ آپا میں نے کبھی آج تک فاروق کو اس قسم کی باتیں کرتے نہیں سنا تھا ؛

آج تو یہ کچھ عجیب ہی ہو رہے ہیں۔"

فاروق نے کہا۔ "ہاں آج زندگی میں یہ پہلا موقع خوشی کا آیا ہے۔ اچھا تم جلدی سے صافہ باندھو۔"

نجمی نے بہت انکار کیا۔ مگر فاروق نے خوشامد کرکے انکو راضی کرلیا۔ اور زکیہ بیگم کے پاس ہاتھ پکڑ کر لائے۔ اُنھوں نے پہلے فاروق کو گلے سے لگا لیا۔ بوا مریم نے چٹ پٹ بلائیں لیں۔"

فاروق نے نجمی سے کہا چلو ڈرائنگ روم میں اب مسٹر فیلڈن دیکھ کر خوش ہونگے۔

نجمی نے کہا۔ "میں نے تمھارے خوش کرنے کو کپڑے پہن لئے ہیں۔ مسٹر فیلڈن کے سامنے اس حلیے سے نہیں جاؤں گا۔"

فاروق نے کہا۔ "واہ ان کی خواہش ہے۔ کہ نجم الزماں اُن کے سامنے ہندوستانی وضع سے دولھا بن کر آئیں۔"

نجمی نے کہا۔ "اچھا اُنھوں نے دولھا بنوایا میں ابا جان اور چچا جان کے سامنے تماشا بن کر نہیں جاؤں گا۔"

فاروق نے کہا۔ "دیکھو خدا کے واسطے میری بات رکھ لو۔ زکیہ بیگم اور سلطانہ نے بھی نجمی کو سمجھایا۔

فاروق نے کہا چچی اماں آپ بھی مسٹر فیلڈن کے سامنے

ہو جائیں ۔"
ذکیہ بیگم نے کہا ۔" اوئی خدا نہ کرے بڑھاپے میں کیا . . .
میری عقل ماری گئی ہے ۔"
فاروق نے کہا میں چچا ابا سے اجازت دلوا دونگا ۔
وہ اس وقت کچھ نہیں کہیں گے ۔ ذکیہ بیگم نے کہا ۔ بیٹا تم کچھ
احمق ہو ۔ پردہ اپنے دل کا ہے ۔
تمہارے چچا کا کیا ڈر ہے ۔"
فاروق نے ہنس کر کہا ۔" اچھا تو آپ اس دروازے
میں سے جھانکیئے میں ابھی مسٹر فیلڈن کو لے کر آتا ہوں ۔ وہ
اپنی لڑکی کو خود لائیں گے ۔" ذکیہ بیگم اس بات پر راضی ہوگئیں ۔
سلطانہ نے کہا ۔" اماں میں تو مسٹر فیلڈن کے سامنے جاؤں گی
چاہے کوئی کچھ کہے ۔" ذکیہ بیگم نے کہا ۔" بیٹی تم پردہ کرتی ہی کس
سے ہو ۔"
فاروق نے نجمی کو ڈرائنگ روم میں ایک کوچ پر بٹھا دیا ۔
سلطانہ بھی آکر کھڑی ہوگئیں ۔ فاروق نے برابر والے کمرے کا پردہ
اٹھا کر کہا ۔
آیئے مسٹر فیلڈن "
بیرسٹر عتیق الزماں اور پروفیسر رفیق الزماں آگے آگے تھے اپنے
باپ اور چچا کو آتا دیکھ کر نجمی کے اوپر گھڑوں پانی پڑ گیا ۔ ان کی گردن
خود بخود دوھاؤں کی طرح جھک گئی ۔
مسٹر فیلڈن لڑکی کا ہاتھ پکڑے ہوئے کمرے میں سے نکلے ۔ . .
گلابی بنارسی ساڑھی اس کی صورت پر لاکھ لاکھ بناؤ دے رہی تھی ۔
انور اور شمسی اُن کے پیچھے تھے ۔

بیرسٹر صاحب نے اپنی بھاری آواز سے کہا۔ "نجمی کھڑے ہو کر ... مسٹر فیلڈن سے ملو۔"

نجمی نیچی نگاہ کئے کھڑے ہو گئے۔ مسٹر فیلڈن نے آگے بڑھ کر لڑکی کا ہاتھ نجمی کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "لیجئے آپ کی بیوی آپ کو مبارک ہو۔"

نجمی اُسی طرح خاموش کھڑے رہے۔

فاروق نے کہا "نجمی مسٹر فیلڈن کا شکریہ ادا کرو۔ اور اپنی بیوی کو پہچانو۔ وہی چار برس کی بچی رعنا ہے۔ جس کے ساتھ بچپن میں تمہاری شادی ہوئی تھی۔

نجمی گھبرا کر رعنا کی طرف دیکھنے لگے۔"

افشاں، شمع اور تصویر
کے بعد
اے آر خاتون کا نیا ناول
چشمہ
ایک دلچسپ سماجی ناول جو اپنی پاکیزگی
کے باعث خواتین اور لڑکیوں کے
مطالعہ میں لایا جاسکتا ہے
قیمت دس روپے بارہ آنے
نیو تاج آفس دھلی